وما ینطق عن الھوای

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے

سورۃ النجم۔۳

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر سید محمد حمید الدین شرفی

سجادہ نشین حضرت تاج العرفاءؒ، ڈائریکٹر آئی ہرک

آئی ہرک پبلکیشنز ۔ حمیدیہ، حیدرآباد

جملہ حقوق بحق آئی ہرک محفوظ ہیں

کتاب کا نام : وما ینطق عن الھویٰ

مصنف : ڈاکٹر سید محمد حمید الدین شرفی

اشاعت : ربیع الاول ۱۴۳۵ھ م جنوری ۲۰۱۴ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۴۰۰ روپئے

ناشر : اسلامک ہسٹری ریسرچ کونسل انڈیا (آئی ہرک)

ملنے کے پتے

''ایوان تاج العرفاء'' حمید آباد
شرفی چمن، سبزی منڈی قدیم
حیدرآباد۔ ۵۰۰۲۶۷

''میلاد محل''، علیون باغ
ازرا چٹم پلی، نزد مومن پیٹھ
سداسیو پیٹ، ضلع رنگا ریڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

حضور سرورِ کونین افسر الاولین والآخرین سید المرسلین

رحمۃ للعلمین خاتم النبیین

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے نام اقدس سے معنون

فہرست مضامین

سلسلہ نشان	عنوان	صفحہ نمبر
۱	علم حدیث، تاریخ وتدوین۔ صحت واعتبار	۱
	موضوعات: عظمتِ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	
۱	میں محمدؐ ہوں	۲۷
۲	میں تمہاری مانند نہیں	۳۱
۳	شان خاتمیت	۳۴
۴	فضائل وخصائص	۳۸
۵	محبت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۴۲
۶	میں دعاے ابراہیم (علیہ السلام) ہوں	۴۵
۷	سلام حجر وشق قمر	۴۹
۸	سب سے زیادہ میری تصدیق کی گئی	۵۳
۹	میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں	۵۶
۱۰	ظہور قدسی کا زمانہ سب سے بہترین دور ہے	۶۰
۱۱	قیامت کے دن میں پہلا مقبول الشفاعت ہوں	۶۵
۱۲	میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا	۶۹
۱۳	شفاعت امت کی دعا	۷۲
۱۴	اہل کبائر کی شفاعت	۷۵
۱۵	تقسیم آب کوثر	۷۸
۱۶	مناظر معراج شریف	۸۲
۱۷	اللہ ہمارے ساتھ ہے	۸۶
۱۸	جوانان جنت کے سردار	۹۰
	قرآن حکیم	
۱	قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے والا خوش مقدر ہے	۹۴
۲	اچھی آواز سے تلاوت قرآن مجید کرو	۹۷
۳	تلاوت قرآن مجید ضمانت عطا وبرکت ہے	۱۰۱

۴	تلاوت کرتے جاؤ، بلندی پر چڑھتے جاؤ	۱۰۵

نماز

۱	روز وشب پانچ نمازیں فرض ہیں	۱۰۹
۲	نمازیں گناہوں کو مٹاتی ہیں	۱۱۳
۳	نماز کا اس کے اول وقت پڑھنا افضل ہے	۱۱۷
۴	اللہ تعالیٰ پانچ نمازوں کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے	۱۲۰
۵	نماز باجماعت ستائیس درجہ افضل ہے	۱۲۴
۶	اپنی صفوں کو برابر (سیدھی) کرو	۱۲۸
۷	اذان دینے کا ثواب	۱۳۲
۸	قصر، صدقۂ ربانی ہے اسے قبول کرو	۱۳۶
۹	بہترین دن، جمعہ کا دن ہے	۱۴۰
۱۰	فضیلت نماز جمعہ	۱۴۴
۱۱	بوقت خطبہ امام سے قریب رہیں	۱۴۶

روزہ

۱	جب ماہ رمضان آتا ہے	۱۵۰
۲	چاند دیکھو روزہ رکھو	۱۵۳
۳	روزہ حیلہ مغفرت	۱۵۶
۴	سحری میں برکت ہے	۱۶۰
۵	افطار میں عجلت بھلائی ہے	۱۶۴
۶	اعتکاف گناہوں سے روکتا ہے	۱۶۷

حج / عمرہ / قربانی

۱	حج فرض ہے	۱۷۱
۲	میقات	۱۷۴
۳	تلبیہ	۱۷۷
۴	حجر اسود سے حجر اسود تک	۱۸۰

۵	حاجی نہ فحش کلامی کرنے نہ فسق کی باتیں	۱۸۴
۶	عمرہ سے عمرہ تک	۱۸۸
۷	پہلے نماز پھر قربانی	۱۹۰

انفاق ؍ زکوٰۃ ؍ صدقہ

۱	اے فرزند آدم! راہ حق میں خرچ کر کہ اللہ تجھے خوب عطا کرے	۱۹۴
۲	اونچا ہاتھ، نیچے ہاتھ سے بہتر ہے	۱۹۷
۳	یتیم کا کفیل جنتی ہے	۲۰۱
۴	بے شوہر عورت اور مسکینوں پر خرچ کرنے والا مجاہد راہ حق کی طرح ہے	۲۰۴
۵	ایک درہم لاکھ درہم سے افضل	۲۰۸
۶	صدقہ دو آگ سے بچو	۲۱۲
۷	ہر اچھا کام صدقہ ہے	۲۱۵
۸	وجوب صدقہ فطر	۲۱۸

ذکر ؍ دعا ؍ استغفار

۱	اسماء حسنٰی	۲۲۱
۲	زندہ اور مردہ کی مثال	۲۲۵
۳	دو کلمے جو زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری	۲۳۰
۴	فرمان حق تعالیٰ ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں	۲۳۳
۵	شب بیداری کفارہ عصیاں ہے	۲۳۷
۶	ہر رات پچھلے پہر دعاؤں کی قبولیت اور نوید بخشش	۲۴۰
۷	توبہ کی اہمیت	۲۴۴
۸	سب سے بہتر استغفار	۲۴۷
۹	دعا بھی عبادت ہے	۲۵۰
۱۰	دعائیں قبول ہوتی ہیں	۲۵۳
۱۱	دعا مغز عبادت ہے	۲۵۷
۱۲	استخارہ کر لیا کرو	۲۶۰

۱۳	بیماری کے ساتھ شفا بھی ہے	۲۶۳

قبر/جنت/دوزخ

۱	اللہ تعالیٰ مومنوں کو (دنیا و آخرت میں) مضبوط بات پر قائم رکھتا ہے	۲۶۷
۲	قبور کی زیارت کرو	۲۷۱
۳	جنت میں تھوڑی جگہ بھی بہت بہتر ہے	۲۷۵
۴	جب دوزخ کھینچ کر لائی جائے گی	۲۷۹

ایمان/اسلام

۱	اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے	۲۸۲
۲	بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور بہترین طریقہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ ہے	۲۸۵
۳	دین آسان ہے	۲۸۹
۴	اعتدال و میانہ روی	۲۹۲
۵	دین خیر خواہی ہے	۲۹۵
۶	حقیقت احسان	۲۹۹
۷	لذت ایمان	۳۰۳
۸	ایمان کی شاخیں	۳۰۷
۹	جس نے شہادت دی آگ اس پر حرام ہے	۳۱۰
۱۰	ایمان اور حیا	۳۱۳
۱۱	پاکی نصف ایمان ہے	۳۱۷
۱۲	نیت اور اعمال	۳۲۱
۱۳	امید مغفرت اور خوف عصیاں	۳۲۴

علم

۱	اللہ نے علم سے ابتداء فرمائی ہے	۳۲۸
۲	اللہ دیتا ہے میں بانٹتا ہوں	۳۳۱
۳	طلب علم	۳۳۷

مسلمان رمومن

۱	مسلمان مسلمان کا (دینی) بھائی ہے	۳۴۱
۲	مومنین ایک جسم کی طرح ہیں	۳۴۴
۳	مومن پر مومن کے چھ حق ہیں	۳۴۸
۴	تحفظ مسلم	۳۵۲
۵	جو اپنے لئے وہی اپنے بھائی کے لئے	۳۵۵
۶	دراز عمر صالح اعمال خوب ہیں	۳۵۸
۷	منافق کی پہچان	۳۶۲

نیکی رگناہ

۱	ایک نیکی دس درجہ زیادہ لکھی جاے گی	۳۶۵
۲	جب تک اظہار نہ ہو	۳۶۹
۳	یہ سراسر ایمان ہے	۳۷۲

ریا کاری

۱	اللہ جو سنانا دکھانا چاہے گا سنا دکھا دے گا	۳۷۵
۲	دلوں اور اعمال کے احوال بھی پوشیدہ نہیں	۳۷۹
۳	مومن کی فوری بشارت	۳۸۲

صلہ رحمی

۱	ماں کی خدمت	۳۸۵
۲	بچوں سے محبت	۳۸۸
۳	بیویوں سے اچھا سلوک	۳۹۱
۴	صلہ رحمی کرو	۳۹۵
۵	جب کوئی رشتہ توڑے تو اس کو ملائے	۳۹۸
۶	تم پر دوسروں کا بھی حق ہے	۴۰۲
۷	بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے	۴۰۵

آپسی محبت

۱	کوئی جو صرف اللہ کے لئے چاہے	۴۰۹
۲	جو اپنے بھائی سے محبت رکھے اسے بتا دے	۴۱۳
۳	چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی توقیر کرو	۴۱۷
۴	جو لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا اللہ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے	۴۲۰

اخلاق

۱	نرمی سے محرومی بھلائی سے محرومی ہے	۴۲۳
۲	بھلائی اور برائی کی حقیقت	۴۲۶
۳	ظلم مت کرو	۴۳۰
۴	صابر کے لئے جنت ہے	۴۳۴
۵	جو ابتداء کرے	۴۳۸
۶	عیب پوشی کرو کہ تمہاری عیب پوشی ہو	۴۴۱
۷	بخل اور بداخلاقی سے بچو	۴۴۴
۸	اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے فحش گو بدخلق سے	۴۴۷
۹	تندرستی اور خوش حالی نعمتیں ہیں	۴۵۱
۱۰	اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے	۴۵۵

کلام

۱	بات امانت بھی ہے	۴۵۹
۲	سچ پر مداومت، جھوٹ سے اجتناب	۴۶۳
۳	اچھی بات کہو یا چپ رہو	۴۶۷
۴	سوچ سمجھ کر بولو	۴۷۱
۵	اپنی زبان کو قابو میں رکھو	۴۷۵

معاشرت

۱	پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک	۴۷۸
۲	مہمانوں کا اکرام	۴۸۲

۳	سلام کلام سے پہلے ہے	۴۸۶
۴	مصافحہ سبب بخشش	۴۹۰
۵	اجازت طلبی	۴۹۴
۶	بدفالی کچھ نہیں	۴۹۷
۷	پسندیدہ نام	۵۰۱

روزی

۱	امانت دار سچے تاجر کا مرتبہ	۵۰۶
۲	سود سے بچو	۵۰۹
۳	اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں	۵۱۲
۴	حرص سے بچو	۵۱۵
۵	داہنے ہاتھ سے کھاو	۵۱۹
۶	ہر نشہ آور چیز حرام ہے	۵۲۳

i	کتابیات	۵۳۲

علم حدیث، تاریخ وتدوین۔صحت واعتبار

حدیث حدث سے مشتق ہے۔اس کی جمع احادیث اور معنی بیان، کلام، خبر، ذکر اور حکایت ہے۔ اصطلاح شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل کی خبر کو کہتے ہیں۔

قرآن وحی جلی یا وحی متلو کہلاتا ہے جس کے الفاظ اور مفاہیم ومطالب واضح اور ظاہر ہیں۔قرآن کلام الٰہی اور مقام ومرتبہ میں افضل واعلیٰ ہے۔یہ احساس عظمت قرآن تا قیامت اہل ایمان کی پہچان رہے گا۔ احادیث کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔یعنی وہ حقائق جو خاص قلب اطہر پر منکشف ہوئے یا تو بحکم الٰہی ملائکہ نے مخفی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیئے۔اور جب کبھی ان کا اظہار مقصود ہوا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان امور کو خاص اپنے الفاظ میں بیان فرمادیا۔انہی کو احادیث کہتے ہیں۔

احکام قرآن مجمل یا کلیات کی شکل میں ہیں۔ان کی تشریح تفہیم اور تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اقوال اور اعمال سے فرمائی۔یہی اقوال حدیث اور یہی اعمال سنت ہیں۔بعض اہل علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہونے والے واقعات کی بھی اسی سے تعبیر کرتے ہیں۔انواع حدیث میں قولی،فعلی اور تقریری ہیں۔

حدیث وحی خفی ہے۔لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد درحقیقت فرمان الٰہی ہے اس بات کا

قرآن نے واضح اشارہ فرمادیا ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ o ان ھوا لا وحی یوحیٰ (ق/النجم ۳ ۔۴)

''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے جب تک کہ وحی الٰہی نہ اترے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو کتاب اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو حکمت فرمایا ہے

و انزل اللہ علیك الکتب و الحکمۃ و علمك مالم تکن تعلم ۔ (ق/النساء ۱۱۳)

''اور اللہ نے تم پر کتاب وحکمت اتاری اور تم کو وہ سب کچھ سکھادیا جو تم نہیں جانتے تھے''۔

کتاب یعنی قرآن کے ساتھ حکمت کے نزول کا خصوصی ذکر اس کی اہمیت پر دال ہے۔ یہاں حکمت سے مراد وہ احکام ومصالح ہیں جنھیں دنیا نے زبان وحی ترجمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ اس ارشاد سے آیات قرآنی کے ساتھ ساتھ الفاظ حدیث کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کتاب الٰہی کی طرح ارشادات رسول اللہ ؐ کو بھی واجب عمل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ۔ (ق/النساء ۵۹)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصوص قرآنیہ کی طرح احکام حدیث بھی واجب التعظیم ہی نہیں بلکہ واجب التعمیل بھی ہیں۔ قرآن نے یہاں تک صراحت فرمادی ہے کہ محبت حق تعالیٰ کا اطاعت واتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انحصار ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ؐ کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ قرآن حکیم نے یہ حکم دیا ہے۔

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (ق/ حشر ۷)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو''

یہ گویا احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قانونی حیثیت اور واجب عمل ہونے کا اعلان ہے۔ ہر مومن کے لئے اس حکم کی پابندی ضروری ہے۔

الفاظ، محل ارشاد، موضوع، ترتیب، اصول، اسناد، قبول، روایت، درایت، ناسخ و منسوخ، نزول، اختلاف، اقسام، انواع، جرح، تعدیل، تعریف، تاریخ، تدوین، جمع، تفریق، رجال، راویان، متن، نقل، معروف، منکر، اسباق اور بیان وغیرہ جملہ امور جن کا راست یا بالواسطہ قول و فعل و حال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ تعلق ہو ''علم حدیث'' ہے۔

حدیث شریف اور علم حدیث کی صحیح تعریف یا تشریح ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اس کی رفعت و فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ یہ محبوب کبریا، سید الانبیاء صاحب قاب قوسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے۔ بلاشبہ رضائے حق کے حصول کے لئے علم حدیث سے افضل کوئی اور علم نہیں۔ عالم انسانیت بالعموم اور مسلمانان عالم ہمیشہ اپنے تمام امور حیات، معاملات دین و دنیا کے سلسلہ میں اس کے محتاج ہیں۔ علم حدیث افضل العلوم اور باعث سعادت فکر و دانش ہے۔ اس کے ذریعہ حضور محبوب کردگارؐ کی ذات مطہرہ کے ساتھ ربط و تعلق قائم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کو سمجھنے، تفسیری حقائق اور تشریحات احکام کے لئے حدیث سے رجوع کرنا ضرورت دین ہے۔ علم فقہ، بغیر علم حدیث بے معنیٰ ہے گویا مسلمانوں کی فکری، علمی، دینی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی حیات کا تمام تر انحصار علم حدیث پر ہے۔

موضوع کے لحاظ سے علوم و فنون کی شناخت ہوتی ہے۔ علم حدیث کا تعلق خاص ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے لہٰذا اس کا درجہ نہایت بلند و ارفع ہے۔ اس خاص و پاک موضوع کے لحاظ سے اس

علم کی پہچان ہے۔

قرآن حکیم اشرف الصحائف اور کلام الٰہی ہے۔ جامعیت اور تاثیر میں اپنی مثال آپ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے کتاب مبین فرمایا ہے اس کی جملہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بیان تبیان اور تفسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ اور دوسروں کے لئے اصول وکلیات کا درجہ، لہذا بندگان حق تعالیٰ کو کتاب الٰہی کی تعلیم دینا اور آیات جلیلہ کی تشریحات سے آگاہ کرنا رسول اللہ ؐ کا منصب ہے۔ اصول قرآنیہ اور آیات کتاب کی تفصیل وتوضیح کے ضمن میں زبان اطہر سے نکلے ہوئے الفاظ بہ شکل حدیث قانون کا حکم رکھتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

واقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوٰۃ (ق/بقرہ ۱۱۰)

''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو''

نماز، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ کے احکام اور بنیادی اصول قرآن حکیم میں ہیں لیکن ان احکام اور اصولوں کی تشریحات جیسے ارکان صلوٰۃ کی ترتیب، تعداد رکعات، زکوٰۃ کے مقاصد، مقدار، شرائط، روزہ سے متعلق تفصیلات اور دیگر فرائض وواجبات کی تفاصیل احادیث میں ملتی ہیں جو بہر حال واجب العمل قانون ہیں۔

تاریخ کی تعریف مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے۔ انسانی علوم وفنون میں تاریخ ایک معزز، بلند پایہ، مفید اور بامقصد فن ہے۔ امم سابقہ، اقوام ماضیہ، حکمرانوں، جنگوں، واقعات، جگھوں اور اشیاء کے احوال سے واقفیت کا وسیلہ تاریخ ہے۔ اسے تمدن انسانی کی تدریجی داستان کا نام دیا جاتا ہے۔ تاریخ کا موضوع ہر عہد میں مختلف زاویوں سے زیر مطالعہ رہا ہے اس کی ہمہ گیری اور وسعت کا لحاظ کرتے ہوئے مختصر اور جامع تعریف مشکل ہے جب کہ حدیث وہ لفظ ہے جو اپنی جامعیت اور خوبی کے لحاظ سے ایک بہت بڑے، وسیع اور مقدس مفہوم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت، حیات طیبہ کے تمام اثر انگیز اور

نورانی پہلوؤں، ارشادات، احکام، تعلیمات، اقوال واعمال ونیز جملہ امور وواقعات جو آپ سے متعلق ہیں اس ایک محترم لفظ میں سمٹ آتے ہیں۔ اقوام وملل ماضیہ کے مقابل ایک عظیم ہستی اپنے پاکیزہ وجود کے ساتھ گزشتہ چودہ صدیوں سے پوری دنیائے علم وفکر، عقل ودانش کی تمام تر توجہات سمیٹی نظر آتی ہے۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا احوال رسول اللہؐ کے دیکھنے یا سننے اور بیان کرنے والے آپ کے عہد کے بہت بعد نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صورت میں آپ کے ساتھ موجود تھے۔ راویان حدیث خود اپنے کانوں سے آپ کے ارشادات سنتے اور آپ کے احوال شریفہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے والے سامع اور عینی شاہد تھے۔ دنیا کی کسی قوم، حکمران یا واقعہ کی تاریخ بیان کرنے والا بہت کم ایسا کیا کرتا ہے اکثر صورتوں میں مورخ اپنی مبینہ تفصیلات کا خود عینی شاہد بھی نہیں ہوتا۔ زیادہ تر دوسروں کے اقوال، حکایات، افسانوں اور بنی بنائی باتوں پر انحصار کیا جاتا ہے جب انہی تمام باتوں کو تحریر کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے تو بعد والوں کے لئے تاریخی وثیقہ بن جاتا ہے اس کے باوجود ان میں ردوبدل، کانٹ چھانٹ اور حذف والحاق کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اکثر قدیم تاریخی دستاویزات اور تحریروں میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ بعض قدیم ومتوسط مورخین نے قرائن اور قیاسات کی اساس پر جب بھی چاہا حذف والحاق کے ذریعہ مخطوطات کو کچھ کا کچھ کر دیا اور نئے سرے سے مدون کر کے اخلاف کے لئے چھوڑ دیا۔ استثنائی صورتوں سے بحث نہیں۔ ویسے بادشاہوں اور حکمرانوں کے حالات اور شخصی کوائف کو من وعن ضبط تحریر میں لانا عملاً اکثر ممکن نہیں ہوا کرتا۔ مورخ پر کئی طرح کے دباؤ اس کے قلم کو متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ تخویف اور تحریص کے عوامل برابر سرگرم رہتے۔ ان حقائق کی موجودگی میں اس قول کی واجبیت محسوس کی جاسکتی ہے۔

''تاریخ میں مقام اور نام درست ہوتے ہیں واقعات اور حالات سب فرضی۔ جب کہ افسانے میں

واقعہ حقیقت پرمبنی ہوتا ہے باقی سب یعنی مقام، وقت اور نام فرضی''۔

اس کے برخلاف حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائل قابل اعتماد مورخین یعنی صحابہ کرام کی صداقت، نیک نیتی، اخلاص اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستگی اس شخصی اور موثر تاریخ کی انفرادیت اور اہمیت کو تسلیم کروا چکی ہے حضرت مناظر حسن گیلانی کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں۔

''کسی کی تاریخ ہو، ان کے مورخوں کو ان واقعات سے یا صاحب واقعات سے قطعاً وہ تعلق نہ تھا اور نہ ہوسکتا ہے جو صحابہ کرام کو ذات قدسیؐ سے تھا یہی نہیں ان بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان واسلام کی بیعت کی تھی، آپ کی نبوت پر وہ ایمان لائے تھے۔ آپ سے ان کو وہ تعلق تھا جو ایک امتی کو اپنے پیغمبر سے ہونا چاہئیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے وہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے وہ سب کچھ حضور اکرمؐ پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے گویا ایک قسم کے عشق وسرمستی کے نشہ میں مخمور تھے۔ یقیناً یہ ایسا امتیاز ہے جو کسی تاریخی واقعہ کو اپنے مورخین کے ساتھ حاصل نہیں، آخر دنیا کی ایسی کونسی تاریخ ہے جس کے بیان کرنے والے مورخین اس تاریخ سے ایسا والہانہ تعلق رکھتے ہوں کہ بیان کرتے جاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں، کانپتے جاتے ہیں'' ۔

(تدوین حدیث صفحہ۱۲)

اس صورت حال میں حذف والحاق، تحریف واضافہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ان مورخین یعنی صحابہ کرام کو اس ذات اقدس واطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسوانح، احوال وکوائف، معمولات اور واقعات سے کس قدر قلبی اور سچا لگاؤ ہوگا، وہ روئداد کتنی عزیز ہوگی اس کا ان کے دلوں پر، دماغوں پر کتنا اثر ہوگا اس کا

اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً اپنی محبوب ترین ہستی کے سلسلہ میں وہ تحریف، تبدیلی، حذف و اضافہ کی بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ صحابہ کرام نے دست رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت ہی اس بات پر کی تھی کہ وہ ذات اقدسؐ، حیات طیبہ، افعال و اعمال مبارکہ کے ہر پہلو، ہر بات اور ہر گوشہ بلکہ ایک ایک نقش اور ایک ایک خط و خال کو اپنا کر سیرت مبارک کا نمونہ بن جائیں گے۔ تمام صحابہ کرام کا مقصد حیات اور مطلوب زندگی یہی تھا کہ جو کچھ حضور اقدسؐ سے سنیں اسے یاد رکھیں اس پر ایمان لائیں اور حضور انورؐ کے طور طریق، طرز حیات جملہ عادات و شمائل کو اچھی طرح سمجھیں اور انھیں پوری طرح اپنائیں و نیز بعینہ اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ ان تمام باتوں کو وہ اپنے اوپر واجب تصور کرتے اور اہم دینی امانت خیال کرتے تھے۔ ہر حاضر غائب کو، ہر اگلا پچھلے کو، ہر پہلا بعد والے کو حضور اقدسؐ کا قول و فعل پہنچا دینا ذمہ داری سمجھتا تھا۔ خود رسول اللہؐ کی بھی یہی تعلیم و ہدایت تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف ہے۔

لیبلغ الشاھد الغائب

''جو حاضر ہے اسے چاہئیے کہ غائب کو پہنچایا کرے''

متعدد موقعوں پر اس مفہوم کا ارشاد الفاظ کے تغیر کے ساتھ ہوا کرتا جسے سننا اور اس پر عمل کرنا سعادت خیال کیا جاتا ہے۔ فرمایا کرتے

''ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انھیں اس سے مطلع کرتے رہنا''۔

صحابہ کرام ارشادات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشر و اشاعت کے ذمہ دار تھے۔ اور ان ارشادات کو چھپانا گناہ خیال کرتے تھے وہ حضور انورؐ کی ہر بات کو خدائے تعالیٰ کا منشاء خیال کرتے تھے۔ حضور اقدسؐ نے اس بارے میں سخت تاکید فرمائی کہ کوئی بات غیر ضروری منسوب نہ کی جائے۔

من كذب علی متعمد افلیتبوا مقعده من النار

''جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا، چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے''

اس قدر سخت تہدید کے بعد کون ہوگا جو جھوٹی حدیث بیان کرنے کی جراءت کر سکے۔ صحابہ کرام سے ایسا گمان بھی گناہ کے مترادف ہوگا۔ ان کے اعلیٰ کردار، صدق وصفا، دیانت وامانت کے معیار کے پیش نظر یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھیں۔ رسول اللہؐ خود بھی اپنے ارشادات اور احکام کی تعمیل کے ضمن میں مشاہدہ ونگرانی کیا کرتے تھے۔ اس طرح غلطی اور کذب کے امکانات ختم ہو جاتے جو کچھ ارشاد فرماتے وہ لوگوں سے خود دہرا کر سماعت فرماتے تبدل وتغیر الفاظ کی صورت میں تصحیح فرما دیتے۔ علم حدیث کی ترویج، ترقی، توسیع اور اشاعت کا ہر مرحلہ صحابہ کرام کے رسول اللہؐ سے عشق و وارفتگی کا آئینہ دار ہے۔ حضور اقدسؐ کی ذات مبارکہ اور آپ کے پیغام حق وصداقت کی اثر انگیزی نے صحابہ کرام کی ذہنی قوت اور عملی توانائی کو ایک نئی حیات عطا کر دی تھی۔ مشہور مستشرق گاڈ فرے ہگنس کے یہ الفاظ یاد رکھے جائیں گے۔

''عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو حضرت عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ عیسائی ہی نہیں دنیا کو چاہیئے کہ یاد رکھے اس نشہ کی نظیر نہ کائنات نے پہلے دیکھی تھی نہ اس کے بعد دیکھ سکے گی۔'' (تدوین حدیث صفحہ ۱۷)

جس قوم کا اپنے نبی کے ساتھ ایسا فداکارانہ تعلق ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے نبی کے اقوال اور اعمال کی نگہداشت میں کس قدر حساس ہوگی۔ صحابہ کرام کی ذات حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت وشیفتگی کے سینکڑوں واقعات ایمان میں بالیدگی اور عمل میں اخلاص وپاکیزگی کا موجب ہیں۔ اس بات

کا ثبوت سیرت طیبہ کی کتابوں میں موجود غیر مسلموں کے مختلف موقعوں پر دیئے گئے بیانات سے ملتا ہے بالخصوص ایمان لانے سے قبل عروہ ابن مسعود ثقفی اور عمرو بن العاص کے اہل مکہ اور شاہ حبش نجاشی کے دربار میں اظہار حقائق بہت اہم ہیں۔

احادیث کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ایسا قدرتی نظام کر دیا تھا کہ صحابہ کرام اپنی جانوں سے کہیں زیادہ اقوال وافعال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت کو سعادت دارین اور موجب رضائے الٰہی جانتے تھے۔ حفظ ونگہداشت، عمل پیرائی اور ترغیب ہی نہیں بلکہ حدیث کی تدوین، تشہیر، تعلیم وترغیب کے ضمن میں صحابہ کرام کی خدمات لائق صد ہزار رشک اور حیرت انگیز ہیں حضور اکرمؐ کے ارشادات اور معمولات شب و روز کی ایک ایک جزئی کیفیت پاک دیکھنے والے اور خوش مقدر بیان کرنے والے راویوں کی تعداد خود حیات مبارکہ میں ہزاروں سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس بات پر تمام ائمہ رجال کا اتفاق ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت شریف کے وقت زائد از ایک لاکھ صحابہ اور صحابیات تھیں۔ ان میں سبھی حضور انورؐ سے سن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے۔''

یہ تعداد راویان حدیث صحابہ کرام کی ہے۔ ورنہ حالت ایمان میں ایک نظر جمال پاک دیکھنے والے خوش مقدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جملہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ دنیا کی کسی قوم، تمدن وتہذیب، ملک وسلطنت یا واقعہ کے مورخین کی تعداد ایک دو یا پانچ دس سے زیادہ نہیں ہوتی پھر بھی ان میں اکثر کا نسیان زدہ، قیاسی، غلط بیان اور تاریخ نویسی کے سلسلہ میں لاپرواہ ہونے کا قوی احتمال رہا کرتا ہے لیکن یہ تاریخ عالم کا سب سے حیرت انگیز اور موثر واقعہ ہے کہ ایک ''ذات اقدسؐ'' پر مسلسل نگاہیں جمانے والی دو لاکھ سے زائد آنکھیں تھیں جن کے چوکنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے تو صدیوں کے گزر جانے کے

باوجود ہر بات من وعن، ہر فعل ہو بہو بلکہ پورا سراپا آج بھی ہر مومن کے قلب ونظر میں محفوظ ہے اور اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اہل ایمان کے رگ وپے میں اقوال گرامی لہو کی مانند گردش کرتے محسوس ہوتے ہیں۔حیات پاک کا ہر پہلو، جلوت اور خلوت کا ہر گوشہ، اندرون اور بیرون خانہ، اپنے اور بیگانے ماننے اور انکار کرنے والوں کے درمیان فرمایا ہوا ایک ایک لفظ، ایک ایک عمل اس طرح مامون ومحفوظ ہے کہ ہر کوئی قائل اور سبھوں کو اعتراف ہے۔کسی نے خوب کہا ہے۔

''یہاں پورے دن کی روشنی ہے۔جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے''

ایک لاکھ صحابہ کرام کی تعداد ہر وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں رہا کرتی تھی البتہ تمام عہد رسالت میں اس کا ایک نہ ایک حصہ برابر حاضر رہتا اور سماعت، مشاہدہ اور استفادہ میں مشغول و منہمک رہا کرتا۔موجود، غائب تک ہر بات، ہر فعل، ہر نکتہ اور ہر حکمت پہنچا دیتا۔کتب احادیث میں خلفاء کرام اور اکابر صحابہ کا ایک دوسرے سے حدیث پوچھنے اور روایت کرنے کی تفصیلات اس کا ثبوت ہیں۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں امہات المومنینؓ سے بھی رجوع کیا جاتا ہر ایک اپنے علم کی کمی دوسرے واقف کار سے پوچھ کر پوری کر لیتا۔اس ضمن میں حضرت عمر بن خطابؓ کے طریقہ سے دوسرے صحابہ کرام کے ذوق وشوق دریافت حدیث وسنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ جب عوالی مدینہ میں فروکش تھے چند مجبوریوں کے سبب ایک دن کے وقفہ سے مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔اپنی غیر حاضری کے دن کی ساری تفصیلات اپنے اس روز کے حاضر باش پڑوسی سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔صحابہ کرام بلاشبہ حیات طیبہ کا پرتو، منہ بولتی تصویریں، کتاب سیرت کے مثنیٰ نسخے اور حفاظت حدیث کے ذمہ دار تھے۔

تدوین حدیث کے غرض و غائت میں احکام قرآنیہ کی تشریحات وتصریحات کے ساتھ ان تمام من گھڑت غیر صحیح اور فرضی اقوال و اعمال کو جو بنام حدیث وسنت خود دور رسالتؐ وعہد صحابہ میں مخالفین اور منافقین کی جانب سے پھیلائے جا رہے تھے اور عام مسلمانوں کا انھیں قبول کر لینے کا خدشہ تھا، ان تمام بے اصل احادیث اور سنتوں کو روکنا تھا۔ طبرانی اور اصابہ میں مندرج اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین خود عہد نبویؐ میں ایسی حرکتیں کرتے تھے۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح لباس پہن کر ایک گھر میں پہنچا اور کہا کہ رسول اللہؐ نے اسے اجازت دی ہے کہ جس گھر میں چاہے جھانکے۔ لوگوں نے کہا حضور اقدسؐ کبھی بے شرمی کی باتوں کا حکم نہیں دیتے۔ یہ بات جب سماعت مبارک تک پہنچی تو اس شخص کی غلط بیانی پر حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کو حکم دیا کہ اس جھوٹے کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پانچ سو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ تیار فرمایا۔ پھر یکا یک اسے ایک دن ضائع کر دیا۔ ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ''مجھے خیال آیا کہ شاید اس مجموعہ میں ایسے شخص کی بھی بات ہو جس پر میں نے اعتماد کیا ہے اگر اس نے جو بیان کیا ہے اور وہ قول یا واقعہ رسول اللہؐ کے ارشاد یا عمل کے برخلاف ہو تو پھر اس مجموعہ کو باقی رکھنا درست نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے اسے تلف کر دیا کہ حضور اقدسؐ سے کسی غلط بات منسوب ہونے کا گمان تک نہ رہے''۔

فاسد اغراض کی خاطر غلط روایات کی تشہیر کا خطرہ آج سے کہیں زیادہ عہد شیخین میں تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو کثرت روایات سے روکتے تھے۔ فرماتے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف

منسوب کر کے حدیثوں کے بیان میں کمی کیجئے‘‘۔اس ارشاد فاروقی میں یہ حکمت تھی کہ کثرت روایت کے سبب کہیں رسول اللہؐ سے غلط بات منسوب نہ ہو جائے اور جنھیں اپنے حافظہ اور یادداشت پر زیادہ بھروسہ نہ ہو تو کہیں وہ بھی بیان حدیث میں جری نہ ہو جائیں‘‘۔جس نے حدیث کو پوری طرح یاد کر لیا ہو اور اچھی طرح محفوظ رکھے وہی بیان کرے اور جسے اپنے حفظ وضبط پر اطمنان نہ ہو تو وہ ترک کر دے۔

تدوین حدیث کے ضمن میں ان حقائق کو اولیت دی گئی ہے جو اصول مدون ہوئے اس میں اس بات کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا کہ راویان حدیث حفظ وضبط واحتیاط کے متعینہ ومقررہ معیار کے ساتھ ساتھ تقرب خداو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تقویٰ و پرہیز گاری کے مثالی نمونہ واقع ہوں اس حزم واحتیاط کے باعث مدونہ ذخائر ہر طرح محفوظ ومعتبر مانے گئے۔اگر تدوین حدیث کا کام بروقت اور ذمہ داری کے ساتھ نہ ہوتا تو صورتحال جو کچھ ہوتی ظاہر ہے۔آج بدترین مخالف بھی ان خزائن علم حدیث کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرسکتا۔

صحابہ کرامؓ کی طرح ان کے بعد والوں نے بھی علم حدیث کے سلسلہ میں ویسی ہی سنجیدگی، ایمانی وابستگی، بےلوث جذبہ اور ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور اس فیضان کا سلسلہ دراز تر ہوتا گیا یہاں تک کہ آج ہم پورے وثوق، اطمنان، یقین اور فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خزانہ حکمت نسلاً بعد نسلٍ گزشتہ چودہ صدیوں میں دنیا کے چپے چپے میں مختلف ذرائع اور طریقوں سے پوری احتیاط اور بہ کمال حفاظت پہنچا ہے۔

عقائد وایمان کے مسائل ضروریہ کے مختلف ابواب میں اتفاقی مسائل کا انتخاب بلحاظ تواتر کے آجائے تو ان کی تعداد چند ہزار ہوگی۔البتہ توثیق روایات نے اس ذخیرہ کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔صحابہ کرامؓ ایک ہی حدیث کو ممکنہ ذرایع سے بہ غرض اطمنان پوچھ لیا کرتے تھے۔اسی طرح حدیث

کے طلبہ نہ صرف استاد بلکہ معاصرین سے بھی دریافت واقعہ وروایت کیا کرتے تھے۔ یہ ذوق اتنا بڑھ گیا کہ ایک مشہور حدیث۔

انما الاعمال بالنیات (اعمال نیتوں سے ہیں)

سات سو طریقوں سے مروی ہوئی ہے۔ یعنی حدیث ایک ہے لیکن اسکی سات سو سندیں ہیں یہ رواج در حقیقت روایتوں میں قوت کے لئے ہوا۔ عہد صحابہ میں بھی یہ مزاج تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر متواتر حدیثوں کے راوی بھی آٹھ تا دس صحابی مل جاتے ہیں۔ پھر اسی میں ہر حدیث کے بعد تمام تر راویوں کے نام بھی لکھ دیئے جاتے ہیں یہ تو یعنی شاہدین ہوئے بعد میں صحابہ کرام کے شاگرد پھر ان کے شاگرد یونہی یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا تو ان کا شمار کرنا مشکل ہو گیا۔

عہد رسالت پناہی میں مسجد نبوی میں ایک درسگاہ صفہ تھی جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم کا نظم قائم تھا ستّر تا اسّی صحابہ جہاں ہمیشہ اکتساب علم میں مشغول رہا کرتے۔ معلمین میں حضرات ابوبکر، زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم تھے۔ یہاں کے پڑھنے سیکھنے والے اپنے اپنے مقامات پر جا کر لوگوں کو قرآن وحدیث، احکام ومسائل سے واقف کرواتے گویا دین کے احکام کی تشریحی، تعمیلی، تعلیم وتربیت کا منضبط سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوتا تھا اور وفات شریفہ کے بعد بھی یہ نظام جاری رہا اور اس میں مزید توسیع ہوئی۔ مسجد نبوی میں زائد از دس حلقہ ہائے درس حدیث ہوا کرتے تھے صحیح احادیث کا ایک بڑا حصہ عہد صحابہ ہی میں ضبط تحریر میں آچکا تھا۔ بعد میں تواتر اور روایت کے ذریعہ جو ذخیرہ تحریر ہوا وہ آج تک محفوظ چلا آرہا ہے البتہ اس کی وسعت زیادہ حیرت انگیز ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اگر ایک حدیث سات سو طریقوں سے روایت ہوئی ہے اور روایتوں کے اعتبار سے ایک نہیں سات سو شمار کیا جائے تو ہزاروں احادیث کو بہ لحاظ روایت وسند دہائیوں

اور سینکڑوں سے ضرب دیا جائے تو تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے گی۔ بیشتر احادیث کثرت اسناد والی ہیں۔

حدیث کا اطلاق ابتداءً صرف اقوال پر ہوا کرتا تھا بعد میں وسعت ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے افعال مبارکہ کو بھی اسی کا نام دیا گیا پھر صحابہ کرام کے اقوال و اعمال، خطبات، فیصلوں کو ہی نہیں تابعین تبع تابعین کے متعلقات بھی اسی ذیل میں شامل کر دئے گئے۔ علامہ ابن جوزی کے نزدیک ''اعداد سے احادیث کے متن نہیں بلکہ ان کے طریقے اور اسناد مراد ہیں''۔

امام بخاریؒ کو ۲ لاکھ غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کی صحیح سند کے ساتھ مروی احادیث کی تعداد دو ہزار چھ سو تئیس (۲۶۲۳) ہے اگر چہ کہ بخاری شریف میں جملہ نو ہزار بیاسی حدیثیں ہیں۔ امام مسلمؒ کو اپنی صحیح کے لئے تین لاکھ احادیث سے انتخاب کرنا پڑا نتیجتاً چار ہزار کی تعداد رہی صحیحین کی مشترک احادیث الگ کر دی جائیں تو یہ عدد اور کم ہو جائے گا۔ موطا امام مالک میں کل ملا کر ۶۹۷ حدیثیں ہیں واقعتاً صحیح، حسن، ضعیف اور جملہ انواع کی احادیث جو مشہور کتب میں ہیں ان کی تعداد پچاس ہزار سے کچھ کم ہی ہوگی۔ حاکم کا کہنا ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکتوبات مبارکہ، نامہ ہائے شریفہ، معاہدات، امان نامے، جاگیرات اور مقطعہ جات کی عطائی کے پروانے، فرامین مبارک اور حکمنامے، جن کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے۔ یہ سب حدیث کی تعریف میں آتے ہیں۔ علاوہ ازیں خود عہد مقدسہ میں دس ہزار سے زیادہ احادیث ضبط تحریر میں آچکی تھیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو کتابت حدیث کی اجازت مرحمت ہوئی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ ابن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے علاوہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے علی الترتیب پانچ ہزار تین سو چوہتر، زائد از پانچ ہزار، بارہ سو چھیاسی اور دو ہزار دس احادیث مروی ہیں۔

علم حدیث کی توسیع، ترقی، ترویج اور تبلیغ کے بعض اہم عوامل واسباب یہ ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت شریف کے بعد ایک سو سال تک صحابہ کرامؓ کا موجود ہونا، راویان حدیث کا حیرت انگیز اور غیر معمولی حافظہ، حفظ حدیث کا عام ذوق، صرف علم حدیث کو درجہ علم کا تصور، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، بصرہ اور کوفہ کا مراکز علم حدیث قرار پانا۔ تدوین حدیث میں ہزاروں تابعین کی مشغولیت صرف مدینہ منورہ میں ۴۸۴ تابعین اس کام میں مصروف تھے۔

علم حدیث کی چند اصولی اصطلاحات کے ذکر کے بغیر صحت واعتبار کا مفہوم پورا نہیں ہوسکتا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے جمہور علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر حدیث ہیں۔ رسول اللہؐ کے ارشادات یعنی احادیث بہ اعتبار روایت ودرایت، قابل حجت وناقابل حجت کے لئے محدثین کے پاس مقبول ومردود کی اصطلاحیں ملتی ہیں۔ مقبول احادیث کی تین مشہور قسمیں قولی، فعلی اور تقریری ہیں۔ انھیں صریحی اور حکمی کے طور پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادوار کے لحاظ سے مرفوع، موقوف اور مقطوع کی اصطلاحات مانی جاتی ہیں۔ اس کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے وہ قول وفعل وتقریر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منتہی ہو حدیث مرفوع ہے۔ جس کسی صحابی تک پہنچے موقوف اور تابعی تک پہنچتا ہو مقطوع ہے۔ موخر الذکر اصطلاح کو اثر بھی کہا جاتا ہے۔ جب کہ بعض علماء حدیث کے پاس خبر، حدیث کے معنی میں ہے۔

راویان حدیث کی تعداد کے لحاظ سے جو اصطلاحات رائج ہیں ان میں سرفہرست متواتر ہے۔ اس قسم میں رواۃ کی کثرت کا اعتبار ہے کہ جھوٹ کا احتمال نہ رہے تعین تعداد میں البتہ اختلاف ہے۔ احاد وہ حدیث جس کے روایت کرنے والے متواتر سے کم ہوں۔ اس میں اگر ہر طبقہ سے کم از کم ۳ راوی ہوں تو خبر مشہور، اگر ہر طبقہ

سے دو نقل کرنے والے ہیں تو عزیز اور اگر ہر جگہ یا کسی ایک جگہ صرف واحد راوی ہو تو وہ غریب یا فرد ہے۔ فرد کی شناخت کے لئے مطلق اور نسبی کی اصطلاح ہے۔ فرد مطلق میں ہر جگہ ایک اور نسبی میں بعض جگہ راوی ہوگا۔

حدیث شریف کے راویوں کے اوصاف وخصوصیات کے لحاظ سے بھی محدثین نے انواع واقسام حدیث کی تفصیلات بیان کی ہیں جن کی فن اصول میں بے حد اہمیت ہے۔ مثلاً صحیح یعنی تمام راویوں کے متدین، عادل ثقہ، ضابط، کمال حفظ اور عدم علت قادحہ کی شرائط کے ساتھ جس کی سند متصل ہو۔ حسن میں صحیح کی تمام شرائط ہوں البتہ راویوں میں ضبط کی کمی ہو۔ علاوہ ازیں صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ، حسن لغیرہ مخصوص تعریفات کے ساتھ مشہور اصطلاحیں ہیں سب یا بعض صفات معتبرہ فی الصحیح سے عاری رواہ کی نقل کردہ حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔ اسی طرح اپنے سے ارفع کے خلاف روایت کرنے والا ثقہ راوی جب نقل کرے تو شاذ اور اس کے مقابل کو محفوظ کہا جاتا ہے۔ یوں ہی قوی راوی ضعیف کے برخلاف روایت کرے تو معروف اور اس کے برعکس ہو تو منکر ایک ہی صحابی کی سند پر دو راوی موافق روایت کریں تو متابع اور دوسرے صحابی سے ایسی حدیث روایت ہو تو شاہد کہا جاتا ہے۔ کذب راوی کے ثابت ہو جانے پر مروی حدیث موضوع اور متروک وہ ہے جس کا راوی کذب کا متہم ہو۔ صحیحین میں ایک ہی صحابی سے روایت شدہ متفق علیہ کہلاتی ہے۔

محدثین اور علماء کرام نے متفق علیہ احادیث کو صحت اور قوت کے اعتبار سے ائمہ کے مدون اصولوں کی روشنی میں سب سے اعلیٰ درجہ دیا ہے۔ پھر صحیح بخاری، اس کے بعد مسلم، ان کے بعد موافق شرائط شیخین، ما بعد شرط بخاری، پھر شرط مسلم، بعد ازیں اصحاب صحاح ستہ کی شرائط کے مطابق احادیث کی درجہ بندی کی ہے۔ طالب ومحدث، حدیث شریف پڑھنے وپڑھانے والے کے لئے، ایک لاکھ احادیث کے اسانید ومتون کے عالم کو حافظ، ۳ لاکھ حدیثیں یاد رکھنے والا حجت اور جملہ احادیث مرویہ کے اسانید ومتون یاد رکھنے والے اور

تمام راویوں کے احوال سے واقف کے لئے حاکم کی اصطلاحات مخصوص ہیں۔

احادیث صحیحہ کے التزام والی کتاب صحیح کہلاتی ہے مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سیر وآداب وتفسیر وعقائد و فتن واشراط واحکام ومناقب پر مشتمل احادیث کی کتاب جامع کہلاتی ہے۔ ابواب فقہ کی ترتیب والا مجموعہ سنن، صحابہ کی ترتیب پر مبنی کتاب حدیث مسند، شیوخ کی ترتیب کے موافق کتاب معجم، کسی کتاب حدیث کے اثبات کے لئے جمع احادیث متسخرج، ضروری لیکن غیر مذکور احادیث کا اضافہ کرنے والی مستدرک، ایک مسئلہ کی احادیث جزء، ایک شخص کی احادیث مفرد، جس میں ۴۰ احادیث ہوں اربعین، مرسل احادیث کی کتاب مراسیل، مطالب ونکات حدیث کی کتاب امالی اور کسی معین کتاب کی احادیث کے اطراف جمع کی جانے والی احادیث کی کتاب کے لئے اطراف کی اصطلاحات ملتی ہیں۔

عہد رسالت میں علم حدیث سے شناخت رکھنے والے اکابر صحابہ میں چند ممتاز ہستیاں جن کے اسماء گرامی ہمیشہ اس علم کے ساتھ منسلک رہیں گے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علھیم اجمعین، کثیر الروایت صحابہ میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنھم کے نام سرفہرت ملتے ہیں۔ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے اکابر تابعین میں نمایاں حیثیت حضرات سعید بن مسیّب، حسن بصری، محمد بن سیرین، عروہ بن زبیر، علی بن الحسین، مجاہد، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع، سعید بن جبیر، ابن شہاب زہری، عکرمہ، عطا بن ابی رباح، قتادہ، عامر الشعبی، ابراہیم نخعی اور یزید بن ابی حبیب رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کو حاصل ہے۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ نعمت عظمیٰ ہے اسکا احساس ہر دور میں عاشقان رسول مقبولؐ

کورہا چنانچہ اس دولت بے بہا کی کتابی تدوین کا منظّم اقدام خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کیا۔ آپ کی تحریک پر ربیع ابن صبیح اور موسیٰ بن عقبہ نے باقاعدہ کام کیا۔

احادیث شریفہ کو کتابی شکل میں جمع کرنے والے بزرگوں میں اہم نام امام مالک، ابن جرح، امام ابو یوسف، امام محمد، امام اوزاعی، سفیان ثوری، جماد بن سلمہ، امام اعظم رحمہم اللہ تعالی ہیں دوسری صدی ہجری کے اختتام تک بے شمار مجموعے مشتہر ہو چکے تھے۔ بعد میں اس مبارک سلسلہ میں مسد ابن مسرہد، اسد بن موسیٰ بصری، نعیم بن حماد خزاعی، امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران علم حدیث کی بے مثال خدمات انجام دینے والوں میں امام عبد الرزاق بن ہمام، امام عبیداللہ بن موسیٰ، امام عبداللہ بن زبیر حمیدی، امام سعید بن منصور، امام دولابی، امام یحییٰ حمانی، امام عبداللہ جعفی، امام یحییٰ عدبی، امام عبد بن حمید، امام دارمی، امام ابومسعود رازی، امام بقی بن مخلد، امام حارث بن ابی اسامہ، امام احمد البنیل، امام ابوبکر بزار، امام ابوسلم کشی، امام ابومحمد جارود، امام ابویعلی موصلی، امام ابن خزیمہ، امام اسفرائنی، امام طحاوی رحمہم اللہ اجمعین شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی شخصیت اور فن حدیث پر اس قدر عظیم کام ہے کہ علاحدہ علاحدہ مستقل تحقیقی مقالے تحریر کئے جاسکتے ہیں۔ پانچوں صدی سے آٹھویں صدی تک ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست ہے جن کے منجملہ چند اہم اور نمایاں نام یہ ہیں۔ امام عبدالباقی بن قانع، امام ابوسعید بن الکن، امام ابوکر شافعی، امام ابن حبان، امام ابوبکر آجری، امام ابوقاسم طبرانی، امام ابو عمرو بن نجید، امام ابوبکر اسماعیل، امام دارقطنی، امام ابوسلیمان احمد خطابی، امام ابن جمیع، امام ابوعبداللہ حاکم، امام ابوقاسم رازی، امام ابوبکر سردویہ کبیر، امام ابونعیم اصبہانی، امام ابوبکر برقانی خورازمی، امام ابومحمد حسن خلال،

امام ابوعبداللہ قضاعی، امام بیہقی، امام ابن عبدالبر قرطبی، امام ابوبکر خطیب بغدادی، امام ابوعبداللہ محمد، امام فراء لغوی، حافظ شیرویہ دیلمی، امام ابوالحسن رزین، امام ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن الغربی، قاضی عیاض، امام ابن اثیر جرزی، امام ضیاء مقدسی، امام نووی، امام دمیاطی، امام خطیب تبریزی اور امام جمال الدین زیلعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ دوسری صدی ہجری کے آخر سے آٹھویں صدی ہجری تک تقریباً چھ سوسالہ خدمات حدیث کا احاطہ کرنے والی تالیف اور ائمہ حدیث کے مختصر لیکن جامع حالات پر مشتمل کتاب تذکرہ المحدثین دو جلدوں میں دستیاب ہے جسے دارالمصنفین نے شائع کیا ہے۔تذکرۃ صدر اسماء کی تنقیح اسی سے کی گئی ہے ان کے منجملہ چند نام علم حدیث کے ساتھ ہی شناخت رکھتے ہیں جن کے مختصر ہی سہی ذکر کے بغیر مضمون تشنہ اور نامکمل رہے گا۔

امام دارالہجرۃ سے ملقب حضرت ابوعبداللہ مالک بن انسؒ تاریخ تدوین حدیث میں امام مالک سے مشہور ہیں۔ آپ عرب اور جدی لحاظ سے یمن کی تیسری شاخ اصبح سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے جداعلیٰ ابو عامر اسلام لائے تھے۔امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔گھر علم حدیث کے انوار سے منور تھا۔دادا، والد اور چچا بھی محدث تھے۔نافع سے بچپن میں استفادہ کیا۔ان کے علاوہ دیگر اکابر علماء کے آگے زانوے ادب تہہ کیا آپ کا مسکن گہوارہ رحمت مدینہ منورہ تھا۔مشہور تابعی فقیہہ حضرت ابوعثمان ربیعہ سے علم فقہ سیکھا۔آپ نہایت ذہین اور قوی حافظہ کے مالک تھے۔۲۰ سال کی عمر مجلس درس شروع کی املائے حدیث کا کام شروع کیا۔امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی آپ کے درس میں شریک رہا کرتے تھے۔امام مالک کی ۶۰۰ تصانیف شہرت رکھتی ہیں لیکن موطا امام صاحب کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔جس میں (۶۰۰) احادیث مرفوع ہیں۔

حضرت امام ابوداؤد طیالسیؒ کا مقام علم حدیث میں بے حد معتبر ہے۔آپ کا نام سلیمان اور ولادت ربیع

الاول ۱۳۳ھ ہے۔ فارس وطن ہے لیکن بصرہ میں زندگی بسر کی۔ والدین قریش کے موالی تھے آپ نے متعدد شیوخ سے حدیث حاصل کی۔ اور کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن میں امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل تھے۔ علم حدیث کی تحصیل واشاعت کے لئے اصبہان اور بغداد کے سفر کئے۔ امام ابوداؤد کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ اصبہان میں ایک لاکھ حدیثیں املا کروائیں۔ علماء حدیث معرفت حدیث کے ضمن میں ان کا نام لیتے ہیں۔ ان کی مسند قدیم ترین مانی جاتی ہے۔

قبیلہ عدنان کی شاخ بنی شیبان سے تعلق رکھنے والی عظیم المرتبت ہستی احمد بن حنبلؒ نے ۱۶۴ھ میں اس دنیائے رنگ و بو میں آنکھ کھولی۔ بغداد مولد ہے۔ ۴ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا اور سات سال کی عمر میں تحصیل علم حدیث کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں بعد میں باقاعدہ کوفہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور جزیرہ وغیرہ کا سفر کیا۔ اور اکابر شیوخ سے یہ بابرکت علم حاصل کیا۔ بچپن میں امام ابو یوسفؒ کے درس میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ سے آپ کو بڑی عقیدت تھی۔ اس کے باوجود امام شافعیؒ نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کا حافظہ بے حد قوی تھا۔ نقد و تمیز حدیث میں ملکہ تھا آپ کی مستقل تصانیف کی تعداد ۲۳ ہے جن کے منجملہ کتاب الصلوٰۃ، کتاب التفسیر اور کتاب السنۃ بے حد مشہور و مقبول ہیں۔ مسند امام احمد حدیث کی اہم کتابوں میں سے ایک ہے۔

امام دارمیؒ کا پورا نام عبداللہ اور کنیت ابو محمد تھی۔ ۱۸۱ھ میں خراسان کے شہر سمرقند میں پیدا ہوئے۔ احمد بن اسحٰق حضرمیؒ کے علاوہ بیسیوں شیوخ سے حدیث پڑھی۔ ائمہ صحاح نے آپ سے استفادہ کیا۔ طلب حدیث کے سلسلہ میں دور دراز کے علاقوں تک سفر کیا۔ حفظ وضبط کا غیر معمولی ملکہ تھا۔ ان کی تصانیف میں سنن دارمی بہت مشہور ہے صحاح ستہ کے بعد اسی کو مستند مانا جاتا ہے۔

جامعین حدیث میں حضرت ابو عبداللہ بن اسمٰعیلؒ کا نام سرفہرست اور نمایاں ہے۔آپ امام بخاری سے مشہور ہیں۔آپ کی صحیح کو کتب احادیث میں بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ بخارا شہر آپ کا مولد ہیں۔ اس نسبت سے بخاری کہلاتے ہیں۔شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔بچپن میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے آپ کی والدہ کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور امام بخاری کی بینائی پلٹ آئی۔ساری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزری۔۱۶ سالہ محنت شاقہ کے ساتھ مسجد حرام میں بخاری شریف مرتب کی۔ جسے بارگاہ خداوندی اور دربار رسالت پناہصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سند قبولیت عطا ہوئی۔ چنانچہ قرآن حکیم کے بعد صحیح تر کتاب بخاری شریف کو مانا جاتا ہے۔ بخاری شریف ۹۰۸۲ حدیثوں میں مکررات وتعلیقات سے قطع نظر کیا جائے تو (۲۶۲۳) احادیث رہ جاتی ہیں جن کے منجملہ ۱۶ حدیثیں ایسی ہیں جن میں امام بخاری اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ۳ واسطے ہیں۔حضرت امام بخاری کی دیگر تصنیفات کی تعداد بیس ہے۔مشہور ہے کہ انھوں نے ۱۸ ہزار محدثین سے استفادہ کیا اور ایک لاکھ لوگوں نے امام بخاری سے فیض پایا۔۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

بنی قشیرہ سے تعلق رکھنے والے صحیح مسلم کے مولف حضرت مسلم ابن حجاج نیشاپوریؒ کی کئی کتابیں علوم دین میں بے حد اہم ہیں لیکن مسلم شریف کو جو مقبولیت اور شہرت ملی وہ اپنی مثال آپ ہے۔حضرت مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی۔حافظہ اور ذوق علم کا یہ حال تھا کہ تین لاکھ احادیث از بر تھیں۔اپنی کتاب صحیح مسلم کے لئے اس میں سے چار ہزار احادیث کا انتخاب فرمایا تھا۔۸۰ حدیثیں ایسی ہیں جن کے راوی صرف چار ہیں۔اسناد کے لحاظ سے ایسی روایتیں رباعی کہلاتی ہیں۔علم حدیث کے عام مذاق نے ہزاروں آئمہ فن کو

روشناس کروایا لیکن فصل وکمال اور ذاتی قابلیت کے سبب امام مسلم کو جو عظمت وعزت حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ نقد وتحقیق میں امام مسلم منفرد مقام رکھتے تھے۔ ۲۵/رجب ۲۶۱ھ میں وفات ہوئی۔

امام ابن ماجہ کا نام محمدؒ اور ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ زائد از ۳۰۰ شیوخ سے تلمذ حاصل تھا علم حدیث کے ضمن میں کئی سفر کئے۔ شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا سنن ابن ماجہ شہرہ آفاق تصنیف ہے۔

ترمذ خراسان کے اطراف ایک مشہور ومعروف مقام ہے حضرت امام ابو عیسیٰؒ کے سبب اس کی اہمیت میں چار چاند لگ گئے۔ امام ترمذی ۲۰۹ھ میں تولد ہوئے سماع حدیث کے لئے ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ وہ امام بخاری کے شاگرد عزیز تھے۔ یوں تو کئی کتابیں لکھیں لیکن جامع ترمذی کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔

ابو عبد الرحمٰن احمد نسائیؒ کا نام علم حدیث میں ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ مصر میں سکونت رکھتے تھے۔ بے شمار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ سنن نسائی آپ کی تصانیف میں بہت اہم ہے۔

امام ابو جعفر احمد طحاویؒ کا یمن سے تعلق تھا۔ اکابر محدثین سے اکتساب علم کیا۔ طلب علم کے ضمن میں کئی سفر کئے۔ ۲۵ تصانیف کے نام ملتے ہیں۔ معانی الآثار بے حد مشہور کتاب ہے۔

علم حدیث کے صحت واعتبار کا لحاظ کرتے ہوئے عہد بہ عہد اجمالی تجزیہ مضمون کی ضرورت کا تقاضہ بھی ہے۔ موطاء امام مالک ۱۴۳ھ کے آس پاس کی تصنیف ہے۔ اس عہد کی سینکڑوں کتب حدیث میں امتیازی وصف رکھتی ہے۔ موطاء میں احکام فقہیہ ملتے ہیں۔ مسند طیالسی بعض علماء کے نزدیک قدیم ترین مسند ہے۔ مصنف حافظ امام عبد الرزاق بن ہمامؒ کی تالیف ہے۔ جو فقہی ابواب پر مشتمل ہے۔ مسند اسد السنہ، اسد

بن موسیٰؒ کی مسند ہے جو قدیم مسانید میں شمار ہوتی ہے مسند عبید اللہ کوفہ میں مرتب کی جانی والی پہلی مسند ہے۔ مسند حمیدی مکہ میں سب سے پہلے ترتیب دی گئی مسند ہے۔سنن سعید بن منصور،سنن دولابی،مسند حمانی،مسند مسدد بن مسرہد،مسند خزاعی،مسند جعفی،مسند ابی شیبہ،مسند راہویہ،مسند احمد بن حنبل،مسند عدنی،مسند عبد بن حمید،مسند اسحٰق بن بہلول،سنن دارمی،صحیح بخاری،مسند رازی،صحیح مسلم،سنن ابن ماجہ،سنن ابی داؤد،مسند کبیر قرطبی،جامع ترمذی،مسند ابی اسامہ،مسند احمد بن عاصم نبیل،مسند بزار،سنن ابومسلم کسی،مسند مروزی،المنتقی جارود،سنن نسائی،معجم ابویعلیٰ،صحیح ابن حزیمہ،مسند اسفرائنی،مشکل الآثار،معانی الآثار،معجم الصحابہ ابن قانع، الصحیح المنتقی ابن السکن،فوائد ابوبکر شافعی،صحیح ابن حبان،اربعین آجری،معجم کبیر طبرانی،خبر ابن نجید،مسند عمر، سنن دارقطنی،معالم السنن،معجم ابن جمیع،مستدرک حاکم،فوائد رازی،مستخرج اصبہانی،مسند خورازمی،دلائل النبوہ،اصفہانی،مسند خلال،شہاب الاخبار،شعب الایمان،سنن بیہقی،الاستیعاب،امالی الخطیب،کتاب الجمع حمیدی،کتاب الفردوس دارویلمی،معالم التنزیل لغوی،تجرید الصحاح سرقسطی،سباعیات ابن العربی،کتاب الشفاء النہایہ ابن اثیر،المختار،اربعین نووی،کتاب العلل دمیاطی،مشکوٰۃ المصابیح،خطیب تبریزی مختصر معانی الآثار کے علاوہ ہزاروں تصنیفات وتالیفات ہیں جن کے صرف نام ہی ایک ضخیم فہرست کے متقاضی ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح اس سلسلہ میں ایسی غیر معمولی مقبولیت اور عام پسندیدگی رکھتی ہے کہ نہ صرف کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں بلکہ اس پر کئی شروحات،تعلیقات اور حواشی لکھے گئے۔جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔الاکمال خود خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ کے رجال سے تعلق بحث کی ہے۔کاشف علامہ طیبی نے اپنے شاگرد خطیب کی کتاب کی شرح لکھی۔حاشیہ سعید شریف جرجانی۔ہدایۃ الرواۃ حافظ ابن حجر،منہاج المشکوٰۃ

عبدالعزیز، فتح الالہ، علامہ شہاب الدین، مرتاہ المفاتیح شیخ نورالدین ملاعلی قاری، انوارالمشکوٰۃ، لمعات انقیح حضرت شاہ عبدالحق دہلوی، اشعۃ اللمعات فارسی شرح لمعات، جامع البرکات، اسماء الرجال، المذکورین، مظاہرحق، تنقیح الرواۃ، التعلیق الصبیح ، زجاجۃ المصابیح حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندی حیدرآبادی، مراءۃ، المفاتیح اور مراۃ المصابیح حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی، علم حدیث کے مختلف شعبوں سے متعلق بیشمار مستقل تصانیف ایک علمی معجزہ سے کم نہیں۔عربی، فارسی، ترکی کی طرح اردو زبان کو بھی یہ شرف وفضیلت حاصل ہے کہ گزشتہ تین چار صدیوں سے اس میں ذخائرعلم حدیث کے اضافہ کا سلسلہ جاری ہے اوراس علم سے متعلق مختلف پہلوؤں پر قابل قدر کتابیں موجود ہیں۔جن کے منجملہ مناظراحسن گیلانی کی تصنیف تدوین حدیث غیر معمولی شہرت ومقبولیت رکھتی ہے۔اس کتاب میں حقیقت حدیث، تاریخ ، تدوین، عہد بہ عہد، حفاظت و اشاعت کی تفصیلات، روایت اصول جرح وتعدیل وغیرہ مختلف موضوعات پر نہایت معتبر اور محققانہ مواد موجود ہے۔

حدیث، حبیب کبریا رحمۃ للعلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے۔جس طرح حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات ارفع واعلیٰ ہے اسی طرح آپ کا فرمان، ارشاد اور کلام بھی رفعت و عظمت والا ہے۔قرآن فرماتا ہے

ورفعنا لك ذكرك

اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کردیا (انشراح ۴)

یہ ذکر محبوب حق رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان اور معجزہ ہے کہ جس نے ذکر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک مشغلہ اپنایا اور حدیث رسول کریمؐ کی خدمت کو مقصد حیات بنالیا اللہ تعالیٰ نے اسے عزت و رفعت، احترام و بزرگی سے ایسا مالا مال کر دیا کہ جب تک حدیث شریف کا چرچا رہے گا یعنی صبح قیامت تک ان خدمت گزاران قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادب واحترام کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا۔

امت کسی بھی وقت ان محترم ائمہ حدیث کو فراموش نہیں کرسکتی۔

ذات کیا بات تک بھی ہے زندہ ابھی　　　　بات سے ذات کا دیکھنا معجزہ

ڈاکٹر سید محمد حمید الدین قادری شرفی

(اخذ واستفادہ: قرآن حکیم، کتب تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، سوانح، تاریخ، رجال بالخصوص بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، شروحات کتب حدیث، مدارج النبوت، طبقات کبیر، تذکرہ المحدثین، تدوین حدیث، مقالات کاظمی، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، حدیث اور قرآن، جامع الاحکام، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، التشرف، انتخاب صحاح ستہ، علم وعلماء، اسلام منزل بہ منزل، تدوین قانون اسلامی، انتخاب حدیث، ارض القرآن، تاریخ علم فقہ تاریخ الاحکام، کتاب حدیث، معارف الحدیث، مفاہیم اور تاریخ معالم المدینہ وغیرہ سے اکتساب مواد کیا گیا ہے)

میں محمد ﷺ ہوں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

لی خمسۃ اسمآء: انا محمد و انا احمد وانا الماحی الذی بمحو اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں، میں محو کرنے والا ماحی ہوں کہ خدائے تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹاتا ہے اور حاشر ہوں کہ (قیامت کے دن) سب لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے (میرے دین پر اُٹھیں گے) اور میں عاقب ہوں (کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)''۔

(بہ روایت حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں محمد ہوں اور احمد اور مقفی (یعنی عاقب) اور حاشر اور نبی التوبہ اور نبی الرحمتہ ہوں (توبہ اور رحمت کو آپ ساتھ لے کر آئے)''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسماء مقدسہ کے بارے میں شرح صحیح مسلم میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ان ناموں کے سواء آپ کے اور بھی نام ہیں۔ ابن عربی نے شرح ترمذی میں بعض علماء سے نقل کیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ☆ ''محمد'' ☆ ''احمد'' ☆ ''محمود'' یہ سب ''حمد'' سے مشتق ہیں۔☆ ماحی کے معنی دور کرنے والا یعنی آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کفر کے اندھیروں کو محو کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے دنیا میں اندھیرا ہی تھا جسے حضور نے دور کیا۔ سب سے پہلے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر انور سے جلوہ گر ہوں گے (اٹھیں گے)، سب سے اول میدان حشر میں سرکار دوعالم پہنچیں گے آپ کے پیچھے ساری مخلوق آئے گی اسی وجہ سے اسماء مقدسہ میں اسم ☆ حاشر آیا ہے۔ اسی طرح ☆ عاقب عقب سے بنا ہے۔ آپ ☆ خاتم النبیین ہیں سارے نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے اور اب آپ کے بعد کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا اور آپ نے اپنے پیچھے بہت ہی خیر اور سلامتی چھوڑی۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضور انورؐ نے ☆ ''عاقب'' نام ارشاد فرمایا۔

عاقب یعنی خاتم النبیین اور نبی آخر الزماں، مطلب یہ کہ نہ تو آپ کے زمانہ میں آپ کی موجودگی میں کوئی نبی تھے اور نہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی ہوگا۔ یونہی ☆ مقفی کے بھی یہی معنی نکلتے ہیں بطور اسم فاعل سب نبیوں سے پیچھے دنیا میں آنے والے۔ اسم مفعول کے لحاظ سے تمام نبیوں سب انسانوں جملہ مخلوقات سے آگے رہنے والے کہ جن کے نقش قدم پر سب چلیں۔ ☆ ''نبی التوبہ'' یعنی جن کے دین میں توبہ آسان کردی گئی، جن کے دست مبارک پر خلقت نے توبہ کی اور کرے گی یا جن کے طفیل اور وسیلہ سے توبہ قبول ہوئی۔ ☆ ''نبی الرحمتہ'' یعنی جن کی رحمت تمام جہان پر عام ہے اور رحمت خاص مؤمنین پر ہے۔ اور آپ کے سر پر رحمتہ للعالمینی کا تاج ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھ سے قریش کے سب وشتم کو پھیر دیا وہ تو مذمم کو سب وشتم کرتے ہیں اور مذمم پر لعن کرتے ہیں۔ میں تو محمد ہوں''۔[۵]

کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی درجہ کی دشمنی اور کینہ پروری کے سبب آپ کا اسم مبارک لینا تک ترک کر دیا تھا اور بجائے ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ''مذمم'' کہنے لگے تھے کیونکہ ''محمد'' بے شبہ تعریف وتعظیم کا حامل اسم ہے۔ جب کفار قریش ''مذمم'' کہتے ہوئے سب وشتم اور گستاخیاں کرنے لگے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تو ''مذمم'' کو برا کہتے ہیں، میں تو ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو کفار ومشرکین کے فکر وخیال کی گستاخیوں اور ہر طرح کی بے ادبی سے بھی محفوظ کر دیا۔[۶]

احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کے نام مبارک کو یعنی ''محمد رسول اللہ'' عرش پر لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاً وابداً ممدوح اور محمود ہیں۔[۷]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک اماکن علویہ پر لکھا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی درخت جنت میں ایسا نہیں جس کے پتوں پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' نہ لکھا ہو۔[۸]

مواہب لدنیہ میں مروی ہے کہ کعب الاحبارؓ فرماتے ہیں ''آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''اے فرزند! تم میرے بعد خلیفہ ہو پس خلافت کو عمارت تقوی اور دستگاہ محکم کے ساتھ لو اور جب یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کو تو اس کے متصل نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرو کیونکہ میں نے ان کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے جب میں روح وطین میں تھا، پھر تمام آسمانوں میں پھر کر دیکھا کہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا نہ ہو، میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا، وہاں کوئی

محل اور کوئی بالاخانہ اور برآمدہ ایسا نہیں دیکھا جس پر ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو☆ اس لئے ان کا ذکر کیا کرو فرشتے قدیم سے ان کا ذکر کیا کرتے ہیں۔[۹]

---

(۱) بخاری، کتاب المناقب، باب ۱۷، حدیث نمبر ۳۵۳۲ (۲) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۳۴، حدیث نمبر ۶۱۰۸ (۳) شرح نووی ترجمہ وحیدی (۴) مرقات بحوالہ مرآۃ المناجیح حصہ ہشتم (۵) بخاری، کتاب المناقب، باب ۱۷، حدیث نمبر ۳۵۳۳ (۶) مرقات (۷) انوار احمدی (۸) ابونعیم بحوالہ سیوطی (۹) انوار احمدی۔ مؤلفہ شیخ الاسلام

میں تمہاری مانند نہیں

نهى رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم عن الوصال رحمة لهم فقالوا: انک تواصل ،

قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم

انى لست كهيئتكم انى يطعمنى ربى ويسقين

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں پر رحم فرما کر وصال سے منع کیا (یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے کہ جس کے بیچ میں افطار نہ ہو)۔ عرض کیا گیا کہ آپ تو ایسا کرتے ہیں؟ تو حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''میں تمہاری مانند نہیں، میرا رب تو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے''۔ (بہ روایت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ پر روزہ رکھتے جب کہ دوسروں کو اس طرح روزہ پر روزہ رکھنے کی ممانعت فرمادی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دور رہو وصال سے'' تو کسی نے عرض کی کہ آپ وصال کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میرے برابر نہیں ہو میں تو رات کاٹتا ہوں اس لطف میں کہ کھلاتا ہے مجھ کو پروردگار میرا اور پلاتا ہے اور تم اتنے ہی افعال بجالاؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔''[2]

حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا دوشنبہ کے روزہ کے بارے

میں تو حضور انورؐ نے فرمایا کہ ”میں اسی دن پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پر وحی اتری ہے“۔[3]

اس ارشاد مبارکہ کی تشریح کے ضمن میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ یا تو پوچھا گیا کہ اس دن (یعنی دوشنبہ) میں روزہ رکھنا کیسا ہے اور اس کا کیا ثواب ہے یا یہ کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہر پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں اس میں کیا خصوصیت ہے (مرقات ولمعات) یعنی پیر کے دن دنیا کو دو نعمتیں ملیں ایک میری تشریف آوری اور دوسرے نزول قرآن کی ابتداء کہ غار حرا میں پہلی وحی ”اقـراء بـاسم ۔الآیہ“ پیر کے دن ہی آئی لہذا اس دن روزہ رکھنا بہت ہی بہتر ہے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ وقت اور جگہ اشرف واقعات کی وجہ سے اشرف ہوجاتے ہیں (مرقات) دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کریمہ اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نعمتوں میں شمار کیا، رب تعالیٰ نے صرف اس نعمت پر ”من“ فرما کر احسان کا اظہار فرمایا۔(لقد من الله على المؤمنى)۔تیسرے یہ کہ اہم واقعات کی یادگاریں منانا سنت سے ثابت ہے۔ چوتھے یہ کہ یادگاریں کھیل کود نہ ہونا چاہئے بلکہ عبادتیں ہوں، پانچویں یہ کہ امام مالکؒ کے ہاں پیر کا دن جمعہ سے بھی افضل ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔[4]

صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن وصورت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا اور حقیقت وروح باطن کے اعتبار سے تو تمام انبیاء اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں جیسا کہ شفاء شریف قاضی عیاض میں ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیھم السلام کے اجسام وظواہر تو حد بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح و بواطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فرمایا آپ کی ذات اور کمالات میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں۔(صدر الافاضلؒ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ (جن کا علم وتقویٰ اہل شریعت واہل طریقت دونوں کے نزدیک مسلمہ ہے اور

جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے) نے اپنے مکتوبات میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے'' جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے'' **خلقت من نور الله** '' کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ اس امکان سے جو تمام ممکنات سے عالم میں ثابت ہے''۔ (دفتر سوم ترجمہ مکتوبات نمبر ۱۰۰ ص ۶۶۶ بحوالہ ضیاء القرآن)

حضرت شیخ الاسلام نے ویلمیؒ کے حوالے سے لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''حق تعالیٰ نے کوئی قلب میرے صحابہ کے قلوب سے پاکیزہ تر نہیں دیکھا اس لئے ان کو میری صحابیت کے لئے پسند فرمایا جو کچھ وہ اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے اور جو برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک برا ہے''۔ (بروایت حضرت انسؓ)[۵]

صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حد درجہ تعظیم وتوقیر کرتے آپ سے محبت کرتے اور آپ کی اتباع کو حرز جان رکھتے۔ تاہم کمال عشق ومحبت کے باوجود صحابہ کرام آنکھ بھر کر چہرہ انور کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اجنبی جہاں دیدہ لوگ صحابہ کی تعظیم وتوقیر اور خدمت گذاری کو جب دیکھتے بلا تصنع آپس میں کہتے اس قسم کی تعظیم نہ کسی بادشاہ کی دیکھی اور نہ کسی اور کی جیسی کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا کرتے ہیں۔ (بحوالہ انوار احمد)

---

(۱) بخاری، کتاب الصوم، باب ۴۸، حدیث نمبر ۱۹۶۴ (۲) مسلم، کتاب الصیام، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۵۶۳، ۲۵۶۷
(۳) مسلم، کتاب الصیام، باب ۳۶، حدیث نمبر ۲۷۵۰ (۴) مرات ج ۳ (۵) ویلمی

شانِ خاتمیت

قال رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم

ان مثلی و مثل الانبیآء من قبلی، کمثل رجل بنی بیتا، فاحسنه واجمله ال موضع لبنة من زاویة، فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فانا للبنة و انا خاتم النبیین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میری مثال اور ان پیغمبروں کی مثال جو مجھ سے پہلے گذرے ہیں ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور خوشنما بنایا اس کے ایک گوشے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ جب اس مکان میں جاتے تو تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النّبیین ہوں''۔

(بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[۱]

اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایک نہایت مؤثر مثال کے ذریعہ ختمِ نبوت کی حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی نہیں۔ '' آپ کا آخرالانبیاء ہونا قطعی ہے، نصِ قرآنی

بھی اس میں وارد ہے اور صحاح کی بہ کثرت احادیث جو حد تواتر تک پہنچتی ہیں ان سب سے ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں آپ نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو وہ بھی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کریں گے اور اسی کے موافق حکم دیا کریں گے اور قبلہ معظّمہ یعنی کعبۃ اللہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں گے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نئے نبی نہیں ہیں بلکہ وہ آپ سے پہلے مبعوث ہو چکے تھے"۔[2]

اس حدیث شریف میں تکمیل دین اور ختم نبوت کی جو تمثیل بیان ہوئی ہے اس سے خاتم النبیین کی مکمل تفسیر ہو جاتی ہے۔اسی حقیقت کی مظہر اور بہت سی روایتوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے دلائل موجود ہیں۔

بخاری میں بنی اسرائیل کے نبیوں کے تذکرہ کے ضمن میں جو احادیث ہیں ان میں یہ ارشاد نبویؐ واضح ہے کہ "اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"[3]۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن خطاب ہوتے"۔[4]

یعنی اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی سے محرومی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ملال و اضطراب کے ساتھ عرض کیا تھا کہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ ''اے علی! تم کو خوش ہونا چاہئے کہ میرے نزدیک تمہارا مرتبہ یہ ہے جیسے (حضرت) موسیٰ کے پاس (حضرت) ہارونؑ کا تھا مگر یہ کہ میرے بعد اب نبی نہیں آئے گا''۔ [5] اس فرمان مبارک سے واضح ہوا کہ آپ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص مقدسہ میں آپ کا خاتم نبوت ورسالت ہونا روز ازل سے مقرر تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اللہ کا بندہ اور خاتم انبیاء تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے عنصر خاکی میں تھے''۔ [6]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''...اور انبیاء مجھ پر ختم کئے گئے''۔ [7]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''..اور میں پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں''۔ (بہ روایت حضرت جابرؓ) [8]

نص قرآنی اور احادیث شریفہ کی روشنی میں پوری طرح واضح ہوگیا کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا جس طرح خصائص کبریٰ سے ہے اسی طرح تخلیق کے لحاظ سے آپ کی شان اولیت بھی منفرد خصوصیت وفضیلت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا''۔ یونہی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے اعتبار سے بھی اول ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے''۔ روز میثاق خالق کونین کے ارشاد پاک ''کیا میں تمہارا رب نہیں؟'' تو سب سے پہلے آپ ہی نے

جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ محشر میں سب سے پہلے سجدہ کی اجازت پانے والے اور آپ ہی کے لئے سب سے پہلے باب شفاعت وا ہوگا آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اس سبقت واولیت کے باوجود بعثت ورسالت میں آپ آخر ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخری ہیں۔ کیوں کہ بعثت میں یہ آخریت وخاتمیت اور فضیلت میں اولیت وسابقیت کا مؤجب ہے اس لئے کہ آپ ہی گذشتہ تمام کتابوں اور دینوں کے ماحی وناسخ ہیں۔ [۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میں آفرنیش میں اول النبیین اور بعثت میں ان کے بعد (سب سے آخر) ہوں''۔ [۱۰]

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے وجود بخشا اور منصب نبوت پر فائز فرمایا اور ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے تمام نبیوں کے بعد مبعوث فرمایا۔ حضور انور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

---

(۱) بخاری، کتاب المناقب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۳۵۳۵ (۲) بحوالہ حاشیہ کنز الایمان (۳) بخاری، کتاب الانبیاء، باب ۵۰، حدیث نمبر ۳۴۵۵ (۴) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۵۲/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۸۶ (۵) بخاری، کتاب المغازی، باب ۷۸، حدیث نمبر ۴۴۱۶ (۶) احمد (۷) مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۶۷ (۸) سنن دارمی (۹) خصائص کبریٰ سیوطی ومدارج النبوۃ (۱۰) ابن ابی حاتم وابونعیم بحوالہ الخصائص الکبریٰ

فضائل وخصائص

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

اعطیت خمسا، لم یعطھن احد من الانبیاء قبلی، نصرت بالرعب مسیرۃ شھر، وجعلت لی الارض مسجدا و طھورا، وایما رجل من امتی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل، واحلت لی الغنائم، وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ، وبعثت الی الناس کافۃ، واعطیت الشفاعۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئی تھیں۔ایک ماہ کی راہ سے بذریعہ رعب کے میری مدد کی گئی اور زمین میرے لئے مسجد اور طاہر کرنے والی بنائی گئی، میری امت میں سے جس شخص کو (جہاں) نماز کا وقت آ جائے وہ (وہیں) نماز پڑھ لے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے۔دیگر انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں اور مجھ کو شفاعت کا رتبہ عطاء فرمایا گیا۔

(بہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھ کو تمام پیغمبروں پر چھ چیزوں سے بزرگی دی گئی۔ مجھے جامع الفاظ دیئے گئے ہیبت سے میری مدد کی گئی میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور میرے لئے ساری

زمین پاکی کا ذریعہ اور مسجد بنائی گئی اور میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ سے نبی ختم کر دیئے گئے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[۲]

جوامع الکلم، نصرت بالرعب، حلت غنائم ساری زمین کا مسجد اور پاک کرنے والی بننا، رسالت عامہ اور ختم نبوت جیسے اہم اور وقیع چھ خصائص سوائے آقائے دوجہاں سرور کائنات محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور کو عطا نہیں ہوئے اور یہ آپ کی فضیلت پر دال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامع الفاظ سے ممتاز فرمایا یعنی لفظ بہت تھوڑے لیکن ان میں معنی و مطلب بہت زیادہ۔ مثلاً یہ ارشاد مبارکہ ''اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے'' یا یہ فرمایا ''دین کی حقیقت خیر خواہی ہے'' یا یہ حدیث پاک ''مومن کامل وہ ہے جو بے کار اور غیر مفید باتیں چھوڑ دے''۔ اگرچہ کہ یہ بہت ہی مختصر جملے ہیں مگر شریعت وطریقت، معرفت وحقیقت، حکمت ودانائی اور اخلاقی خزائن سے بھرپور ہیں۔ ایسی ہزاروں ہدایات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جامع ارشادات میں ملتی ہیں۔ بلاشبہ یہ اعجاز ہے۔

رعب ونصرت، زمین کا مسجد بنایا جانا (یعنی پاک ہونا اور پاک کرنے والی بننا)، حلت غنائم، رسالت عامہ، شفاعت کبریٰ اور جوامع الکلم وہ خصائص ہیں، جن کا اس ارشاد مبارکہ میں ذکر ہوا ہے، علاوہ ازیں قرآن مجید میں جگہ جگہ اور احادیث طیبہ میں جن فضائل، کمالات، معجزات اور خصوصیات کا بکثرت ذکر ہوا ہے، وہ حد وشمار سے باہر ہیں۔ کتب سماویہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے۔

رعب وہیبت ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے فتح ونصرت آسان ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فتح وشکست کے پوشیدہ قدرتی اسباب بھی ہوا کرتے ہیں، جو انسانی دسترس سے باہر

ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے دشمن پر رعب طاری ہوجاتا ہے، دشمن بھاگ پڑتا ہے اور شکست کھاجاتا ہے۔ اب اس حدیث شریف کا مطلب بھی بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مٹھی بھر مسلمانوں کا (کثیر التعداد) مشرکوں پر غالب آنا اور بعدہٗ مسلمانوں کا دنیا پر چھاجانا بھی سمجھ میں آجاتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال کر اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فتوحات کو یقینی بناتا ہے، اس حقیقت کا خود قرآن مجید نے بھی اظہار فرمایا ہے:

☆ "**سنلقی فی قلوب الذین کفرو الرعب**" (۱۵۱/۳) یعنی عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔

☆ "**سالقی فی قلوب الذین کفرو االرعب**" (۱۲/۸) عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا۔

☆ "**وقذف فی قلوبھم الرعب**"(۲۶/۳۳)، (۲/۵۹) اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔

◆ رعب و ہیبت کا اعجاز تھا کہ غزوات میں فتح و نصرت اور عام حالات میں گنہگار اور مجرم آپ کے سامنے توبہ کرتے اور اطاعت کا عہد واثق کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے سرغنہ سامنے آتے تو کانپنے لگتے اور کیسے کیسے مغرور سرداروں نے سر اطاعت خم کیا۔ فتح مکہ کی ایک مثال آپ کے رعب و دبدبہ کے لئے کافی ہے۔ بغیر خونریزی کے فتح عظیم کا واقعہ رونما ہونا اور سارے قریشیوں کا دامن رسالت سے وابستہ ہوجانا معجزہ اور اثر خاص تھا۔ ◆ یونہی آپ کے لئے زمین کو پاک کیا جاکر مسجد بنانا فضل الٰہی اور عطائے خاص ہے اور آپ کے فیض نسبت سے آپ کی تمام امت کے لئے یہ رحمت ہے کہ جب نماز کا وقت آئے امتی جہاں ہوں

وہاں نماز ادا کر لے۔ نہ صرف زمین مسجد (پاک) بنائی گئی، بلکہ پاک کرنے والی بنائی گئی کہ مٹی سے تیمّم کی اجازت وسہولت دی گئی۔ ◆ غنیمتوں کو حلال کیا گیا اور آپ کے طفیل امت کے لئے مال غنیمت کو درست فرمایا گیا ◆ قبل ازیں جتنے نبی اور رسول آئے ان کے ذمہ اپنی اپنی قوموں کی اصلاح اور دعوت حق اور تعلیم کا کام تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی۔ رسالت عامہ کے ساتھ آپ کو فضیلت بخشی گئی۔ ◆ محشر میں جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا، اس وقت حضور خاتم النبیین رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد اور سر پر تاج شفاعت پہن کر بارگاہ ایزدی میں گنہگاروں کی شفاعت اور دستگیری فرمائیں گے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الصلاہ، باب ۵۶، حدیث نمبر ۴۳۸ (۲) مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۶۷

محبت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ والہ وسلم

قال رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو میری محبت اس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو''۔ (بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اس (ذات پاک) کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [2]

بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی حدیث شریف میں '' **والناس اجمعین** '' اضافہ ہے۔ [3]

اس ارشاد مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت پر ہی ایمان کا انحصار ہے۔ محبت بھی ایسی جو اختیاری اور شعوری ہو۔ طبعی اور غیر اختیاری چاہتوں پر جسے لازمی تفوق ہے۔ اس شعوری محبت کے کئی پہلو ہیں جن میں احساس عظمت و بزرگی، جذبہ ادب و احترام، اتباع و فرمابرداری

کامل خود سپردگی، آثار و منسوبات سے لگاؤ، اقوال و افعال کو حرز جان بنالینا اور اپنی پسند خواہش اور چاہت و مفادات سے دست بردار ہوکر پوری طرح تابع فرمان ہوجانا یعنی اپنا سب کچھ نچھاور کر دینا وغیرہ۔ ماں باپ، اولاد، اقربا و احباب کی محبتیں فطری تقاضوں کے ماتحت ہیں۔ خونی رشتے، مزاج وخیال کی مناسبت ان کی اساس ہیں اور خدمت وشفقت اور حسن سلوک وجوہات۔ انسان کا انہی رشتوں اور تعلقات سے سابقہ رہتا ہے۔ حدیث شریف میں بہ طور خاص ان کا ذکر حکیمانہ طریقہ تفہیم ہے، اس میں مومن کی ان فطری محبتوں کا انکار نہیں، بلکہ ماں باپ، اولاد اور ہم مذاق لوگوں کی چاہتوں کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت ہو، جو ان سب پر فائق اور ان سب محبتوں سے کہیں زیادہ کہ اگر ضرورت ہو تو ان پر ہر چیز قربان کر دے، کیوں کہ جو احسان اہل ایمان پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے ایسا کسی اور کا نہیں۔ مومن امتی کا جو واسطہ اس ذات اطہر کے ساتھ ہے کسی اور کے ساتھ نہیں۔ مومن پر واضح ہے کہ توحید کی دولت، رسالت کی گواہی، کلام الٰہی، صراط مستقیم، ضابطہ حیات، ہدایت کامل، اخلاق و آداب، انفاق واخوت، اخروی بھلائی، جہنم سے نجات، نوید شفاعت ومغفرت ہر نعمت کا وسیلہ وذریعہ آپ ہی ہیں۔ آپ سے ایسی محبت ہو جو اختیاری اور شعوری ہو۔ یہی شکر واحسان مندی کا تقاضہ ہے۔

اس ارشاد مبارکہ کے سلسلہ میں خطابی کا کہنا ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کو سب چیزوں پر مقدم رکھنا ماں باپ اہل وعیال اور دوست واحباب اگر اس ضمن میں ناراض ہوجائیں تب بھی کسی کی پرواہ نہ کرنا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی ہرگز اختیار نہ کرنا یہی یہاں مقصود ہے اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے“۔

شرح نووی میں اس حدیث پاک کے تحت لکھا ہے کہ ”قاضی عیاضؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی محبت میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی سنت اختیار کرنا اور آپ کی شریعت پر جو اعتراض کرے اس کا جواب دینا اور آپ سے ملنے کی آرزو کرنا، اگرچہ جان و مال تصدق ہو جائے، اور جب یہ بات معلوم ہوئی تو ثابت ہو گیا کہ ایمان کی حقیقت پوری نہیں ہوتی بغیر اس محبت کے اور ایمان صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت ماں باپ، بزرگ اور محسن سب سے زیادہ دل میں نہ ہو اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ مومن نہیں ہے"۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب یا پیارے ہو جانے کی اس طرح بھی تشریح فرمائی گئی ہے کہ۔ "یہاں پیارے سے مراد طبعی محبوب ہے، نہ کہ صرف عقلی، کیوں کہ اولاد کو ماں باپ سے طبعی الفت ہوتی ہے، یہی محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ ہونی چاہئے اور بحمدہ تعالیٰ ہر مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ عام مسلمان بھی مرتد اولاد اور بے دین ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت پر جان نچھاور کر دیتے ہیں۔" [۵]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۸، حدیث نمبر ۱۵ (۲) بخاری، کتاب الایمان، باب ۸، حدیث نمبر ۱۴ (۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۶، حدیث نمبر ۱۶۹ (۴) ترجمہ وحیدی (۵) ذوالمرات

میں دعائے ابراہیم (علیہ السلام) ہوں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

انی عنداللہ مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ و ساخبرکم باول امری دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسی و رؤیا امی التی رأت حین وضعتنی و قد خرج لھا نور اضاء لھا منہ قصور الشام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخری نبی لکھا ہوا تھا جب کہ آدم اپنی خمیر میں تھے میں تم کو اپنی پہلی حالت بتاتا ہوں میں دعائے ابراہیم (علیہ السلام) ہوں اور بشارت عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔ میں اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے ان کے لئے شام کے محل چمک گئے۔“ (بہ روایت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کے تئیں میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت و بزرگی والا ہوں۔“ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے **واذ اخذنا من النبیین میثاقھم** کی تفسیر کے تحت ارشاد فرمایا

کہ ''میں آفرنیش میں اول النبیین اور بعثت میں ان کے بعد ہوں مگر میرے منصب نبوت کو ان سے پہلے ظاہر فرمایا گیا۔'' (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۳]

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کو نبوت کب عطا فرمائی گئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ''ابھی آدم اپنے خمیر ہی میں تھے۔'' (بروایت صنابحی)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالق کائنات نے زمین کے خزائن کی چابیاں مرحمت فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں جامع باتوں کے ساتھ بھیجا گیا اور ہیبت سے میری مدد کی گئی جب کہ میں سو رہا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں تو میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۵]

اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری زمین مختصر کرکے دکھادی یعنی پوری زمین آپ کے سامنے کردی مرقاۃ میں ہے کہ جیسے آئینہ دار کے ہاتھ میں آئینہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی تو میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھے اور میری امت کا ملک وہیں تک ہی پہنچے گا جہاں تک کہ میرے لئے سمیٹ دیا گیا اور مجھے دو خزانے دیئے گئے سرخ و سفید اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے سوال کیا کہ انہیں عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان پر ان کی جماعت کے سوا کوئی دشمن مسلط نہ کرے جو ان کی اصل اکھیڑ دے، میرے رب نے فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جب کوئی فیصلہ فرما دیتے ہیں تو وہ رد نہیں ہوسکتا، میں نے آپ کی امت کے متعلق یہ وعدہ دے دیا کہ انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہ کروں گا اور نہ ان پر ان کی جماعت کے علاوہ کوئی دشمن مسلط کروں گا جو ان کی اصل اکھیڑ دے اگرچہ وہ دنیا کے ہر طرف سے جمع

ہوجائیں حتی کہ وہ امتی خود ان کے بعض بعض کو ہلاک کردیں گے اور بعض بعض کو قیدی کریں گے۔

(بہ روایت حضرت ثوبانؓ)[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنی معاویہ کی مسجد پر گزرے اس میں تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھیں اور ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب سے دراز دعا مانگی پھر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ''میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں اس نے مجھے دو عطا فرمادیں اور ایک سے منع فرمادیا۔ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کرے اس نے مجھے یہ عطا فرمادیا۔ میں نے سوال کیا کہ میری امت کو ڈبو کر ہلاک نہ کرے، اس نے مجھے یہ بھی عطا فرمادیا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں جنگ نہ ہو مجھے اس سوال سے منع فرمادیا۔'' (بہ روایت حضرت سعدؓ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب توریت نازل ہوئی اور انھوں نے اسے پڑھا تو اس امت کا تذکرہ اس میں پایا۔ انھوں نے عرض کی اے رب! میں توریت کی تختیوں میں اس امت کا ذکر پاتا ہوں جن کا زمانہ تو آخری زمانہ ہوگا مگر ان کا داخلہ جنت میں پہلے ہوگا، تو ایسے لوگوں کو میری امت میں شامل فرمادے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ امت تو محمد مصطفیٰؐ احمد مجتبیٰ نبی آخر الزماں کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! میں نے ان تختیوں سے یہ جانا ہے کہ وہ امت فرمانبردار ہوگی اس کی دعائیں مستجاب ہوں گی تو اسے میری امت میں شامل فرمادے۔ رب عظیم نے فرمایا کہ وہ امت تو احمد مجتبیٰؐ کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کی کہ اے پروردگار عالم! میں نے الواح میں پڑھا ہے کہ وہ ایسی امت ہے کہ اس کے سینوں میں کتاب الٰہی ہے جس کو وہ پڑھیں گے تو

اظہار ہوگا تو اس امت کو میری امت بنا دے۔ حق تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ وہ امت تو احمد مجتبیٰ خاتم الانبیاءؐ کی ہے"۔[8]

---

(۱) مشکوٰۃ، باب فضائل سید المرسلین، صفحہ ۵۱۳ (۲) مشکوٰۃ (۳،۴) ابونعیم بحوالہ الخصائص الکبریٰ (۵) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۷۲۷۳ (۶،۷) مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب ۵، حدیث نمبر ۷۲۵۸، ۷۲۶۰
(۸) ابونعیم بحوالہ الخصائص الکبریٰ

سلام حجر وشق قمر

قال رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم

انی لأعرف حجرا بمکة کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفه الآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں مکہ کا وہ پتھر پہچانتا ہوں جو نبوت کے ظہور سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نبوت سے ظہور نبوت سے بہت پہلے واقف تھے یعنی بچپن ہی سے خبردار تھے مکہ معظّمہ کے پتھر اور درو دیوار حضور کی نبوت کی گواہی دے چکے تھے اور ظہور نبوت یعنی بعثت شریف کے بعد بھی حجر وشجر کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کا سلسلہ جاری رہا گویا کائنات کے تمام اشیاء ومظاہر آپ کو نبی آخر الزماں ، خاتم الانبیاء اور سید المرسلین مانتے اور اس کا اظہار سلام اور تعمیل ارشاد کے ذریعہ کیا کرتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھے۔ آپ ایک روز نواحی علاقہ میں تشریف لے گئے تو جو چٹان ، پتھر اور درخت ہم کو قریب راہ ملتا وہ آپ سے ''**السلام علیک یا رسول الله**'' کہتا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گذرتا اس سے آواز آتی'' **السلام علیک یا رسول الله**''۔

(بہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ) [3]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو جواب سلام'' **وعلیک السلام**'' کے الفاظ سے عنایت فرماتے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت عظمیٰ کی روشن نشانیوں میں معجزہ شق قمر نمایاں ہے۔

مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ انہیں حضور کوئی معجزہ دکھائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا حتیٰ کہ انہوں نے حراء کو ان دونوں کے بیچ میں دیکھا۔ (بہ روایت حضرت انسؓ) [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو کر پھٹا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا ٹکڑا اس کے نیچے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ رہو۔ (بہ روایت حضرت ابن مسعودؓ) [6]

چاند کے چرنے یا دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ اثر معنوی اور قرآن مجید سے ثابت ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ''اگر میں ایسا کروں تو کیا ایمان لے آ ؤ گے؟''۔ وہ بولے ''ضرور''۔ اس رات کو چودھویں تاریخ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرما رہے تھے ''یا فلاں، یا فلاں اشھدوا'' اے فلاں، اے فلاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ

رہنا تمہاری فرمائش پوری ہوگئی۔ ۷

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا"ھذا من سحر" یہ نظر بندی کا اثر ہے۔ چند دنوں میں باہر سے قافلے آنے والے ہیں ہم ان سے پوچھیں گے اس جادو کی حقیقت، خود بخود کھل جائے گی جب وہ قافلے مکہ آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے دیکھا ہے سب نے تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی ☆ معجزہ شق القمر ہجرت سے پانچ سال قبل وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرات سیدنا علی مرتضی، انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر بن مطعم، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اسے روایت کیا ہے علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ شق قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں۔ علامہ سبکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاق قمر متواتر ہے اور نص قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ۸

خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ یمن کا سردار حبیب بن مالک ابوجہل کی دعوت پر مکہ آیا تھا تا کہ اسلام کا زور کم کرے لوگوں کو اسلام سے روکے اس نے ابوجہل کے ساتھ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ ہم کو آسمانی معجزہ یعنی چاند دو ٹکڑے کر کے دکھائیں ☆ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو صفا پہاڑ پر لے جا کر یہ معجزہ دکھلایا ☆ خیال رہے کہ جنہوں نے یہ معجزہ صفا پہاڑ کی طرف سے دیکھا انہوں نے کہا چاند کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں صفا تھا جنہوں نے جبل نور کی طرف سے دیکھا انہوں نے کہا کہ بیچ میں حرا تھا لہذا تعارض کی گنجائش نہیں ☆ چاند ٹوٹ کر اس کے دونوں ٹکڑے اپنی جگہ سے نہ ہٹے بلکہ ایک ٹکڑا اپنی جگہ رہا دوسرا جگہ سے ہٹا اس کے یہ معنی نہیں کہ چاند کا ہٹنے والا ٹکڑا زمین پر اتر آیا تھا پہاڑ کے نیچے پہنچ گیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آسمان کے کنارہ کی طرف پہنچ گیا جو پہاڑ کے نیچے نظر آتا تھا جیسے چاند اور

سورج نکلتے وقت (اورغروب ہوتے وقت) درختوں کی شاخوں کی سیدھ میں نظر آتے ہیں☆ چاند کا چرا رہنا لحظہ بھر (مختصروقت) کے لئے تھا۔[9]

---

(۱) مسلم ،کتاب الفضائل ، باب ۱، حدیث نمبر ۵۹۳۹ (۲) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۸/۶، حدیث نمبر ۳۶۲۶ (۳) مرآۃ، بزاراورابونعیم (۴) ابونعیم (۵) بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ۳۶، حدیث نمبر ۳۸۶۸ (۶) بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۷، حدیث نمبر ۳۶۳۶ (۷) قرطبی بحوالہ ضیاء القرآن (۸) ایضاً، مرقات (۹) مرآۃ ج ۸

سب سے زیادہ میری تصدیق کی گئی

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

لم یصدق نبی من الانبیآء ما صدقت وان من الانبیآء نبیا ما یصدقه من امته الا رجل واحد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کسی نبی کی تصدیق اتنی نہ کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی نبیوں میں بعض نبی وہ ہیں جن کی کسی نے بھی ان کی امت تصدیق نہ کی سوا ایک کے۔“

(بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ)[1]

کسی نبی کی تصدیق اتنی نہ کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی۔ اس ارشاد مبارکہ سے دو معنوی پہلو نمایاں ہوتے ہیں ایک یہ کہ جتنے زیادہ لوگ حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے اتنے کسی اور نبی پر ایمان نہیں لائے۔ اس کا سبب روشن ہے کہ انبیاء خاص اپنی قوموں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے رہے لیکن سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سارے جہاں کے نبی ہیں دیگر انبیاء کا زمانہ مقرر و محدود تھا جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ہے۔ دوسرا معنی یہ نکلتا ہے کہ جس قسم کی تصدیق آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کی گئی اس درجہ کی تصدیق کسی بھی نبی کی نہیں کی گئی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ساری امت مسلمہ دل و جان سے فدا ہے۔ تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ اپنے رسول

کی محبت کا یہ جذبہ، یہ عشق و وابستگی اور سوز و گداز سوائے امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور امت کو نہیں ملا۔ اس ارشاد کی حقیقت اس طرح بھی ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کی عزت اور ذات والا کے عرفان کی دولت ساری مخلوق جملہ موجودات اور کل کائنات کو حاصل ہے سوائے ان نافرمانوں کے جو جن وانس دونوں سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنی تیرہ بختی اور ناسمجھی کے باعث اس دولت سے دور اور محروم ہیں اس زندہ وتابندہ حقیقت یعنی سوائے نافرمانوں اور سرکشوں کے سب آپ کو جانتے ہیں اور آپ کی عظمت ومرتبت کا احساس وادراک رکھتے ہیں کا ثبوت یہ ارشاد نبوی ہے۔

کسی باغ میں ایک سرکش اونٹ تھا جس کی وجہ سے اس میں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس میں تشریف لے گئے اور اس کو بلایا وہ فوراً آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو بیٹھ گیا اور ہونٹ زمین پر رکھ دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مہار لگادی اور فرمایا کہ سوائے نافرمان جن وانس کے زمین وآسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انتہا کہ ہر چند کفار بظاہر مخالف تھے لیکن دل میں ضرور سمجھتے تھے کہ حضرت محمدؐ مصطفیٰ ''رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

(بہ روایت حضرت جابرؓ) [۲]

حضور سید کونین ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک عرش اعلیٰ کے ستونوں پر بہت پہلے سے مرقوم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''شب معراج جب مجھے لے جایا گیا تو میں نے عرش اعلیٰ کے ستونوں پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا دیکھا۔'' (بہ روایت حضرت انسؓ) [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت کے دروازوں پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول**

اللہ لکھا ہوا ہے۔'' (بہ روایت حضرت جابرؓ)[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں جس کے پتوں پر **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا نہ ہو''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[5]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور تمہاری امت میں سے جو کوئی ان کو پائے اسے حکم دو کہ وہ ان پر (یعنی محمد رسول اللہ) پر ایمان لائے کیوں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری نہ ہوتی تو نہ آدم ہوتے اور نہ جنت دوزخ ہوتی۔ اور میں نے عرش کو پانی پر مقیم کیا تو وہ متحرک تھا پھر میں نے اس پر لکھا **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**، تو وہ ٹھہر گیا''۔ (بہ روایت ایضاً)[6]

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں وہ خزانہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے وہ سونے کی تختی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم**''۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ جو قدرت پر یقین رکھتا ہے پھر وہ غمگین بھی ہوتا ہے نیز میں اس شخص پر حیرت کرتا ہوں جو جہنم کی ہولناکیوں کو یاد رکھتا ہے پھر وہ ہنستا ہے اور مجھے اس شخص پر بھی حیرت اور تعجب ہوتا ہے جو موت کو یاد رکھنے کے باوجود پھر اس سے غافل رہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے نگینے میں **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** نقش کیا ہوا تھا۔ (بہ روایت حضرت عبادہ بن الصامتؓ)[8]

---

(۱) مسلم کتاب الایمان، باب ۸۵، حدیث نمبر ۴۸۵ (۲) مسند احمد (۳) ابن عدی و ابن عساکر بحوالہ الخصائص الکبریٰ
(۴) ابن عساکر (۵، ۶) حاکم بحوالہ ایضاً (۷) بزار (۸) ابن عدی بحوالہ الخصائص الکبریٰ

میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

ان اللہ بعثتنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ نے اخلاق کے درجات مکمل کرنے اور اچھے اعمال کے کمالات پورے کرنے کے لئے مجھ کو مبعوث فرمایا''۔ (بہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ)[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں''۔[۳]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بھی کوئی چیز مانگی گئی آپ نے ''نہیں'' نہ فرمایا۔[۴]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دو پہاڑوں کے درمیان بھری ہوئی بکریاں مانگ لیں۔ حضور علیہ السلام نے سائل کو اس کے سوال کے موافق تمام بکریاں عطا کر دیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا ''اے میری قوم کے لوگوں! تم سب مسلمان ہو جاؤ، اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب

عطا کرتے ہیں''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تھے مدینہ کے خدام اپنے برتن لے آتے تھے جن میں پانی ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں ہاتھ ڈبو دیتے۔ بعض دفعہ وہ لوگ آپ کے پاس بہت ٹھنڈی صبح کو پانی لاتے (تب بھی) آپ ان میں اپنے دست مبارک ڈبو دیتے۔ (بہ روایت ایضاً)[۶]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پورا کھل کر ہنستا نہ دیکھا۔ آپ تبسم ہی فرمایا کرتے۔[۷]

حضرت اسود بن حلالؓ نے جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شانہ اقدس میں کیا کیا کرتے تھے؟۔ تو فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے یعنی گھر والوں کا کام کرتے تھے پھر جب نماز کا وقت آجاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے''۔[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو کاموں میں سے آسان کو اختیار فرمایا کرتے۔[۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی چیز میں بدلہ نہ لیا مگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حرمت توڑی جاتی تو اللہ کے لئے اس کا بدلہ ضرور لیتے۔[۱۰]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا، اس طویل مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کبھی کسی چیز پر ملامت نہیں کی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی مجھے ملامت کرتا تو فرماتے ''جانے دو اگر کچھ اور مقدر میں ہوتا تو وہ ہوتا''۔[۱۱]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو عادتاً بری باتیں کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معافی دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔[12]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماروں کی مزاج پرسی کرتے تھے اور جنازوں کے ساتھ جاتے تھے غلام کی دعوت قبول کر لیتے تھے۔[13]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تھے تو اپنا ہاتھ نہ کھینچتے حتی کہ وہی اپنا ہاتھ کھینچتا تھا اور آپ اپنا منہ اس کے منہ سے نہیں پھیرتے تھے حتی کہ وہ ہی اپنا منہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے پھیرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا گیا کہ اپنے ہم نشین کے سامنے گھٹنے پھیلا کر بیٹھے ہوں۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[14]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ (بروایت حضرت انسؓ)[15]

حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہ دیکھا۔[16]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کلام فرماتے تو اپنی نگاہ شریف آسمان کی طرف زیادہ اٹھاتے تھے۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن سلامؓ)[17]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر زیادہ کرتے تھے اور دنیاوی کلام بہت کم کرتے تھے اور نماز دراز کرتے تھے اور خطبہ چھوٹا پڑھتے تھے اور بیوگان و مساکین کے ساتھ چلنے سے عار نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی حاجت پوری فرما دیں۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن اوفیؓ)[18]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو بال بچوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مہربان ہو۔[19]

---

(۱) مشکوٰۃ، باب فضائل سید المرسلین، صفحہ نمبر ۵۱۴ (۲) مؤطا مالکؒ (۳) کنز العمال (۴،۵) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۱۴، حدیث نمبر ۶۰۱۸، ۶۰۲۱ (۶) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۱۹، حدیث نمبر ۶۰۴۲ (۷) بخاری، کتاب الادب، باب ۶۸، حدیث نمبر ۶۰۹۲ (۸) بخاری، کتاب الآذان، باب ۴۴، حدیث نمبر ۶۷۶ (۹) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۲۰، حدیث نمبر ۶۰۴۵ (۱۰) ایضاً (۱۱) مشکوٰۃ، بیہقی (۱۲) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۶۹، حدیث نمبر ۲۰۱۶ (۱۳) ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ۱۶، حدیث نمبر ۴۱۷۸ (۱۴) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۴۶/۱۱۱، حدیث نمبر ۲۴۹۰ (۱۵) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۳۸، حدیث نمبر ۲۳۶۲ (۱۶) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰/۲۲، حدیث نمبر ۳۶۴۱ (۱۷) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۴۸۲۹ (۱۸) سنن نسائی، کتاب الجمعۃ، باب ۳۱، حدیث نمبر ۱۴۱۳ (۱۹) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۰۲۶

ظہورِ قدسی کا زمانہ سب سے بہترین دور ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

بعثت من خیر قرون بنی آدم ، قرنا فقرنا ،حتی کنت من القرن الذی کنت منه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں پیدا ہوا بنی آدم کے عمدہ اور بہتر زمانے والوں سے ایک زمانے والوں کے بعد دوسرے زمانے والوں سے یہاں تک کہ میں اس زمانے میں ہوا جس میں کہ میں ہوں''۔

(بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس حدیث شریف سے ذات انور کی نسبت کے باعث ظہور قدسی کے زمانے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد عہد بہ عہد بہترین اور اعلیٰ فضیلت والے تشریف لاتے رہے آخرش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ مبارک آیا جو تمام قرنون پر خاص درجہ کی بزرگی رکھتا ہے اور اس قرن کو یہ ساری عظمت محض آپ کی جلوہ گری کے سبب عطا ہوئی۔ جس طرح وجود مبارک سے زمانے کو فضیلت ملی کہ وہ ''خیر القرون'' بنا اسی طرح آپ کے نسب مبارکہ کی بزرگی بھی مسلم ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' اللہ جل جلالہ نے (اولاد حضرت) اسماعیل (علیہ

السلام) سے کنانہ کو چنا۔ اور قریش کو کنانہ میں سے اور بنی ہاشم کو قریش میں سے اور مجھ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بنی ہاشم میں سے۔'' (بہ روایت حضرت واثلہ بن الاسقعؓ) [۲]

اس ارشاد مبارکہ سے جہاں تمام اولاد آدم علیہ السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت و سروری کا اظہار ہو رہا ہے وہیں آپ کے گھرانے، خاندان، قوم، نسل شریف، کی خصوصیات بھی نمایاں ہو رہی ہیں اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ امام نوویؒ نے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں۔''حدیث سے یہ نکلا کہ اور عرب قریش کے کفو نہیں ہو سکتے، اسی طرح ہاشمی کے کفو وہ قریشی نہیں ہو سکتے جو ہاشمی نہیں ہیں البتہ مطلب کی اولاد بنی ہاشم کی کفو ہے کیوں کہ وہ دونوں ایک ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے اچھوں میں سے بنایا پھر ان اچھوں کو دو جماعتیں کیں تو مجھے ان کے اچھے فرقہ میں سے بنایا پھر ان اچھوں کے کئی قبیلے کئے تو مجھے اچھے قبیلہ میں بنایا پھر ان اچھوں کے گھر بنائے تو مجھے اچھے گھر والوں میں بنایا تو میں ان سب میں اچھی ذات والا اور اچھے گھر والا ہوں''۔ (بہ روایت حضرت عباسؓ) [۳]

محققین و کاملین نے اس ارشاد مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عرب وعجم میں منقسم کر کے عرب کو فضیلت دی پھر عربوں کے قبائل میں قریش کو ممتاز فرمایا۔ قریش کی کئی شاخوں میں بنی ہاشم کو افضل کیا اور بنی ہاشم میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خارجی اور بیرونی شرافتیں بھی عطا فرمائی اور ذاتی شرافت وعظمت بھی بخشی۔

ایک طویل حدیث شریف میں منجملہ دیگر فضائل شریفہ کے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں فخر یہ نہیں کہتا''۔ (بہ روایت حضرت ابن بن عباسؓ) [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں ساری اولاد آدم (علیہ السلام) میں اپنے رب کے نزدیک زیادہ عزت والا ہوں''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ) [5]

یہ بات ہر صاحب ایمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوقات میں سب سے بڑھ کر عزت وشرف سے نوازا ہے۔ کوئی بھی آپ کا ہمسر و برابر نہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تمام اولاد آدم علیہ السلام پر قائم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے نبیوں پر اور آسمان والوں پر بزرگی دی۔ (یعنی فرشی عرشی ساری مخلوق سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے افضل کیا)۔ ''حضور خیر الخلق کلھم ہیں''۔ لوگوں نے کہا نبیوں پر بزرگی کیسے دی؟ تو (اس کے جواب میں یہ دلیل دے کر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

- ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ان کی قوم کی زبان میں تا کہ وہ ان کے لئے بیان کریں تو اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ (ق ۱۴/۴)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ

- ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے لوگوں کے لئے کافی (ق ۳۴/۲۸)

یعنی حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن وانس کی طرف بھیجا''۔ [6]

حضرت ابن عباسؓ کے اس مدلل ارشاد نے سوال کرنے والوں کی تشفی کر دی۔

مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح میں لکھا ہے کہ اگر چہ مذکورہ آیت (۳۴/۲۸) میں صرف انسانوں کا ذکر ہے مگر چوں کہ جنات انسانوں کے تابع ہیں لہذا وہ بھی ان میں داخل ہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ و

سلم ساری مخلوق کے نبی ہیں فرشتے وغیرہ سب آپ کی اُمت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کے باب میں یہ حقائق بہت اہم ہیں کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی خمیر میں تھے۔ میثاق میں آپ انبیاء پر مقدم تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ”الست بربکم“ فرمایا سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہی ”بلیٰ“ فرمایا۔ تخلیق کے لحاظ سے اولیت اسم مبارک کا عرش وسموات وجنت ہر جگہ مرقوم ہونا، فرشتوں کا ہر گھڑی آپ کا ذکر کرتے رہنا، معراج شریف، مشاہدہ آیات کبریٰ وغیرہ۔[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”ہم آخری ہیں اور قیامت کے دن اول ہوں گے اور میں ایک بات کہتا ہوں مگر فخر نہیں کہ ابراہیم (علیہ السلام) اللہ کے خلیل ہیں، موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے برگزیدہ ہیں اور میں اللہ کا محبوب ہوں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرا پاس ہوگا۔ (بہ روایت حضرت عمرو بن قیسؓ)[8]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں رسولوں کا پیش رو ہوں فخر یہ نہیں کہتا، میں نبیوں میں آخری ہوں فخر یہ نہیں کہتا، میں پہلا شفاعت والا اور مقبول الشفاعت ہوں فخر یہ نہیں۔ (حضرت جابرؓ)[9]

حضرت کعب احبارؒ مشہور تابعی ہیں اور تورات کے زبردست عالم تھے انھوں نے تورات سے حکایت کی ہے فرماتے ہیں ہم وہاں (یعنی تورات) میں لکھا پاتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ سخت دل ہیں اور نہ سخت زبان اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف فرما دیتے ہیں بخش دیتے ہیں ان کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت مدینہ میں اور ان کا ملک شام میں ان کے امتی بہت حمد کرنے والے ہیں آرام و تکلیف میں اللہ کی حمد کریں گے اور ہر درجہ میں اللہ کی حمد کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی تکبیر کہیں گے سورج کا خیال رکھیں گے جب

نماز کا وقت آوے گا تو نماز پڑھا کریں گے اور اپنی کمر پر تہبند باندھیں گے اور اپنے اعضا پر وضو کریں گے ان کا موذن آسمان کی فضا میں اذان دیا کرے گا ان کی صف جہاد میں اور ان کی صف نماز میں برابر ہوگی رات میں ان کی گنگناہٹ شہد کی مکھی کی بھنکار کی طرح ہوگی۔ (یہ مصابیح کے لفظ ہیں دارمی نے معمولی فرق سے روایت کی ہے)[10]

---

(۱) بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۳، حدیث نمبر ۳۵۵۷ (۲) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۱، حدیث نمبر ۵۹۳۸ (۳) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۰۱/۹۶، حدیث نمبر ۳۵۳۲ (۴) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۳/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۱۶ (۵) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۲/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۱۰ (۶) دارمی، ملخصاً (۷) بیہقی بحوالہ خصائص کبریٰ (۸، ۹) دارمی (۱۰) مشکوٰۃ

قیامت کے دن میں پہلا مقبول الشفاعت ہوں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

انا حبیب اللہ ولافخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ ولافخر وانا اول شافع و اول مشفع یوم القیامۃ ولافخر وانا اول من یحرک حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فید خلنیھا ومعی فقرآء المؤمنین ولافخر وانا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اللہ کا محبوب ہوں فخر یہ نہیں کہتا قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میں ہی اٹھائے ہوں گا فخر یہ نہیں کہتا پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا مقبول الشفاعت قیامت کے دن میں ہوں فخر یہ نہیں کہتا میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کی زنجیر ہلائے گا تب اللہ کھولے گا پھر اس میں مجھے داخل کرے گا میرے ساتھ فقراء مسلمان ہوں گے فخر یہ نہیں کہتا میں سارے اگلے پچھلوں میں زیادہ عزت والا ہوں فخر یہ نہیں کہتا''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[1]

اس ارشاد عالیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان وفضیلت کے حقائق بیان ہوئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ بیٹھے اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے حتی کہ ان حضرات سے قریب ہو گئے تو انھیں کچھ تذکرہ کرتے

ہوئے سنا ان میں سے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا دوست بنایا۔ دوسرے صاحب بولے کہ اللہ نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام فرمایا۔ ایک اور صاحب بولے کہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ ایک دوسرے نے کہا کہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو اللہ نے برگزیدہ کر لیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ "ہم نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب کرنا سنا۔ یقیناً (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور موسیٰ (علیہ السلام) اللہ سے راز کی بات کرنے والے ہیں واقعی وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی روح اور کلمہ، وہ ایسے ہی ہیں۔ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو اللہ نے چن لیا واقعی وہ ایسے ہی ہیں مگر خیال رکھو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں......"۔[۲]

اس حقیقت پر مبنی کئی ارشادات کتب احادیث میں ہیں جن سے آقائے دو جہاں محبوب کردگار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت و برگزیدگی، عظمت و بزرگی اور حق تعالیٰ سے قرب و نزدیکی کے حقائق سے دنیائے یقین منور و تابناک ہوتی ہے۔ انبیاء کرام کی شان اور صفات کا اظہار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انصاف والا کلام فرماتا ہے۔ کسی کے وصف و خصوصیت کا انکار نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان انبیاء سابقین کی شان و اوصاف کا حال دنیا کے سامنے قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب و ذریعہ سے ہے۔ آپ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سبھی کے اوصاف جمیلہ بطور خاص بیان فرمائے اور دنیا کو ہر ایک نبی کے اکرام و رتبہ سے واقف کروایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا حبیب بنایا اور ساری مخلوقات میں آپ کو اپنے قرب خاص سے نوازا اور منزل محبوبیت پر فائز فرمایا ہے۔ (ع)

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نصوص واحادیث سے آپ کی شان وفضیلت ثابت ہے۔ حضرت شیخ الاسلام فضیلت جنگؒ رقمطراز ہیں کہ احادیث شریفہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے عالم میں پادشاہ ہوتا ہے عالم روحانی میں رسالت ہے۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ حدیث شریف سے ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں سے۔ میرے آسمانی وزیر جبرئیل و میکائیل (علیہما السلام) ہیں اور زمین کے ابوبکر و عمرؓ'' (رضی اللہ عنہما)۔ (بہ روایت حضرت ابوسعیدؓ) [۳]

جب ملائکہ میں سے دو فرشتے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام جیسے جلیل القدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے وزیر آسمانوں میں اور دو وزیر اہل زمین میں ہیں تو اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بادشاہ عالم علوی وزیریں ہونے میں کیا تامل۔ ☆ مادہ عالم پر حکومت ہونا اکثر واقعات سے ثابت ہے مثلاً لکڑی کا تلوار ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا وغیرہ اور معجزۂ شق القمر سے ثابت ہے کہ آسمان پر بھی آپ کے تصرفات جاری تھے۔ غرض کہ ملک وملکوت کی سلطنت آپ کو حق تعالیٰ نے عطاء فرمائی تھی۔

حضرت عبدالرحمان بن غنمؓ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ یکا یک ابر نمودار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک فرشتہ نے مجھ پر سلام کیا اور کہا کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہونے کی اجازت ہمیشہ حق تعالیٰ سے چاہتا تھا اس وقت مجھے اجازت ملی۔ میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی مکرم و بزرگ نہیں''۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب لوگ اٹھائے جائیں گے ان سب میں پہلے ہم قبر انور سے باہر آئیں گے اور جب لوگ وفد بنیں گے تو ہم پیشرو ہوں گے اور لوگ جب خاموش ہوں گے تو ہم

ان کے خطیب ہوں گے اور جب لوگ رو کے ہوئے ہوں گے تو ان کے ہم شفیع ہوں گے۔ لوگ جب مایوس ہوں گے تو انھیں بشارت دینے والے ہم ہوں گے۔ اس دن عزت اور کنجیاں ہمارے ہاتھ ہوں گی۔ حمد کا جھنڈا اس دن ہمارے ہاتھ میں ہوگا میں ساری اولاد آدم میں اپنے رب کے نزدیک زیادہ عزت والا ہوں''۔

(بہ روایت حضرت انسؓ)[5]

---

(۱) ترمذی شریف کتاب المناقب، باب ۳/۰، حدیث نمبر ۳۶۱۶ (۲) ایضاً (۳) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۴۷/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۸۰ (۴) کنز العمال (۵) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۲/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۱۰

میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میں بددعاء کرنے والا نہ بھیجا گیا میں تو رحمت ہی بھیجا گیا ہوں''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، یہ حقیقت قران و حدیث سے ثابت ہے۔ آپ کی رحمت خاصہ تو مسلمانوں کے لئے ہے اور رحمت عامہ تمام انسانوں جملہ مخلوقات سارے عالموں کے لئے۔ کفار پر دنیا میں عذاب کا موقوف ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود مقدس کی برکت ہی تو ہے۔ دنیا والوں کو حضور نے بددعا نہیں دی ہمیشہ دعائے رحمت ہی سے نوازا۔ مشرکین پر بددعاء کے معروضہ کے جواب میں آپ نے فرمایا ''میں تو رحمت ہی بھیجا گیا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرتاپا رحمت بنایا اور وجہ رحمت بھی کہ ذات انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سبب سارے جہانوں پر رحمت وکرم فرماتا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''پھر مجھے جنتی جوڑا پہنایا جاوے گا پھر میں عرش کی داہنی

جانب کھڑا ہوں گا۔ مخلوق میں میرے سواء کوئی نہیں جو اس جگہ کھڑا ہو"۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب قیامت کا دن ہوگا تو میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا اور ان حضرات کا شفاعت والا، فخر یہ نہیں فرماتا ہوں۔"[۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ہر نبی کے بعض نبی قریب تر ہوتے ہیں اور میرے قریبی میرے باپ میرے رب کے خلیل ہیں۔" پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت کی کہ، لوگوں میں ابراہیم علیہ السلام سے قریب ترین وہ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ ایمان لائے اور اللہ والی ہے مؤمنوں کا۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)[۴]

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! آپ نے کیسے جانا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، حتی کہ آپ نے یقین کر لیا" (یعنی حضور آپ نے دنیا میں آکر اپنی نبوت یہاں کے کس سبب سے جانی پہچانی، لہذا یہ سوال ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل میں تھے یا بچپن شریف میں ہم کو شجر و حجر سلام کرتے تھے۔ آپ کی نبوت کا اعلان آپ کی ولادت پاک سے پہلے ہو چکا تھا دنیا بھر نے آپ کو نبی جان لیا تھا، یہاں ان معجزات سے حصول سعادت کا سامان کیا جائے" جو حمل شریف اور ولادت پاک کے وقت تمام دنیا میں ظاہر ہوئے۔ دیکھئے مرآۃ ج ۸) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے جب کہ میں مکہ کے بعض پتھریلے علاقہ میں تھا (غالباً یہ واقعہ بچپن شریف کا ہے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حلیمہ دائی کے یہاں تھے یا اس کے کچھ بعد کا۔ بطحاء کہتے ہیں پتھریلے علاقہ کو، مکہ معظّمہ کے آس پاس تمام علاقہ پتھریلا ہے۔ ایضاً) تو ان میں سے ایک تو زمین کی طرف آ گیا اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان رہا تو

ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ''کیا یہ وہی ہیں''۔اس نے کہا ''ہاں''۔اس نے کہا کہ انھیں ایک شخص سے تو لو۔ میں اس سے تولا گیا تو میں وزنی ہوا۔ پھر اس نے کہا کہ انھیں دس سے تو لو۔ میں ان سے تولا گیا، میں ان پر وزنی ہوا۔ پھر اس نے کہا انھیں سو سے تو لو۔ میں ان سے تولا گیا، میں ان پر بھاری ہوا۔ پھر وہ بولا انھیں ہزار سے تو لو۔ میں ان سے تولا گیا تو میں ان پر بھاری ہو گیا۔ گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ پلہ ہلکا ہونے کی وجہ سے مجھ پر گرے پڑتے ہیں تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اگر تم ان کی پوری امت سے تو لو بھی تو یہ سب پر بھاری ہوں گے''۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا، بولا میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر میں اس خوشہ کو اس درخت سے بلاؤں تو وہ گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا، وہ کھجور کے درخت سے اترنے لگا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گر گیا، پھر فرمایا ''لوٹ جاؤ'' وہ لوٹ گیا۔ یہ دیہاتی مسلمان ہو گیا۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[۶]

---

(۱) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۲۴، حدیث نمبر ۶۶۱۳ (۲) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۲/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۱۱ (۳) ترمذی ، کتاب المناقب، باب ۳/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۶۱۳ ۳/۰۰۰ (۴) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۳/۴، حدیث نمبر ۳/۲۹۹۵ (۵) دارمی (۶) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۹، حدیث نمبر ۳۶۲۸

شفاعت امت کی دعا

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

لکل نبی دعوة مستجابة فتعجل کل نبی دعوته وانی اختبأت دعوتی شفاعة لأمتی یوم القیامة فهی نائلة ان شاء الله من مات من امتی لایشرک بالله شیئا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ہر نبی کی ایک دعاء خصوصاً قبول ہوتی ہے تو ہر نبی نے اپنی وہ دعاء یہاں استعمال کرلی اور میں نے اپنی دعا روز قیامت کے لئے بچا رکھی ہے اپنی امت کی شفاعت کے واسطے۔ چنانچہ میری وہ دعاء ان شاء اللہ میرے ہر امتی کو پہنچے گی، جو اس طرح مرے کہ رب تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔" (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

یوں تو انبیاء کرام کی قریباً ساری دعائیں ہی قبول ہیں، مگر رب تعالی کی طرف سے ہر نبی کو ایک خصوصی دعاء عطا ہوتی ہے، جس کے متعلق رب تعالی کا حتمی وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ضرور قبول کریں گے۔ تمام نبیوں نے اپنی اپنی دعائیں دنیا میں استعمال فرمالیں (اشعۃ اللمعات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وہ دعاء یہاں استعمال نہ کی، بلکہ قیامت کے لئے اٹھا رکھی ہے۔ فرمایا "اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور اس کا فائدہ ہر وہ شخص اٹھائے گا جسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو"۔ ☆ دعوات، دعوت کی جمع ہے بمعنی دعاء۔

چھوٹے کا اپنے بڑے سے اظہار عجز کے ساتھ مانگنا دعاء کہلاتا ہے۔ دعاء مانگنا بھی ایک عبادت ہے، بلکہ عبادات کا مغز ہے۔ بعض علماء دعاء کو افضل کہتے ہیں، بعض رضا بالقضاء کو، مگر بہتر یہ ہے کہ زبان سے دعاء مانگے اور دل میں رضا رکھے کہ اگر دعاء قبول نہ ہو تو ملول نہ ہو، اس صورت میں دعاء و رضا دونوں پر عمل ہوگا۔ عمومی حالات میں دعاء مانگنا بہتر ہے کہ اس میں بندگی کا اظہار ہے۔ [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگوں میں زیادہ کامیاب میری شفاعت سے قیامت کے دن وہ ہوگا جس نے اپنے خالص دل یا خالص نفس سے کہا لا الہ الا اللہ''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ بعض بعض میں مخلوط ہو جائیں گے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت کیجئے۔ وہ فرمائیں گے ''میں اس کے لئے نہیں، لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دامن پکڑو وہ اللہ کے خلیل ہیں'' تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کے لئے نہیں، لیکن تم جناب موسیٰ علیہ السلام کو پکڑو کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کے لئے نہیں، لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑو کہ وہ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں۔ تو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اس کیلئے نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو تو وہ میرے پاس آئیں گے۔ میں فرماؤں گا ''ہاں میں اس کے لئے ہوں'' پھر میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت ملے گی اور ایسی حمدیں مجھے انعام کرے گا جو ابھی میرے علم میں حاضر نہیں میں ان حمدوں سے حمد کروں گا اور رب کے لئے سجدہ میں

گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اپنا سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جاوے گی مانگو دیئے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جاوے گی۔ میں عرض کروں گا "یا رب میری امت میری امت" تو فرمایا جاوے گا جاؤ اس کو نکالو جس کے دل میں جو برابر ایمان ہو، تو میں چلوں گا اور یہ عمل کروں گا پھر واپس لوٹوں گا انہی حمدوں میں سے رب کی حمد کروں گا پھر اس کے لئے سجدہ میں گروں گا تو کہا جاوے گا اے محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی مانگو تمہیں وہ دیا جائے گا شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں عرض کروں گا "یا رب میری امت میری امت" تو کہا جاوے گا "چلو اسے نکال لو جس کے دل میں ذرہ یا رائی کے دانہ برابر ایمان ہو" چنانچہ میں چلوں گا یہ عمل کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا تو رب کی حمدوں سے ثناء کروں گا پھر اس کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جاوے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی مانگو تمہیں دیا جائے گا شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں کہوں گا "یا رب میری امت میری امت" فرمایا جاوے گا "جاؤ اسے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کم تر ایمان ہو" چنانچہ میں جاؤں گا اسے آگ سے نکال لاؤں گا چنانچہ ہم جائیں گے اور یہ کام کریں گے پھر میں چوتھی بار لوٹوں گا اور رب تعالیٰ کی حمد و ثناء انہیں محامد سے کروں پھر میں اس کے حضور سجدہ کناں کروں گا تو کہا جاوے گا "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی مانگو دیئے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جاوے گی" تو میں عرض کروں گا "یا رب مجھے اس کے متعلق اجازت دے جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو" رب فرمادے گا یہ تمہارا نہیں لیکن میری عزت و جلالت اور کبریائی اور میری عظمت کی قسم! میں وہاں سے اسے نکال دوں گا جس نے کہا **لا الہ الا اللہ**"۔[۴]

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۸۶، حدیث نمبر ۴۹۱ (۲) مرآۃ ج ۳ (۳) بخاری، کتاب العلم، باب ۳۳، حدیث نمبر ۹۹

(۴) بخاری، کتاب التوحید، باب ۳۶، حدیث نمبر ۷۵۱۰

اہل کبائر کی شفاعت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے“۔

(بہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور وہ سب سے پہلا جس کی شفاعت قبول کی جائے گی“۔[2]

ان ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کبریٰ کے حقائق معلوم ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن خصائص سے فضیلت عطا فرمائی ہے ان میں شفاعت عظمیٰ بھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے اور یہ دستگیری بہ صورت شفاعت ہوگی۔آپ کے سر پر شفاعت کا تاج ہوگا اور ہاتھوں میں لوائے حمد اور آپ کا مقام ”مقام محمود“ ہوگا۔مقام محمود وہ مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔

مقام محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو پڑھا۔ ’’اے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جنھوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہوں گے اور جنھوں نے میری نافرمانی کی تو تو ہی غفور رحیم ہے‘‘۔ پھر آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس جملہ کو دہرایا ’’اگر ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو تو ہی عزیز و حکیم ہے‘‘ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی ’’اے میرے رب! میری امت کو بخش دے میری امت کو بخش دے‘‘۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ’’اے جبرئیل! میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو کہ اے حبیب! ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور تمہیں تکلیف نہیں پہنچائیں گے‘‘۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)[3]

روز حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا جلال خداوندی کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔ بڑے بڑے زور آور اور سرکش خوف سے لرزاں ہوں گے۔ قیامت کی ہولناکیوں میں خلق خدا حیران و پریشان کسی شفیع کے لئے دل سے آرزومند ہوگی اور تلاش و جستجو میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر التجائے شفاعت کرے گی۔ آخر کار سب اس آستانہ رحمت پر حاضر ہوں گے جہاں سے کوئی نامراد واپس نہیں ہوا کرتا۔ بارگاہ محبوب کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر جب سب کے سب معروضۂ شفاعت پیش کریں گے تب آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں گے ’’ہاں میں تمہاری دستگیری کے لئے تیار ہوں‘‘۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش اعظم کے قریب پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور خالق کونین کی حمد و ثناء کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ ’’اے محبوب! اپنے سر کو اٹھاؤ کہو کہ تمہاری بات سنی جائے گی۔ تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں۔ تم شفاعت کرتے جاو

ہم تمہاری شفاعت قبول فرماتے جائیں''۔اس طرح شفاعت حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔[۴] (بحوالہ ضیاء القرآن بہ ضمن تفسیر ۱۷/۷۹)

حضرت قاضی ابوالفضل عیاضؒ فرماتے ہیں''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ شفاعتیں فرمائیں گے (۱) شفاعت عامہ جس میں مومن اور کافر اپنے بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔(۲) بعض خوش نصیبوں کے لئے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔(۳) وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پا جائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے۔(۴) وہ گناہگار جنھیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے۔(۵) اہل جنت کے مدارج میں ترقی کے لئے سفارش فرمائیں گے۔ (قرطبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرے گا''۔تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا۔یا رسول اللہؐ! ہمیں اور زیادہ عطا ہو۔تو فرمایا''اور اس طرح''پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے ان کا لپ بھرا۔حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔یارسول اللہ! ہمیں اور زیادہ دیجئے۔فرمایا''اور ایسے''تو حضرت عمرؓ نے کہا۔اے ابوبکر! چھوڑو بھی۔تو حضرت ابوبکرؓ نے (حضرت عمرؓ سے) فرمایا تمہارا کیا حرج ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کردے۔تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک مٹھی میں ساری خلقت کو جنت میں داخل کردے۔یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''عمر نے سچ کہا''۔[۵]

---

(۱) ترمذی، کتاب القیامہ والرقائق، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۴۳۵ (۲) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۲، حدیث نمبر ۵۹۴۰ (۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۸۷، حدیث نمبر ۴۹۹ (۴) بخاری، کتاب التوحید، باب ۳۶، حدیث نمبر ۷۵۱۰ (۵) شرح سنہ بحوالہ مراۃ

تقسیم آبِ کوثر

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آلہٖ و سلم

انا فرطکم علی الحوض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں''۔

(بہ روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''میں تمہارا پیش رو (میزبان) ہوں گا حوض کوثر پر، جو وہاں آئے گا وہ اس حوض میں سے پئے گا اور جو پئے گا اس میں سے پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا ہے اور اس کے گوشے برابر ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہے اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں جو اس سے پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا''۔

(بروایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ)[3]

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! حوض کوثر کے برتن کتنے ہیں''، تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ''قسم ہے اس کی جس کے قابو میں میری جان ہے کہ

البتہ حوض کوثر کے برتن زیادہ تر ہیں آسمان کے چھوٹے بڑے تاروں کی گنتی سے جیسے ستاروں کی کثرت ہوتی ہے اندھیری بے بدلی رات میں بہشت کے برتن ایسے ہیں کہ جوان سے پانی پیئے گا پیاسا نہ ہوگا آخر زمانے تک یعنی ہمیشہ سیراب رہے گا۔ اس حوض کوثر میں بہشت کے دو نالے بہتے ہیں، اس کا عرض طول برابر برابر ہے جتنا فاصلہ عمان سے ایلہ تک ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ تر میٹھا''۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر پیغمبر کا ایک حوض ہے کہ اس کی امت اس پر آئے گی اور آپس میں فخر کریں گے کہ ان میں کس کے حوض پر بہت لوگ آتے ہیں اور میں امیدوار ہوں کہ ان میں میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے۔'' (بہ روایت سمرہ بن جندبؓ) [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو لوگ میرے حوض پر پانی پینے کو آئیں گے ان میں سے تم لاکھواں حصہ بھی نہیں ہو۔'' (بہ روایت زید بن ارقمؓ) [6]

متعدد احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے بعد جن لوگوں نے ارتداد کیا اور ہمیشہ دین سے پھرتے رہے وہ لوگ حوض کوثر سے دور ہٹا دیئے جائیں گے۔ [7]

حضرت قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حوض کوثر کی حدیثیں صحیح ہیں اور ان پر یقین کرنا لازمی ہے اور ان کو روایت کیا متعدد صحابہ نے یہاں تک کہ وہ درجہ تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ [8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میں حوض کوثر پر تمہارا انتظار کروں گا''۔

(بہ روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ) [9]

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے اور احد کے شہیدوں پر نماز پڑھی جیسے جنازے کی نماز پڑھتے ہیں، پھر منبر کی طرف آئے اور فرمایا میں تمہارا پیش خیمہ

ہوں گا اور گواہ ہوں گا اور قسم خدا کی میں حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں ملیں یا زمین کی کنجیاں اور قسم خدا کی مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے بلکہ یہ خوف ہے کہ تم دنیا کے لالچ میں آ کر ایک دوسرے سے حسد کرنے لگو''۔ [۱۰]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا ''یارسول اللہؐ! قیامت کے دن میری شفاعت کیجیئے گا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ان شاءاللہ میں شفاعت کروں گا''۔ میں نے عرض کیا ''میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں''۔ فرمایا ''اول مجھے پل صراط پر تلاش کرنا''۔ میں نے معروضہ کیا کہ ''اگر آپ سے وہاں نہ ملوں تو پھر کہاں''۔ ارشاد فرمایا ''پھر مجھ کو میزان کے پاس تلاش کرنا''۔ میں نے عرض کیا ''اگر وہاں بھی آپ سے نہ ملوں تو پھر کہاں''۔ فرمایا ''پھر مجھ کو حوض کوثر پر تلاش کرنا۔ ان تین جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گا''۔ [۱۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حوض میرا اتنا بڑا ہے جیسے صنعا سے مدینہ (ایک مدینہ کی راہ)''۔ (بہ روایت حضرت حارثہؓ) [۱۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''تمہارے سامنے ایک حوض ہوگا جس کے دونوں کناروں میں اتنا فاصلہ ہوگا جیسا جرباء اور اذرح میں ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ) [۱۳]

حضرت عبیداللہ نے حضرت نافع سے پوچھا جربا اور اذرح کیا ہیں تو انھوں نے جواب دیا ''دو گاؤں ہیں شام میں ان دونوں میں تین دن کی راہ کا فاصلہ ہے یا تین رات کا''۔ [۱۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''تمہارے سامنے ایک حوض ہے اتنا بڑا جیسے جربا سے اذرح اس میں کوزے ہیں آسمان کے تاروں کی طرح جو وہاں آوے گا اور اس میں پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا''۔ [۱۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا حوض زیادہ بڑا ہے ایلہ سے عدن تک کے فاصلہ سے وہ برف سے زیادہ سفید ہے، شہد سے زیادہ میٹھا جو دودھ سے مخلوط ہو اس کے برتن تاروں کے شمار کے ہیں اور میں دوسرے لوگوں کو اس سے روکوں گا جیسے کوئی شخص دوسرے لوگوں کے اونٹ کو اپنے حوض سے روکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس دن آپ ہم کو پہچان لیں گے؟۔ فرمایا ''ہاں تمہاری وہ نشانی ہوگی جو کسی دوسری امت کی نہ ہوگی تم میرے پاس آثار وضو کی وجہ سے روشن منہ پنچ کلیان آؤ گے''۔[۱۶]

''میں دوسرے لوگوں کو اس سے روکوں گا'' سے مراد مرتدین و منافقین ہیں جو مسلمانوں کے علاوہ ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس سے دوسری امتیں مراد ہوں کیوں کہ ہر نبی کا حوض الگ ہوگا ☆ قیامت میں ساری امتوں کے اجتماع میں آثار وضو سے چمکنے والے اعضاء صرف خیر الامم کے ہوں گے اس سے ان کی پہچان ہوگی۔ البتہ اس عام پہچان کے علاوہ وہ لوگ جو وضو فرض ہونے سے پہلے فوت ہوگئے مثلاً اولین مومنین یا چھوٹے بچے یا دیوانے یا مسلمان ہوتے ہی فوت ہوجانے والوں کو بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے نور نبوت سے پہچان لیں گے۔[۱۷]

---

(۱) بخاری، کتاب الفتن، باب ۱، حدیث نمبر ۷۰۵۰ (۲) ایضاً (۳) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۵۳، حدیث نمبر ۶۵۷۹ (۴) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۹، حدیث نمبر ۵۹۸۹ (۵) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۱۴/۹۷، حدیث نمبر ۲۴۴۳ (۶) ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب ۲۳،۲۲، حدیث نمبر ۴۷۳۳ (۷) بخاری، کتاب الفتن، باب ۱، حدیث نمبر ۷۰۴۸۔۷۰۵۰ (۸) شرح نووی ترجمہ وحیدی (۹) بخاری، کتاب الفتن، باب ۱، حدیث نمبر ۷۰۴۸ (۱۰) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۷، حدیث نمبر ۶۴۲۶ (۱۱) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۹/۴۷، حدیث نمبر ۲۴۳۳ (۱۲) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۵۳، حدیث نمبر ۶۵۹۱ (۱۳،۱۴،۱۵) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۹، حدیث نمبر ۵۹۸۴،۵۹۸۶،۵۹۸۸ (۱۶) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب ۱۲، حدیث نمبر ۵۸۱ (۱۷) مرآت

مناظر معراج شریف

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه واله و سلم

ثم عرج بی حتی ظهرت لمستوی اسمع فیه صریف الاقلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے چڑھایا گیا حتی کہ میں ایک میدان میں پہنچا جس میں قلموں کی چر چراہٹ سنتا تھا''۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان معجزہ یعنی واقعہ معراج کی ایمان پرور تفصیلات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج سماوات اور مختلف منازل اعلیٰ اور مقامات بلند سے گزرنا جن کے منجملہ صریف الاقلام بھی ہے جہاں آپ نے قلموں کے چلنے کی آواز یعنی چر چراہٹ بھی سماعت فرمائی تھی۔

بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابو ذرؓ سے واقعہ معراج کی تفصیل مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''توڑا گیا چھت میرے مکان کا اور میں مکہ میں تھا اور جبرئیلؑ اترے انھوں نے میرا سینہ چیرا پھر اسکو دھویا زم زم کے پانی سے پھر ایک طشت لائے سونے کا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا اور انڈیل دیا اس کو میرے سینہ میں بعد اس کے ملا دیا سینے کو اور میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان پر پہنچے تو جبرئیلؑ نے وہاں کے کلید بردار سے کہا ''کھولنا'' اس نے پوچھا ''کون ہے؟''۔ ''جبرئیلؑ نے

کہا ''جبرئیل''، ''اور بھی کوئی تمہارے ساتھ ہیں''۔ جبرئیلؑ نے جواباً کہا ''ہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں''۔ (کلید بردار نے) پوچھا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ جبرئیل نے کہا ''ہاں'' تب اس نے دروازہ کھولا۔ جب ہم آسمان کے اوپر گئے تو ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی طرف بھی جھنڈ تھی (روحوں کی) اور بائیں طرف جھنڈ تھی وہ جب داہنی طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو روتے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا ''مرحبا اے نیک بخت نبی اور نیک بخت فرزند''۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا ''یہ کون ہیں؟''۔ انھوں نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ جو لوگوں کے جھنڈ ان کے داہنے اور بائیں ہیں یہ ان کی اولاد ہے تو داہنی طرف وہ لوگ ہیں جو جنت میں جائیں گے اور بائیں طرف جو لوگ ہیں وہ جہنم میں جائیں گے اس لئے جب وہ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو (خوشی سے) ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو (رنجیدگی سے) رو دیتے ہیں پھر آپ نے فرمایا۔ جبرئیلؑ مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے اور اس کے چوکیدار سے کہا ''دروازہ کھولو'' اس نے بھی ایسا ہی کہا جیسے پہلے آسمان کے چوکیدار نے کہا تھا پھر دروازہ کھولا ☆ انس بن مالکؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانوں پر حضرت آدم علیہ السلام اور ادریس اور عیسی اور موسیٰ اور ابراہیم علیھم سے ملاقات کی اور یہ بیان نہیں کیا کہ ان میں سے ہر ایک کون سے آسمان پر ملے پر اتنا فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان پر ملاقات ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان میں جب جبرئیلؑ اور آپ حضرت ادریسؑ کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا مرحبا اے نبی صالحؑ اور بھائی صالحؑ۔ آپ نے پوچھا ''یہ کون ہیں؟''۔ جبرئیلؑ نے کہا ''یہ ادریس علیہ السلام ہیں''۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سے گزرا انھوں نے کہا ''مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح''۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا ''یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں''۔

''پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سے گزرا انھوں نے کہا ''مرحبا اے نبی صالح و برادر صالح'' میں نے پوچھا کہ کون ہیں ۔ انھوں نے کہا ''عیسی علیہ السلام ہیں ۔ مریمؑ کے بیٹے ۔ پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سے گزرا انھوں نے کہا ''مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح'' میں نے پوچھا ''یہ کون ہیں؟''۔ انھوں نے کہا ''یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ۔ ☆ ابن شہاب نے کہا مجھ سے ابن حزم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوحیہ انصاری رضی اللہ عنہما (عامر یا مالک یا ثابت) دونوں کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پھر میں چڑھایا گیا ایک ہموار بلند مقام پر وہاں میں سنتا تھا قلموں کی آواز '' ☆ ابن حزم اور انس بن مالکؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پھر اللہ تعالی نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں'' ۔ میں لوٹ کر آیا جب موسی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا ''اللہ تعالیٰ نے کیا فرض کیا آپ کی امت پر'' ۔ میں کہا ''پچاس نمازیں فرض کی ہے'' ۔ موسی علیہ السلام نے کہا ''آپ پھر لوٹ جائیے اپنے رب کے پاس کیوں کہ آپ کی امت میں اس قدر طاقت نہیں'' ۔ میں لوٹ کر گیا اپنے پروردگار کے پاس اس نے ایک حصہ معاف کر دیا ۔ پھر میں لوٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے بیان کیا ۔ انھوں نے کہا ''لوٹ جائیے اپنے پروردگار کے پاس کیوں کہ آپ کی امت کو اتنی طاقت نہیں'' میں پھر لوٹ گیا اپنے پرودگار کے پاس اس نے فرمایا پانچ نمازیں ہی اور وہ پچاس کے برابر ۔ میرے یہاں بات نہیں بدلتی ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''پھر میں لوٹ کر آیا موسیٰؑ کے پاس'' ۔ انھوں نے کہا ''پھر جائیے اپنے پروردگار کے پاس'' میں نے کہا ''مجھے شرم آئی اپنے پروردگار سے (بار بار عرض کرنے سے)'' ۔ پھر جبرئیلؑ مجھ کو لے کر چلے سدرۃ المنتہی کے پاس اس پر ایسے رنگ چڑھ گئے جن کو میں نہیں سمجھتا وہ کیا تھا پھر

مجھے جنت میں لے گئے وہاں موتیوں کے گنبد تھے اور مٹی اس کی مشک کی تھی۔"[2]

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میں خانہ کعبہ کے پاس تھا اور میری حالت خواب اور بیداری کے بیچ میں تھی اتنے میں میں نے سنا ایک شخص کو جو کہتا تھا کہ ہم دونوں میں سے تیسرے یہ ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر میرے پاس آئے اور مجھ کو لے گئے پھر میرے پاس ایک طشت لایا گیا سونے کا اس میں پانی تھا زم زم کا اور میرے سینہ چیرا گیا یہاں تک کہ اور یہاں تک ☆ قتادہ نے کہا جوراوی ہیں اس حدیث کے میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا اس سے مراد کیا ہے انھوں نے کہا یعنی چیرا گیا پیٹ کے نیچے تک اور دل نکالا گیا اس میں سے پھر دھویا گیا زم زم کے پانی سے پھر رکھا گیا اپنی جگہ پر پھر بھر دیا گیا ایمان اور حکمت سے پھر ایک جانور لائے رنگ سفید تھا اس کو براق کہتے تھے گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی مجھ کو اس پر سوار کیا پھر ہم چلے۔۔۔۔۔الخ"۔[3]

---

(۱) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ا، حدیث نمبر ۳۴۹ (۲،۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۷۴، حدیث نمبر ۴۱۵، ۴۱۶

اللہ ہمارے ساتھ ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

یا ابابکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)[1]

یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت ہوا جب ہجرت کی شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں تھے اور اس دوران مشرکین عرب اس غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا تھا کہ مشرکین ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی نیچے کی طرف دیکھ لے تو وہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔ اس وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا ''اللہ ہمارے ساتھ ہے'' ☆ یہ معجزہ ہے کہ کفار ان دونوں حضرات کو نقصان نہ پہنچا سکے مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈے کے ذریعہ رب تعالیٰ نے ان دونوں کو کفار سے محفوظ رکھا۔[2]

ہجرت کے سفر میں سراقہ بن مالک جب تعاقب کرتے ہوئے پہنچ گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! ہم آن لئے گئے'' تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''غم نہ کرو اللہ

ہمارے ساتھ ہے''۔ پھر ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی تو ان کا گھوڑا ان کے ساتھ پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا سراقہ نے کہا میں سمجھتا ہوں آپ نے مجھ پر بددعا کی ہے میں آپ کو اللہ کا ضمان دیتا ہوں کہ میں آپ کو تلاش کرنے والوں کو دور کر دوں گا'' چنانچہ ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی وہ چھوٹ گئے۔[۳]

یہ اللہ کی شان ہے کہ جو گرفتار کرنے آئے تھے وہ خود محبوب کی محبت میں گرفتار ہو گئے جو پکڑنے آئے تھے وہ محافظ بن گئے۔

واقعہ بدر کے ضمن میں یہ معجزہ رونما ہوا۔ مسلم میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو جہاد کے لئے بلایا تو لوگ چلے حتی کہ بدر میں اترے........پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے اور اپنا ہاتھ (مبارک) ادھر ادھر رکھتے تھے (حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ نشان دہی جنگ سے ایک دن پہلے کر دی تھی فرمایا تھا کہ کل ستر کفار مارے جائیں گے یہاں فلاں اور یہاں فلاں) ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے نہ ہٹا۔ (بروایت حضرت انسؓ)[۴]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سخت بھوک دیکھی تو ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع جو تھے اور ہمارے پاس بکری کی پٹھیا تھی، میں نے اسے ذبح کیا میری بیوی نے جو پیسے حتی کہ ہم نے گوشت ہانڈی میں ڈالا، پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آیا، میں نے آپ سے چپکے سے سرگوشی کی اور عرض کیا ''یارسول اللہ! ہم نے اپنا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں، حضور سرکارؐ! آپ اور آپ کے ساتھ چھوٹی سی جماعت تشریف لائے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ''اے خندق والو! جابر نے کھانا تیار کیا

ہے چلو''۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنی ہانڈی نہ اتارنا اور اپنے آٹے کی روٹی پکانا شروع نہ کرنا حتی کہ میں آ جاؤ''۔......پھر حضور تشریف لائے تو حضور کے سامنے آٹا پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب دہن مبارک ڈالا اور دعائے برکت کی، پھر ہماری ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لعاب دہن مبارک ڈالا، پھر فرمایا کہ ''روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہانڈی سے شوربا نکالو اور اسے نہ اتارو۔'' مجاہدین ایک ہزار تھے، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان سب نے کھایا حتی کہ کھانا چھوڑ دیا اور لوٹ گئے، حالانکہ ہماری ہانڈی جیسی تھی ویسی ہی جوش مار رہی تھی اور ہمارا آٹا پکایا جا رہا تھا جیسا کہ تھا۔[۵]

اس واقعہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب شریف کا معجزہٴ برکت ہیں۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ لوگ حدیبیہ کے دن پیاسے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک ڈول تھا جس سے حضورؐ نے وضو کیا پھر لوگ اس طرف دوڑ پڑے بولے ہمارے پاس پانی نہیں ہے جس سے ہم وضو کریں اور پئیں سوا اس پانی کے جو آپ کے پاس ڈول میں ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس ڈول میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پھوٹنے لگا فرمایا کہ ہم نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ تم کتنے تھے؟ فرمایا ''ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہم کو کافی ہوتا ہم پندرہ سو تھے''۔[۶]

ابن ابی عبیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہؓ بن اکوع کی پنڈلی میں ایک چوٹ کا اثر دیکھا تو میں نے کہا کہ ''اے ابومسلم! یہ چوٹ کیسی ہے؟''۔ انھوں نے فرمایا کہ ''یہ وہ چوٹ ہے جو مجھے خیبر کے دن لگی تھی''، تو لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہوگئے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے تین بار

دم فرمایا تو میں اس وقت سے تکلیف میں گرفتار نہیں ہوا۔[۷]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی خبر شہادت لوگوں کو سنائی ان کی خبر آنے سے پہلے۔ حضورؐ نے فرمایا ''جھنڈا زید نے لیا وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے''۔ آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا (یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ نے) حتی کہ اللہ نے ان پر فتح دی''۔[۸]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو امارت کے لئے منتخب و نامزد نہیں کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت پر حضرت خالدؓ نے خود جھنڈا لے لیا اور لشکر کے امیر بن گئے۔ ''سیف اللہ'' سے مراد ہے بڑے بہادر اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت عظمت کے لئے ہے۔ اس دن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس قدر کفار قتل کئے کہ آپ کے ہاتھ میں سات تلواریں ٹوٹیں۔ اس دن سے غالباً آپ کا یعنی حضرت خالدؓ کا لقب ''سیف اللہ'' ہوا۔[۹]

---

(۱) مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب ا، حدیث نمبر ۶۱۶۹ (۲) مرقات (۳) بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۵، حدیث نمبر ۳۶۱۵ (۴) مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب ۳۰، حدیث نمبر ۴۶۲۱ (۵) بخاری، کتاب المغازی، باب ۲۹، حدیث نمبر ۴۱۰۳ (۶) بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۵، حدیث نمبر ۳۵۷۶ (۷) بخاری، کتاب المغازی، باب ۳۸، حدیث نمبر ۴۲۰۶ (۸) بخاری، کتاب المغازی، باب ۴۴، حدیث نمبر ۴۲۶۲ (۹) مرآت ج ۸

جوانان جنت کے سردار

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ و سلم

الحسن والحسین سیداشباب اهل الجنة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) جنتی جوانوں کے سردار ہیں''۔

(بہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے پھول ہیں۔[2]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا جب کہ آپ سے ایک شخص نے محرم (یعنی حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھا ہوا) کے متعلق پوچھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ یہ پوچھا کیا محرم مکھی مار سکتا ہے تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ عراقی لوگ مجھ سے مکھی کے متعلق پوچھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر (خاتون جنت علیہا السلام) کے بیٹے (امام حسین علیہ السلام) کو قتل کر چکے ہیں۔ جب کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں''۔[3]

مرآت میں اس کی تشریح میں ہے کہ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ) یہ لوگ مجھ سے مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھتے ہیں (بحالت احرام محرم مکھی مار سکتا ہے یا نہیں مکھی شکار ہے یا نہیں) حالاں کہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے آئے ہیں وہاں نہیں پوچھا کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ جائز ہے یا نہیں۔ اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہم دنیا میں جنت کے پھول ہیں جو مجھے عطا ہوئے ان کے جسم سے جنت کی خوشبو آتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں سونگھا کرتے تھے۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما بہت عزیز تھے کتب احادیث میں سبطین کریمین کے فضائل الگ الگ اور مشترکہ دونوں طرح سے بیان ہوئے ہیں۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''الٰہی میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر اور جوان سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر''۔ [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں آپ کو زیادہ پیارا کون ہے؟۔ فرمایا ''حسن اور حسین''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ) [۶]

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور حالانکہ (حضرت) حسنؓ آپ کے شانہ (اقدس) پر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کرتے تھے ''الٰہی میں اس سے محبت رکھتا ہوں، سو تو بھی اس سے محبت رکھ''۔ [۷]

حضرت عقبہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عصر کی نماز پڑھی پھر نکل کر چلے اور ان کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، انھوں نے (حضرت) حسن (رضی اللہ عنہ) کو لڑکوں میں کھیلتے

ہوئے دیکھا، سواں کو اپنے کاندھے پر اٹھالیا اور کہا میرا باپ قربان کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہے علی (کرم اللہ وجہہ) کے مشابہ نہیں اور (حضرت) علی (کرم اللہ وجہہ) ہنستے تھے۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ "یہ بیٹا میرا (یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ) سید ہے کہ صلح کروائے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں سے دو گروہوں میں"۔ (بہ روایت حضرت ابوبکرہؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے۔ حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے"۔[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے کہا "اے صاحبزادے تم بہت اچھی سواری پر سوار ہو"۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ سوار بھی تو اچھا ہے"۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[11]

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "حسنؓ سینے اور سر کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے مشابہ ہیں اور حسینؓ اس سے نیچے کے حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں"۔[12]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ نہ تھا[13] اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی یہ کہا کہ "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمشکل تھے"۔[14]

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے یعنی شہزادی کونین خاتون جنت سیدہ فاطمہ بتول علیہا السلام اور حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے فرزندان ہیں۔ حضرت امام حسنؑ ۱۵ر رمضان المبارک سنہ ۳ھ بمقام مدینہ منورہ تولد ہوئے سنہ

۵۰ ھ میں شہادت ہوئی اور جنت البقیع میں سپر دلحد کئے گئے۔حضرت امام حسینؑ کی کنیت ابوعبداللہ ہے آپ کی ولادت ۵/ شعبان المعظم ۴ ہجری میں ہوئی اور سنہ ۶۱ ھ میں محرم الحرام کی دس تاریخ بروز جمعہ آپ کی شہادت کا سانحہ عظمیٰ ہوا۔

---

(۱) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۱، حدیث نمبر ۳۷۶۸ (۲) بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۲۲، حدیث نمبر ۳۷۵۳ (۳) ایضاً (۴) مرآت ج ۸ (۵، ۶) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۱/۳۰، حدیث نمبر ۳۷۶۹، ۳۷۷۲ (۷) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۴، حدیث نمبر ۳۷۸۳ (۸، ۹) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۲۲، حدیث نمبر ۳۷۵۰، ۳۷۴۶ (۱۰) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۳، حدیث نمبر ۳۷۷۵ (۱۱) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۴، حدیث نمبر ۳۷۸۴ (۱۲، ۱۳) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۳، حدیث نمبر ۳۷۷۹، ۳۷۷۶ (۱۴) بخاری شریف، کتاب الفضائل اصحاب النبیؐ، باب ۲۲، حدیث نمبر ۳۷۴۸

قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے والا خوش مقدر ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم

خیر کم من تعلم القرآن و علمه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''۔

(بہ روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے قرآن مجید سیکھنے، سکھانے، پڑھنے، پڑھانے اور علوم قرآنیہ کے حصول اوران کی تعلیم وتدریس کی اہمیت وفضیلت کا واضح طور پر اظہار ہوتا ہے۔اس میں قرآن مجید کے الفاظ، معانی ومفاہم اورحقائق واسرار کے متعلق جملہ امور کا سیکھنا اوران کو سکھانا سب شامل ہے۔اس لحاظ سے ارشاد میں بے پناہ وسعت ہے جو نونہالان امت کو قرآنی تعلیم، الفاظ کے ہجوں کی مشق، تحفیظ، علماء کرام کا احکام قرآنی کا جاننا اوران کی تعلیم، الفاظ ومعانی پرغور وتدبر، تفسیر وتشریح ونیز صوفیہ وعرفاء کا اسرار ومعارف، رموز وحقائق سمجھنا اور سمجھانا ہر طرح کی تعلیم قرآنی پر محیط ہے۔قرآن مجید کلام اللہ ہے اور تمام کلاموں پر اس کلام حق تعالیٰ کو فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔اسی فضیلت تامہ کے باعث اس کے حاصل کرنے والے اوراس کی تعلیم دینے والے کا سب میں بہتر اور افضل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید کے سیکھنے کی فضیلت ایسی ہے کہ جو تحصیل کے مراحل کے بعد جب عالم ہو جائے یعنی عالم بالقرآن تو اس کے لئے حدیث شریف میں یہ نوید آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قرآن کا عالم معزز فرشتوں اور معظم نبیوں کے ساتھ ہوگا''۔

(بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ)[۲]

اسی ارشاد مبارکہ میں ان لوگوں کے لئے بھی خوشخبری آئی ہے جو ماہر قرآن نہ ہوں یا بے تکلف قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے یعنی اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں۔ بڑی محنت اور جستجو کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا چاہتے ہیں ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن صحیح پڑھ سکیں لیکن کند ذہنی اور زبانی مشکلات کے باعث مجبور رہا کرتے ہیں تاہم زندگی بھر ان کی یہ مبارک ومسعود کوشش جاری رہتی ہیں چنانچہ آگے ان کے متعلق فرمایا کہ

''اور جو قرآن پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہوا اور قرآن اس پر گراں ہو اس کے لئے دو ثواب ہیں''۔[۳]

یہ دوگنا ثواب عالم قرآن کے مقابل نہیں کیوں کہ وہ تو فرشتوں اور نبیوں کے ساتھ ہے بلکہ اس کے مقابلہ میں ہے جو بے تکلف قرآن پڑھ کر بس کردے۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''صرف دو شخصوں پر غبطہ ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم قرآن دیا وہ دن رات اسے پڑھتا ہو اور دوسرا وہ شخص کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ دن رات اس میں سے خیرات کرے''۔[۵]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوا کہ علم قرآن اور مال اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتیں ہیں جس پر رشک کرنا روا ہے۔ یعنی ان کی طرح اپنے لئے بھی ان نعمتوں کا چاہنا۔ مگر ان کے زوال کی خواہش و خیال نہ ہو۔ یہ ایک احسن جذبہ ہے اسی وجہ سے اسے روا رکھا گیا کیوں کہ علم قرآن ایسی نعمت ہے جس کی

خواہش ہر مومن کی فطرت میں داخل ہے اسی طرح مال و دولت جس کے سبب آدمی زیادہ سے زیادہ خیرات، انفاق اور امور دین میں خرچنے کا موقع پاتا ہے خاص اس غرض سے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے اگر ہمیں بھی مال میسر آجائے تو ایسا غبطہ ممنوع نہیں۔ اسے رشک کہا جاتا ہے جو حسد سے مختلف ہے حسد میں دوسرے کی نعمت پر جلن اور اس کی تباہی و زوال کی چاہت ہوتی ہے جب کہ رشک میں دوسرے کی نعمت کا اس کے پاس موجود رہنے کے خیال کے ساتھ یعنی اس کی برائی یا نقصان کو نہ چاہتے ہوئے اپنے لئے بھی ویسی ہی نعمت کی طلب اور چاہت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دینی چیزوں اور اچھے کاموں میں رشک کو جائز بتایا گیا ہے۔

قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے، پڑھنے پڑھانے اور درس و تدریس کی بڑی فضیلت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں اور باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی دنیوی آفتاب سے بڑھ کر ہوگی، جب کہ سورج کو اتنا قریب فرض کرلیا جائے کہ گویا تمہارے گھروں میں اتر آیا ہے۔ پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ جب ماں باپ کا یہ مرتبہ ہوگا تو اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جس نے قرآن کریم (کو پڑھا اور اس) پر عمل کیا''۔

(بہ روایت حضرت معاذ بن جہنیؓ)[6]

---

(۱) بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب ۲۱، حدیث نمبر ۵۰۲۷ (۲) بخاری، کتاب التفسیر، باب ۸۰ (تفسیر سورہ عبس) (۳) ایضاً (۴) مراۃ ج ۳ (۵) بخاری، کتاب التوحید، باب ۴۵، حدیث نمبر ۷۵۲۹ (۶) ابوداؤد، کتاب الوتر، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۴۵۰

اچھی آواز سے تلاوت قرآن مجید کرو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

زینوا القراٰن باصواتکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو''۔

(بہ روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت خوش آوازی، خوش الحانی اور بہتر لہجے، پردرد انداز سے اس طرح کی جائے کہ اس کے مخارج صحیح ادا ہوں، مگر گا کر ایسا تلاوت کرنا کہ جس سے مدوشد میں فرق آ جائے حرام ہے (مرآۃ ۳) تم اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو کا مطلب یہ ہے کہ بلند آوازوں سے قرآن پڑھا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم عرب کے آواز اور لحن کی طرح قرآن پڑھا کرو اور یہود و نصاریٰ کے لحن سے بچتے رہو اور میرے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہو گی، جو آیات قرآن کو اس طرح پڑھے گی جس طرح کہ گانے والے اور نوحہ پڑھنے والے تکرار کیا کرتے ہیں۔ قرآن ایسی قوم کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، ان کے دل فتنہ و فساد سے بھرے ہوں گے اور ان کے دل بھی ایسے ہی ہوں گے، جن کو ایسا طریقہ

پسند ہوگا''۔ (بہ روایت حضرت حذیفہؓ) [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''علانیہ قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا خفیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے''۔ (بہ روایت حضرت عقبہ بن عامرؓ) [۳]

اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ آواز بلند اور آہستگی کے ساتھ دونوں طرح قرآن مجید کی تلاوت کا جواز ظاہر ہوتا ہے اور اس سے اجر و ثواب یقینی ہے، کیونکہ صدقہ کا ظاہر کر کے دینا اور چھپا کر دینا ہر طرح کا عمل موجب ثواب وسعادت ہے۔ اسی طرح دونوں طرح کی تلاوت یعنی بہ آواز بلند اور آہستہ باعث حصول ثواب وبرکت ہے، البتہ یہ عمل موقع ومحل کے لحاظ سے ہونا چاہئے۔ بعض دفعہ بلند آواز سے تلاوت فضیلت رکھتی ہے، جب کہ ایسا کرنے سے اور لوگوں کو ترغیب ہو اور سننے والوں کے دلوں میں اشتیاق تلاوت بیدار ہو اور وہ خود بھی مصروف تلاوت ہو جائیں، ایسی صورت میں بلند آواز سے تلاوت نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث زیادہ ثواب واجر ہوتی ہے۔ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے سے روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، شیطان دور بھاگتا ہے، خوش آوازی کے باعث تلاوت کا حق ادا ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات بلند آوازی سے کہیں زیادہ آہستہ تلاوت کلام مجید افضل ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر پیش نظر رہے کہ بلند آوازی سے اگر ریا پیدا ہونے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کا خیال آنے لگے تو پھر آہستہ پڑھنا فضیلت رکھتا ہے کہ ریا اور دکھاوا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے۔ یونہی بلند آواز سے تلاوت کے سبب اگر کسی اور کی نماز، اذکار یا خود تلاوت میں حرج ہونے کا اندیشہ ہو یا عبادات، یکسوئی میں خلل اندازی ہونے کا خطرہ ہو تو پھر آہستہ تلاوت احسن ہے۔ اس سلسلے میں ابوداؤد شریف میں منقول یہ حدیث شریفہ رہنما اور ہدایت بخش ہے، جس میں آہستہ تلاوت کی وجہ کو نمایاں

فرمایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف کیا تو لوگوں کو آپ نے سنا کہ بلند آوازوں سے قرآن پڑھ رہے ہیں، آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا ''دیکھو ہر شخص اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، لہذا تم لوگ ایک دوسرے کو تکلیف یا ایذا مت دیا کرو اور قرآن کی تلاوت میں یا نماز میں ایک شخص دوسرے شخص پر اپنی آواز بلند نہ کیا کرے''۔[۴]

البتہ یہ بات مخفی نہ رہے کہ اختلاف احکام ان تلاوتوں میں ہے، جن میں جہر یا اخفاء واجب نہ ہو ورنہ نماز ظہر و عصر میں اخفاء اور فجر، مغرب و عشاء میں جہر ہے۔[۵]

حضرت عبداللہ بن ابوقیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ تہجد کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے، آیا آپ آہستہ پڑھتے تھے یا بلند آواز سے پڑھتے تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ ''دونوں طرح پڑھا کرتے تھے کبھی تو آپ آہستہ پڑھتے تھے اور کبھی زور سے (بہ آواز بلند) پڑھتے تھے'' اور میں نے کہا کہ ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس باب میں وسعت دے دی ہے''۔[۶]

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ مشہور تابعی حضرت یعلی بن ملکؒ نے حضرت ام سلمہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے متعلق پوچھا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت اس طرح بتانے لگیں کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہوتا۔[۷]

اس ضمن میں یہ بھی آیا ہے کہ خود ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ قراءت کو قراءت کر کے سمجھایا۔ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ قراءت

فرما رہی تھیں۔[8]

ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کا اعلیٰ ذوق صحابہ کرام اور تابعین کا خاصہ تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بے حد مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا ''مجھے ترتیل سے ایک سورۃ کا تلاوت کرنا بغیر ترتیل کے سارا قرآن پڑھنے سے زیادہ پسند ہے''۔[9] ترتیل کے معنی قرآن شریف کے حروف کو مخارج سے ادا کر کے ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھنا، اس کی جمع ترتیلات آتی ہے۔

---

(۱) ابوداوٗد، کتاب الوتر، باب ۲۰، حدیث نمبر ۱۴۶۵ (۲) رزین (۳،۴) ابوداوٗد، کتاب التطوع، باب ۲۵، حدیث نمبر ۱۳۲۹، ۱۳۲۸ (۵) لمعات (۶،۷) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۲۳، حدیث نمبر ۲۹۲۴، ۲۹۲۳ (۸) ترمذی، کتاب القراءت، باب ۱، حدیث نمبر ۲۹۲۷ (۹) مرآۃ

تلاوت قرآن مجید ضمانت عطا و برکت ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

یقول الرب تبارک و تعالی: من شغله القران عن

ذکری و مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن خوانی نے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ مجھ سے کچھ سوال کرتا ایسے شخص کو میں اور سوال کرنے والوں سے عمدہ اور بڑھ کر دوں گا۔

(بہ روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ)[1]

قرآن پاک کی تلاوت سب سے افضل عمل ہے اس کا اجر وثواب بے حد وشمار اور قاری قرآن کے لئے دارین میں عظیم نعمتیں مختص ہیں اور جو پورے قرآن مجید کی تلاوت کرے اس طرح کہ اول سے آخر تک ختم کرے اور پھر دوبارہ شروع کرے۔ یہ عمل شریف اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حدیث شریف میں واضح فرما دیا گیا کہ کثرت تلاوت کے باعث سوال کرنے یعنی دعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے نعمتوں کو مانگنے کی مہلت وفرصت نہ پانے والے کے لئے بہت عمدہ اجر ہے سب سے بڑی بات یہ کہ خالق کونین ایسے شخص کو بے مانگے اور بغیر طلب ہی کے اتنا نواز دے گا کہ مانگنے والے لوگوں سے کہیں زیادہ اور بڑھ کر ہوگا۔ قرآن مجید کی

تلاوت اوراس پر مداومت یعنی پابندی کے ساتھ تلاوت کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کراور کیا نوید ہوسکتی ہے کہ خود خالق کونین ان کی قراءت کو سماعت فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کسی چیز کو ایسا توجہ سے نہیں سنتا جیسا کہ وہ کسی بندے کی (قراءت والی) دو رکعتیں کو سنتا ہے اور نمازی بندہ کے سر پر نیکی چھڑکی جاتی ہے جب تک کہ وہ اپنے مصلی پر نماز میں رہتا ہے اور بندوں کو اللہ سے کسی چیز کی وجہ سے ایسی قربت نہیں ہوتی جیسا کہ اس کی وجہ سے قربت ہوتی ہے جو اسی خدا سے نکلی ہے۔'' ابونضر کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

(بہ روایت حضرت ابوامامہؓ) [2]

قرآن پاک کے زور سے بآواز بلند اور آہستہ دونوں طرح سے پڑھنے کی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث پاک میں ان دونوں طریقوں کو ایک عمدہ مثال سے واضح فرمایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قرآن کو زور سے پڑھنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ظاہر طور پر خیرات کرتا ہے اور قرآن کو آہستہ پڑھنے والے کی ایک ایسی مثال ہے جیسے کوئی پوشیدہ طور پر خیرات کرتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت عقبہ بن عامرؓ) [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کرلیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام (یعنی احکام قرآن پر عمل کیا) کر کے عمل کیا تو اللہ ایسے شخص کو اس کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے متعلقین میں ایسے دس اشخاص کی نسبت اس کی سفارش سنے گا جو سب کے سب دوزخ کے مستوجب ہو چکے ہوں۔'' (بہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ) [4]

قرآن حکیم کی تلاوت مؤجب نزول رحمت پروردگار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب چند اشخاص اللہ کے گھر میں جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں یا پڑھاتے ہیں تو ضرور اللہ کی رحمت ان پر نازل ہوتی ہے اور رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس رہنے والوں سے ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔''

(بروایت ابو ہریرہؓ)[۵]

اس ارشاد مبارک سے قرآن پڑھنے والوں کی فضیلت اور ان کی خوش مقدری کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں تو تلاوت کی برکت سے ان پر رحمت حق کا نزول ہوتا ہے اور ملائکہ تلاوت کرنے والے کو اپنے حصار رحمت میں لے لیتے ہیں اور ان پر ہر طرح رحمت الٰہی سایہ فگن ہوتی ہے، لیکن سب سے بڑا انعام یہ کہ قرآن پڑھنے والے کا ذکر خود حق تعالیٰ فرماتا ہے یہ کرم خاص ہے۔ وہ خوش نصیب ہیں جو قرآن مجید پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم لوگ اس امر کو پسند کرتے ہو کہ جب اپنے گھر واپس آؤ تو تین بڑے بڑے موٹے اونٹ اپنے گھر پر پاؤ؟''۔ سب نے عرض کی ''جی ہاں''۔ تو آپ نے فرمایا کہ ''پس تین آیتیں جن کو تم اپنی نماز میں پڑھتے ہو وہ ایسے تین بڑے اور فربہ اونٹ سے تمہارے لئے بہتر ہیں''۔ (بروایت حضرت ابو بریرہؓ)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب صفہ سے فرمایا (جن میں راوی حدیث عقبہ بن عامرؓ بھی تھے) کہ ''تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان اور عقیق (مقامات کے نام) جا کر دو اونٹ جس کے کوہان بڑے ہوں بغیر کسی گناہ اور قطع رحم کے لے آئے؟''۔ ہم نے عرض کی (یعنی اصحاب صفہ) ''ہم سب کے سب اس بات کو پسند کرتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا کہ ''کیوں تم لوگ مسجد کی جانب متوجہ نہیں ہوتے تا کہ پڑھاؤ دو آیتیں قرآن شریف کی یا پڑھو کہ یہی اس کے لئے دو اونٹ سے بہتر ہیں اور تین

آیتیں تین اونٹوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹوں سے بہتر ہیں اسی طرح جتنی تعداد آیتیوں کی بڑھتی جائے گی اتنی تعداد کے اونٹوں سے وہ بہتر ہوں گے''۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص قرآن پاک کا ایک حرف پڑھے گا اس کے لئے بھلائی ہے اور ایک نیکی بہ منزلہ دس نیکیوں کے ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ ''الف'' ایک حرف ہے ''ل'' ایک حرف ہے اور ''میم'' ایک حرف ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابن مسعودؓ)[۸]

---

(۱) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۲۵، حدیث نمبر ۲۹۲۶ (۲) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۹۱۱ (۳) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۲۰، حدیث نمبر ۲۹۱۹ (۴) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۱۳، حدیث نمبر ۲۹۰۵ (۵) ابوداوٗد، کتاب الوتر، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۴۵۲ (۶، ۷) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۴۱، حدیث نمبر ۱۸۷۲، ۱۸۷۳ (۸) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۱۶، حدیث نمبر ۲۹۱۰

قرآن پڑھتے جاؤ، بلندی پر چڑھتے جاؤ

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

یقال لصاحب القرآن اقراوارق و رتل کما کنت

ترتل فی الدنیا فان منزلتک عند آخر آیة یقرا بھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’قرآن والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھ اور یوں ہی آہستگی سے تلاوت کر جیسے دنیا میں کرتا تھا آج تیرا ٹھکانہ و مقام وہاں ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے۔‘‘ (بروایت حضر عبداللہ بن عمروؓ)[1]

حضرت ابوسعید بن معلیؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد مین نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلایا میں نے جواب نہ دیا، پھر میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ’’کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کا رسولؐ جب تمہیں بلائیں تو فورا جواب دو؟‘‘۔ پھر حضور انورؐ نے فرمایا کہ ’’کیا میں تمہیں تمہارے مسجد میں جانے سے پہلے قرآن کریم کی عظیم الشان سورۃ نہ بتاؤں۔؟‘‘ پھر حضور علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا۔ جب باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کی عظیم الشان سورۃ بتاؤں گا۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ’’وہ الحمد للہ رب العلمین ہے۔ یہ تو وہ

سات مکرر آیتیں ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئیں۔[2]

حضرت ابوامامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''قرآن پڑھا کرو کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی (بن کر) آئے گا۔ دو چمکدار سورتیں یعنی بقرہ وآل عمران پڑھا کرو یہ دونوں قیامت کے دن یوں آئیں گے جیسے بادل کے ٹکڑے یا سائبان یا صف بستہ چڑیوں کی ٹولیاں ہیں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی سورہ بقرہ پڑھا کرو کہ اس کا لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے جسے جھٹلانے والے جھٹلا نہیں سکتے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوالمنذرؓ سے ارشاد فرمایا کہ ''اے ابوالمنذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کونسی شاندار آیت ہے؟'' انھوں نے عرض کیا ''**الله لا اله الا هو الحى القيوم**'' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھا اور فرمایا ''تمہیں علم مبارک ہو''۔[4]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب جبرئیلؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو حضور اکرمؐ نے اوپر سے آواز سنی تو حضور انورؐ نے سر مبارک اٹھایا حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا یہ آسمان کا وہ دروازہ کھولا گیا ہے جو آج کے سوا کبھی کھولا نہ گیا اس سے ایک فرشتہ اترا، حضرت جبرئیلؑ بولے یہ وہ فرشتہ زمین پر اترا ہے جو آج کے سوا کبھی نہ اترا اس نے سلام کیا پھر بولا۔ ''آپ خوش وخرم ہوں ان دونوروں سے جو آپ کو دیئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی کو نہ دیئے گئے۔ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بقرہ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں جو انھیں رات میں پڑھے تو وہ اسے کافی ہیں۔'' (بروایت حضرت ابومسعود)[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم اس سے عاجز ہو کہ ہر رات تہائی قرآن پڑھ لیا کرو''۔ لوگوں نے عرض کیا کیسے تہائی قرآن پڑھا جا سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ''**قل ھو اللہ احد** تہائی قرآن کے برابر ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[7]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کی امامت نماز کرتا تھا تو ہمیشہ **قل ھو اللہ احد** پر قراءت ختم کرتا تھا۔ جب صحابہ لوٹے تو یہ ماجرا نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے؟'' لوگوں نے ان سے پوچھا تو وہ بولے ''اس لئے کہ رحمٰن کی صفت ہے، مجھے اس کا پڑھنا بڑا پسند ہے''۔ تب نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے خبر دیدو کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے''۔

(بہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ)[8]

ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں اس سورہ قل ہو اللہ احد سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تیری یہ محبت تجھے جنت میں پہنچا دے گی۔'' (بہ روایت حضرت انسؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ آج رات دو آیتیں اتریں ہیں جن کی مثل دیکھی نہ گئیں۔ **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** (بروایت عقبہ بن عامر)[10]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رات جب اپنے بستر (اقدس) پر تشریف لے جاتے تو اپنے ہاتھ جمع کر کے ان میں پھونکتے جن میں **قل ھو اللہ احد**، **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھتے پھر جسم اطہر کے جس حصہ تک ہو سکتا وہ ہاتھ پھیرتے اپنے سر مبارک اور چہرہ انور کے سامنے والے

حصہ سے شروع فرماتے" یہ تین بار کرتے تھے"[12]۔ (بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی۔ پہلی قرآن کریم، دوسری امانت، اور تیسری رحم۔'' (بہ روایت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ)[13]

(۱) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۱۸، حدیث نمبر ۲۹۱۴ (۲) بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب ۹، حدیث نمبر ۵۰۰۶ (۳) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۴۲، حدیث نمبر ۱۸۷۴ (۴) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۴۴، حدیث نمبر ۱۸۸۵ (۵) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۴۳، حدیث نمبر ۱۸۷۷ (۶) بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب ۲۷، حدیث نمبر ۵۰۴۰ (۷) بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب ۱۳، حدیث نمبر ۵۰۱۵ (۸) بخاری، کتاب التوحید، باب ۱، حدیث نمبر ۷۳۷۵ (۹) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۹۰۱/۶ (۱۰) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۴۶، حدیث نمبر ۱۸۹۱ (۱۱) بخاری، کتاب الطب، باب ۳۹، حدیث نمبر ۵۷۴۸ (۱۲) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۲۱، حدیث نمبر ۳۴۰۲ (۱۳) شرح سنہ

روز و شب پانچ نمازیں فرض ہیں

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

خمس صلوات فی الیوم و اللیلة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”دن رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں“۔

(بہ روایت حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں“۔ [2]

رات اور دن یعنی آٹھ پہروں (چوبیس گھنٹوں) کے دوران فرض نمازوں کے متعلق ایک صحابی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ ” اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا......تو سوال کرنے والے صحابی نے قسم کھائی کہ وہ اس میں کوئی زیادتی کریں گے اور نہ اس میں کمی کریں گے (بلا زیادتی و کمی کے پانچوں نمازیں پڑھیں گے) ان کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اگر اس نے (یہ) سچ کہا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا“۔ [3]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں پھر گھٹائی گئیں تا آنکہ پانچ نمازیں قرار پائیں۔ پھر (منجانب اللہ) ندا آئی کہ اے محمدؐ! میرے نزدیک

قول نہیں بدلتا اور تمہارے لئے اس پانچ کا ثواب پچاس کے برابر ہے۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں جب میں یہ فریضہ لے کر لوٹا اور موسیٰ (علیہ السلام) پر گذرا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے (یہ سن کر) کہا کہ اپنے اللہ کے پاس لوٹ جایئے اس لئے کہ آپ کی امت (اس قدر عبادت کی) طاقت نہیں رکھتی۔ تب میں لوٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا پھر میں موسیٰؑ کے پاس واپس لوٹ کر آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی کہا کہ اپنے پروردگار سے رجوع کیجئے کیوں کہ آپ کی امت (اس کی بھی) طاقت نہیں رکھتی۔ پھر میں نے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ اس کا (اور) معاف کر دیا پھر ان کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا تو وہ بولے کہ آپ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جایئے کیوں کہ آپ کی امت (اس کی بھی) طاقت نہیں رکھتی چنانچہ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا (اب) یہ پانچ رکھی جاتی ہیں اور یہ درحقیقت باعتبار ثواب کے پچاس ہیں میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی۔ پھر میں موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا انہوں نے کہا پھر اپنے پروردگار سے رجوع کیجئے۔ میں نے کہا (اب) مجھے پروردگار سے (بار بار کہتے ہوئے) حیا آتی ہے۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[۵]

عبداللہ بن فضالہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تعلیم دی منجملہ تعلیم کے ایک بات یہ بھی تھی کہ پانچوں نمازوں کی حفاظت اور نگہداشت کر (اپنے اوقات پر پڑھا کر) میں نے عرض کیا یہ اوقات تو ایسے ہیں جن میں مجھ کو بہت کام رہتے ہیں (اور فرصت نہیں رہتی) آپ مجھ کو ایک ایسی جامع بات بتلایئے کہ جب میں اس کو کرلوں تو میری طرف سے کافی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا

کہ ’’تو عصرین کی حفاظت کر‘‘ (یعنی اپنے اوقات پر پڑھا کر) ہماری زبان میں یہ لفظ (عصرین رائج) نہ تھا اس لئے میں نہیں سمجھا کہ عصرین سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ’’آفتاب نکلنے سے قبل کی نماز (یعنی صبح اور عصر کی نماز تو ضرور اپنے وقت پر پڑھا کرو‘‘۔[6]

باقی تین وقتوں کی نمازوں میں اگر کسی وقت تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بجائے پانچ نمازوں کے دو ہی نماز پڑھا کرو کیوں کہ فرائض الٰہی ایسے عذرات سے کسی طرح ساقط نہیں ہو سکتے)۔

بچوں کو نمازوں کی ترغیب اور ایک خاص عمر کو پہنچ جانے اور نماز نہ پڑھنے کے ضمن میں ان کی تادیب کا حکم اس طرح ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کی ہو جائے (اور نماز نہ پڑھے) تو ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کا بچھونا الگ کر دو‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرو بن عاصؓ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے (یعنی بچوں کو نماز پڑھنے کے لئے کب حکم دیا جائے) متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ’’جب ان کو دائیں بائیں کی تمیز پیدا ہو جائے تب ان کو نماز کا حکم دو‘‘۔[8]

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد مبارکہ سے ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’تم استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز (تمام نیک کاموں کو) شمار نہ کر سکو گے اور یہ سمجھو کہ تمہارے سب کاموں میں اچھا کام نماز ہے اور مسلمان شخص ہی ہمیشہ وضو کی محافظت اور نگہداشت کرتا ہے (یعنی کامل

مسلمان ہمیشہ باوضو رہتا ہے)۔[9]

حضرت ثوبانؓ سے معدان بن ابوطلحہ نے عرض کیا ''آپ مجھے ایک ایسا کام بتلا دیجئے جو میں کروں اور وہ کام مجھے جنت میں داخل کرے'' یہ سن کر وہ چپ ہو رہے۔ معدان نے تین مرتبہ ان سے یہ بات پوچھی تو انہوں نے کہا میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی بات پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ ''تم کثرت سے سجدے کیا کرو (یعنی بکثرت نماز پڑھا کرو) جب تم ایک سجدہ اللہ کے لئے کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے تمہارا ایک درجہ بڑھا دے گا اور اس کی وجہ سے تمہارا ایک گناہ معاف کردے گا''۔ معدانؒ نے حضرت ابوالدرداؓ سے یہی پوچھا تو انھوں نے (بھی) ویسے ہی بیان کیا جیسا کہ حضرت ثوبانؓ نے بیان کیا تھا۔[10]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳۴، حدیث نمبر ۴۶ (۲) سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۴۵۸ (۳) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱، حدیث نمبر ۱۸۹۱ (۴) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۴۵/۴۵ حدیث نمبر ۲۱۳ (۵) بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ۴۲، حدیث نمبر ۳۸۸۷ (۶) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۹، حدیث نمبر ۴۲۳ (۷-۸) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۶، حدیث نمبر ۴۹۱، ۴۹۳ (۹) موطا امام مالکؒ (۱۰) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۴۳، حدیث نمبر ۱۰۹۳

نمازیں گناہوں کو مٹاتی ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة و رمضان

الی رمضان مکفرات ما بینهن اذا اجتنب الکبائر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہوں کا اتار (مٹانے والی) ہیں۔ جب تک کبیرہ گناہ ظاہر نہ ہوں۔ (یعنی جبکہ کبائر گناہ سے بچا رہے)‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

نماز اسلام کا رکن اعظم اور جملہ عبادات میں عبادت عظیمہ ہے۔ گویا اسی پر اسلام کا انحصار ہے۔ جہاں قرآن مجید میں بار بار اس فریضہ کی ادائیگی کی تاکید، اسے قائم رکھنے کے احکام، نماز کے فضائل و برکات، اس کا اجر و ثواب اور اس فریضہ کو ترک کرنے پر وعید اور تارکینِ نماز کے لئے عذاب عظیم کا ذکر آیا ہے۔ وہیں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز کی تاکید، اس کی اہمیت و فضیلت اور نماز قائم رکھنے والے مسلمانوں کی تعریف و محامد بیان ہوئے ہیں۔ اس ارشاد مبارکہ میں نماز کے فیضان سے متعلق اہم پہلوؤں کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ یعنی رات اور دن آٹھ پہر میں فرض پانچ نمازیں جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے

رمضان تک اس کی ادائیگی اور قیام درحقیقت اس درمیان یعنی روز کے، ہفتہ بھر اور سال تمام سرزد ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہوان سے بچا رہے۔اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکیاں صرف صغیرہ گناہوں کو دور کرتی ہیں اور کبیرہ گناہ توبہ سے محو ہوتے ہیں اور ساری نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی اطاعت حق تعالیٰ ہے جو پانچ وقت کی نماز کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

نماز پنجوقتہ روزانہ کے صغیرہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔اس ضمن میں ایک نہایت اعلیٰ ومؤثر مثال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضیلت نماز کو واضح فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز ہی سب سے زیادہ عزیز ومحبوب تھی۔نماز کی ادائیگی میں آپ بے حد مسرت وفرحت محسوس فرمایا کرتے تھے۔اپنی امت کے لئے بھی آپ اس عبادت کو بے حد پسند فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔ [۲]

اس حقیقت پر دال ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تمام عبادتوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کی اس پسندیدہ عبادت میں مشغول ومنہمک دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔نماز کی عظمت کا احساس، اہل ایمان کو اس کے قائم رکھنے کا سبب ہے۔نماز سے زیادہ افضل، کامل ترین اور جامع طریقہ کی عبادت کوئی اور نہیں۔نماز ساری عبادتوں اور اعمال خیر سے بہتر اور افضل ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ [۳]! اللہ کو کون سا عمل زیادہ پیارا ہے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ''وقت پر نماز (کی ادائیگی)''۔پھر انھوں نے پوچھا پھر کونسا عمل؟ تو حضور نے فرمایا ''ماں باپ سے بھلائی''۔انھوں نے اس

کے بعد پوچھا پھر کونسا یارسول اللہؐ! تو ارشاد فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد‘‘۔[3]

اس فرمان سے معلوم ہوا کہ نماز کا رتبہ ماں باپ سے حسن سلوک اور جہاد سے بھی زیادہ ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے (موسم سرما میں جبکہ پت جھڑ رہے تھے) ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ لیں (جس کے سبب پتے جھڑنے لگے) فرمایا کہ ’’اے ابوذرؓ! جب مسلمان بندہ اللہ کی رضا کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے پتے اس درخت سے جھڑ گئے‘‘۔[4]

نماز پنجگانہ کی بہ پابندی ادائیگی کے فیوض و برکات سے مسلمان مستحق بہشت اور عذاب جہنم سے مامون ہو جاتا ہے۔اور نمازی جہاں نماز پڑھتا ہے وہ حصہ زمین خود پر ناز کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جس زمین پر نماز پڑھی جاتی ہے وہ زمین کا ٹکڑا اپنی چاروں طرف والی زمین کے سامنے فخر کرتا ہے اور بہت خوش ہو کر اس نعمت کا اظہار کرتا ہے پھر اسی طرح زمین کا یہ ٹکڑا (جہاں نماز پڑھی گئی ہے) یہاں سے لے کر ساتویں زمین تک اپنی پاس والی زمین پر فخر کرتا چلا جاتا ہے اور زمین سے لے کر تحت الثریٰ تک یہ ٹکڑا معزز اور مکرم ہو جاتا ہے‘‘۔[5]

نماز ایک ایسی پسندیدہ عبادت ہے کہ جس سے کسی نبی کی شریعت خالی نہیں۔حضرت آدم علیہ السلام سے حضور خاتم النبین رحمتہ للعلمین آقائے دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام رسولوں کی امتوں پر نماز فرض تھی اور ہے۔ یہ وہ عبادت ہے جس میں بندہ کا بندہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس عبادت میں بندہ اپنے اعضاء جوارح سے یعنی ہاتھ پیر سے زبان سے کلمات سے قیام و رکوع و سجود سے، عجز و انکسار سے، خشوع و خضوع، تکبیرات و قعدہ سے یعنی نماز میں ہر ایک رکن و شرط سے بندہ اپنے خالق و رب العزت کی

اطاعت، تسلیم ادب وتعظیم اوراس کی بزرگی و کبریائی کا اقرار اور اپنی عبدیت عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے۔نماز تنہا پڑھی جائے (مثلاً سنت ونوافل) یا با جماعت (جیسے فرض نمازیں) اس میں اس قدر کامل اور مہتمم بالشان انداز سے اظہار بندگی ہوتا ہے کہ بندہ بندہ معلوم ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور بار بار اس کی تاکید فرمائی گئی۔اور قیامت میں بھی تمام اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔

---

(۱) مسلم، کتاب الطہارۃ، باب ۵، حدیث نمبر ۵۵۲ (۲) نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب ۱، حدیث نمبر ۳۹۵۰ (۳) بخاری، کتاب الجھادوالسیر ،باب ۱،حدیث نمبر ۲۷۸۲ (۴) احمد (۵) کنز العمال

نماز کا اس کے اول وقت پڑھنا افضل ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

خمس صلوات افترضهن الله تعالیٰ من احسن وضوء هن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وخشوعهن کان له علی الله عهد ان یغفرله ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد ان شآء غفرله وان شآء عذبه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''پانچ نمازوں کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے جو ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے انہیں وقت پر پڑھے اور ان کے اندر رکوع وخشوع اچھی طرح کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ ہے کہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں ہے لہذا چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے عذاب دے''۔ (بہ روایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) [1]

تمام اعمال وعبادات میں نماز پنجگانہ کی فضیلت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''نماز کا اس کے اول وقت میں پڑھنا''۔ (بہ روایت حضرت ام فروہؓ) [2]

نماز اور دیگر فرائض مثلاً رمضان مبارک کے فرض روزے اور فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی بہترین جزا ہے

یعنی جنت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینہ (رمضان المبارک) کے روزے رکھو اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اپنے حکم والے کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ (بہ روایت ابوامامہ)[۳]

ہر مکلّف یعنی عاقل و بالغ پر نماز فرض عین ہے۔ نابالغ بچوں کو نماز سکھانے اور نماز پڑھنے کا عادی بنانا چاہیئے۔ نماز کی ترغیب کے ضمن میں سات سال کی عمر سے کم والے بچوں کو بھی شامل سمجھا جائے البتہ حدیث شریف میں سات سال کی عمر والے بچوں کو نماز کا حکم دینے کا فرمان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے''۔

(بروایت حضرت جابرؓ)[۴]

یعنی بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز کی دیوار حائل ہے جو اس تک کفر کو نہیں پہنچنے دیتی جب یہ آڑ ہٹ گئی تو کفر کا اس تک پہنچنا آسان ہو گیا ممکن ہے کہ آئندہ یہ شخص کفر بھی کر بیٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ وہ عمل ارشاد ہو کہ جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''...اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رمضان مبارک کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو''۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے عرض کی ''یا رسول اللہؐ! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب چیز کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وقت میں نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی دین نہیں نماز دین کا ستون ہے''۔ (بروایت حضرت عمرؓ)[۶]

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص اپنے گھر میں غسل، طہارت و وضو کر کے فرض ادا کرنے کے لئے مسجد کو جاتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ محو ہوتا ہے دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۷]

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو دو رکعت نماز پڑھے اور ان میں سہو نہ کرے تو جو کچھ پیشتر اس کے گناہ (یعنی صغائر) ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے''۔[۸]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور یہ بگڑی تو سب بگڑے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۹]

محبوب حق تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی یہ حالت سب سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ اسے سجدہ کرتے دیکھے کہ منہ خاک پر رگڑ رہا ہے''۔[۱۰]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ پاک اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ معاف فرماتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ذرؓ)[۱۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر شئے کے لئے ایک علامت ہوتی ہے ایمان کی علامت نماز ہے''۔[۱۲]

(۱،۲) ابوداؤد کتاب الصلاۃ، باب ۹، حدیث نمبر ۴۲۱، ۴۲۲ (۳) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۳۱۶/۸۰، حدیث نمبر ۶۱۶ (۴) مسلم، کتاب الایمان، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۴۷ (۵) ترمذی، کتاب الایمان، باب ۸، حدیث نمبر ۲۶۱۶ (۶) بیہقی (۷) مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب ۵۱، حدیث نمبر ۱۵۲۱ (۸) مشکوٰۃ (۹) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۱۸۹/۱۸۸، حدیث نمبر ۴۱۳ (۱۰) طبرانی اوسط (۱۱) احمد (۱۲) منیۃ المصلی

اللہ تعالیٰ پانچ نمازوں کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

ارأیتم لو ان نھرا بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا ما تقول :ذلک یبقی من درنه قالوا لا یبقی من درنه شیئا، قال: فذلک مثل الصلوات الخمس، یمحو اللہ به الخطایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو کہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ نہائے تو کیا کچھ میل رہے گا۔لوگوں نے عرض کی بالکل میل نہ رہے گا فرمایا یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ ان کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے''۔(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اسلام کے ارکان خمسہ میں نماز رکن اعظم ہے۔ یہ وہ عبادت ہے جو ہر نبی کی شریعت میں موجود نظر آتی ہے اور تمام امتوں پر کیفیات وتجلیات کے فرق کے ساتھ فرض تھی۔نماز کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں کہ اسلام کا دارومدار اسی عبادت عظمیٰ پر ہے۔حیات انسانی کا اصل مدعا اور غرض وغایت عبادت الٰہی ہے اور مقصد زندگی اطاعت ومحبت خالق کونین ہے۔

انسان جب بھی اپنی پیدائش اور زندگی کے مدعا ومقصد پر یکسوئی کے ساتھ غور وفکر کرتا ہے تو اسے یہی احساس وعرفان ہوتا ہے کہ اپنے رب کی محبت اور بندگی ہی سب کچھ ہے۔کائنات کی ہر شے، زمین کا ہر ذرہ،

درختوں کا ہر پتہ، سمندروں کا ہر قطرہ، آسمان کا ہر تارہ، فضاء کا ہر نظارہ، ہر ذی روح، حیوان، نبات و جماد، ثابت وسیار ہر ایک خدائے قدوس کی یاد اور ذکر میں مصروف و منہمک ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر انسان پر بحیثیت اشرف المخلوقات یاد الٰہی کی زیادہ ذمہ داری ہے اور ان میں بھی جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اور وابستگان اسلام ہیں، ان پر تو یاد حق تعالیٰ فرض عین ہے۔ ذکر و فکر، تحمید و تمجید، تسبیح و تکبیر کا سب سے جامع اور بہترین طریقہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی ہے جس کے ذریعہ یاد و بندگی، ذکر و عبادت کے تمام طریقوں کی ایک ساتھ تکمیل ہو جاتی ہے۔ نماز میں یاد الٰہی، فکر آخرت، ذکر خدا، حمد باری، خالق کی شان، برتری، اقرار پاکی اور مولی تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف اپنے عجز و بندگی، فروتنی و خاکساری، عبدیت و مجبوری کا ہر طرح اظہار ہے ۔نماز انعامات الٰہیہ کی شکر گزاری کا ذریعہ ہے، نماز کے ذریعہ بندہ اپنے فرض کی ادائیگی اور شرک سے براءت کا اعلان کرتا ہے۔

''صلوٰۃ'' عربی لفظ ہے جس کا ترجمہ فارسی زبان میں ''نماز'' ہوتا ہے۔ اس کے لغوی معنی دعا، تعظیم، آگ جلانا، آگ میں جلنا اور آگ سے سینک کر ٹیڑھی چیز (لوہا، لکڑی وغیرہ) کو سیدھی کرنا نکلتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے ''خاص ترکیب والی عبادت'' مراد ہے۔ لغوی اور شرعی معنوں کی مناسبت کا پورا احساس نماز کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اپنے لئے دعاء، عشق الٰہی کی آگ تیز کرنا اور اس عبادت کے ذریعہ لوگوں کے قلوب میں محبت الٰہی کی آتش بھڑکانا، نماز پڑھنے والوں کے گناہوں کا جل جانا اور نماز کی پابندی کے ذریعہ کج روی، نامناسب اعمال، ٹیڑھے اور رذیل اخلاق کا سیدھا اور قابل رشک حد تک نظر نواز ہو جانا وغیرہ۔ نماز پڑھنے کے لئے خاص طریقہ مقرر ہے جو انسان میں صفات ملکوتی کو نمایاں کرتا ہے۔ نماز اپنی ہیئت کے لحاظ سے وہ منفرد اور خاص عبادت ہے جس کی تعریف و تشریح خود اس عبادت سے

ہو جاتی ہے۔ دیکھنے والوں کو سمجھانے کی ضرورت نہیں، بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو کوئی بھی محض بادی النظر میں سمجھ جاتا ہے کہ عبد اپنے معبود کی یاد وعبادت میں مشغول ہے، یہ نماز کا اعجاز ہے۔

نماز تمام مسلمانوں پر دن بھر میں پانچ مخصوص ومتعین وقتوں میں فرض ہے، اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ تمام مسلم فرقے اس بارے میں اتفاق رکھتے ہیں۔ ہر عاقل و بالغ مرد وعورت مسلمان پر بلا تخصیص سفر وقیام، صحت وعلالت، امارت وغربت، راعی ورعایا، عالم وعامی محتاج وغنی سبھی پر فرض ہے۔ نماز ہر حال میں ادا ہوگی سکون واضطراب، راحت وغم، امن وجنگ کسی بھی حالت میں فرضیت کا سقوط نہیں۔ نماز پنجگانہ امت مسلمہ کی خصوصیت ہے، دیگر امم پر الگ الگ انداز سے اس کی ادائیگی لازم تھی کسی پر دو وقت، کسی پر ایک وقت، کسی کے لئے فجر، کسی کے لئے ظہر اور کسی پر عصر کی حد تک فرض تھی لیکن خیر الامم کو نماز پنجگانہ کے اعزاز سے نوازا گیا۔ اسلام نے نماز پڑھنے کا جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ تمام مذاہب عالم کے عبادت کے طریقوں سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ اس عبادت کے ذریعہ مسلمانوں کی شناخت اور امتیاز قائم ہے۔

نماز وہ فریضۂ خاص ہے جو خالق کونین نے خود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج کے موقع پر بلا کر عطا کیا۔ نماز کفر واسلام میں فرق وتمیز کا ذریعہ ہے۔ عمداً فرض نماز کا تارک کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ مشکلات ومسائل کے حل کے لئے صبر ونماز سے استعانت کا حکم ملتا ہے۔ یہ رحمت الٰہی کے نزول میں مددگار ہے۔ نماز ہر موقع کے لئے ہے۔ نماز پنجگانہ روزانہ، ہفتہ میں ایک بار جمعہ، سال میں دو بار عیدیں، امساک باراں سے نجات کے لئے صلوٰۃ استسقاء، سورج گہن و چاند گہن کے موقع پر کسوف وخسوف، میت کے لئے نماز جنازہ، بدامنی و پریشانی میں صلوٰۃ خوف، سال بھر میں ایک مہینہ رمضان مبارک میں نماز تراویح اور اس کے علاوہ بغیر تعین ووقت ومقام (اوقات مکروہ کے سواء) نفل نمازیں ظاہر کرتی ہیں کہ مسلمان کا نماز کے ساتھ کتنا

گہرا رشتہ وتعلق ہے۔ یہ عبادت عبد کو معبود سے قریب کرتی ہے، تہجد کی نماز کا کیف روحانی سب سے منفرد ہوتا ہے۔ ہر موقع ومحل پر، انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلمانوں کا اہتمام نماز انھیں ایک خاص شناخت بندگی سے آراستہ کرتا ہے۔

''اللہ تعالیٰ تمام عالموں سے بے نیاز ہے''۔ جو شخص عبادات یا نماز کے لئے مشقت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنی ذات، دنیا وآخرت کی بھلائی کے لئے محنت کرتا ہے، کیونکہ نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے۔ نماز کے ذریعہ بندہ اپنے معبود کا قرب حاصل کرتا ہے۔ نماز گناہ ومعصیت سے بچاتی ہے، نماز انسان کو پاک وصاف رکھتی ہے اس کے باطنی آلائشوں کا خاتمہ کرتی ہے اور ظاہر کو سنوارتی ہے۔ نماز صحت وتندرستی کی ضمانت ہے، پاکیزگی وطہارت قائم رکھتی ہے، نماز اخلاقی برتری کی محافظ ہے، نماز شرافت نفس کی نگراں، عزت مسلم کو بڑھاتی ہے۔ نماز دنیا کی بھلائی کا سبب ہے، نماز آخرت میں مغفرت ونجات کا راستہ بتاتی ہے۔ نماز ملت اسلامیہ کے وقار کا سبب اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی مظہر ہے۔ نماز عبادت ہے، نماز ذکر ہے، نماز تسبیح ہے، نماز تحمید ہے، نماز اعضاء وجوارح کی حفاظت کرتی ہے، نماز زبان کو پاک اور فکر کو پاکیزہ کرتی ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب ۶، حدیث نمبر ۵۲۸

نماز باجماعت ستائیس درجہ افضل ہے

قال رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم

صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ (ثواب میں زیادہ) افضل ہے''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ)[1]

عبادت عظمٰی نماز کی ادائیگی سعادت عبدیت ہے۔ نماز ہر مسلمان مرد، عورت، عاقل اور بالغ پر رات اور دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ ان کا مقررہ وقت کے اندر پڑھنا لازم ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی رہے نماز پنجگانہ میں کسی بھی نماز کا وقت شروع ہوتے ہی اس پر اس وقت کی نماز فرض ہو جاتی ہے۔ تنہا پڑھ لے تو فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر باجماعت ادا کرے تو اس کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس حدیث شریف سے باجماعت نماز کا ثواب ستائیس درجہ زیادہ ہو جانا معلوم ہو گیا۔ اسی طرح اور ارشادات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انفرادی طور پر پڑھی جانے والی نماز سے باجماعت ادا کی جانے والی نماز بہر حال افضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کسی شخص کی نماز جماعت کے ساتھ اس کے گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا بڑھ جاتی ہے اور یہ اس درجہ سے کہ جب وہ شخص وضو کرتا ہے تو اچھی طرح وضو

کرتا ہے پھر مسجد کی طرف جاتا ہے اور نماز ہی اس کے باہر نکالنے کا باعث ہوتی ہے تو جو قدم وہ اٹھاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو ہمیشہ فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں جب تک وہ اپنی جائے نماز پر رہتا ہے (فرشتے کہتے ہیں یا اللہ اس پر رحمت بھیج یا اللہ اس پر رحم کر) اور تم میں ہر شخص اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا رہے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۲]

اس ارشاد پاک سے عیاں ہوا کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ یعنی نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی فضیلت کا یہ حال ہے کہ منتظر نماز کو ''نماز ہی میں رہنے والا'' فرمایا گیا۔ اس مفہوم کی متعدد احادیث مبارکہ آئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سب لوگوں میں بڑھ کر نماز کا ثواب پانے والا وہ شخص ہے جو دور سے چل کر آئے پھر وہ شخص جو اس سے بھی زیادہ دور سے چل کر آئے (یعنی مسجد گھر سے دور ہو لہٰذا جتنی دور ہوگی اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا) اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے تا کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب بہ نسبت اس شخص کے بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ (بروایت حضرت ابو موسیٰؓ) [۳]

جماعت سے نماز کی ادائیگی کے فضائل سے متعلق یہ حدیث شریف اجر عظیم کی نوید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا کہ وہ شخص آدھی رات تک نماز پڑھتا رہا اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا کہ وہ شخص رات بھر نماز پڑھتا رہا''۔ (بہ روایت حضرت عثمانؓ) [۴]

اس حدیث شریف سے نماز عشاء اور نماز فجر کی با جماعت ادائی کا فیضان اثر معلوم ہوا کہ ان نمازوں کی

باجماعت ادائیگی رات بھر نماز پڑھنے کے اجر و ثواب کا مستحق بنا دیتی ہے۔

نماز کے لئے چل کر آنا بڑا کار ثواب ہے۔ حضرت ابن ابی کعبؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص تھا میں نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ مسجد سے دور کسی اور کا مکان ہوگا۔ (یعنی وہ مسجد سے بہت دور رہتا تھا) اور کبھی کوئی نماز اس کی نہیں جاتی تھی۔ (یعنی باوجود مکان کے دور ہونے کے وہ نماز میں حاضر رہتا تھا) تو اس شخص سے کہا گیا کہ کاش تم ایک گدھا خرید لو اور اندھیری رات اور سخت دھوپ میں اس پر سوار ہو کر نماز کے لئے آیا کرو تو اس شخص نے کہا کہ مجھے اس کی خوشی نہیں ہے کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مسجد میں میرا چل کر آنا اور پھر گھر کو واپس جانا ہوتا کہ یہ سب قدم میرے لکھے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے یہ سب جمع کر رکھا ہے (تم کو قدم قدم کا ثواب ملے گا)''۔[5]

جماعت کا وجوب بھی رحمت الٰہی ہے۔ اس ضمن میں بڑی تاکید آئی ہے کہ بہر حال باجماعت نماز ادا کر کے واجب کی تکمیل ہر نمازی پر لازمی ہے، یہاں تک کہ عذر والوں کو بھی اس کا پابند فرمایا گیا ہے۔

ایک نابینا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسولؐ اللہ! میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مسجد تک میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے لے جائے اور اس نے رسول اللہؐ سے اس بات کی درخواست کی کہ آپ ان کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ نے ان کو اجازت دی، پھر جب وہ شخص واپس چلے تو آپ نے ان کو بلوایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ ''کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی کہ جی ہاں (سنتا ہوں) تو آپ نے فرمایا ''پھر قبول کرو''۔ (یعنی موذن جو نماز کے لئے بلاتا ہے اس کو قبول کرو اور مسجد میں آیا کرو)۔[6]

اس ارشاد مبارک سے مسجد میں باجماعت نماز کی بے پناہ اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ صحت مند اور بھلا چنگا

تو در کنار اگر کوئی نابینا بھی ہو اور اپنے گھر میں اذان کی آواز سنتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اذان سننے کے بعد گھر میں نماز پڑھنے کے بجائے مسجد آیا کرے۔ البتہ خاص صورتوں میں رخصت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص موذن کی آواز سنے اور اس کی اتباع (موذن کی اتباع یہ ہے کہ جب وہ نماز کے لئے بلائے تو ضرور جانا چاہیئے ہاں اگر کوئی عذر مانع ہو تو مجبوری ہے)، (اتباع موذن یعنی مسجد میں آنے کے لئے) سے اس کو کوئی عذر مانع نہ ہو تو اس کی وہ نماز قبول نہ ہوگی جو اس نے (گھر میں) پڑھی''۔ عرض کیا گیا عذر سے کیا مراد ہے؟ تو حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''کچھ خوف ہو یا کوئی مرض ہو''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[7]

(۱۔۲) بخاری، کتاب الآذان، باب ۳۰، حدیث نمبر ۶۴۵، ۶۴۷ (۳) بخاری، کتاب الآذان، باب ۳۱، حدیث نمبر ۶۵۱ (۴) مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب ۴۶، حدیث نمبر ۱۴۹۱ (۵) مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب ۵۰، حدیث نمبر ۱۵۱۴ (۶) مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب ۴۳، حدیث نمبر ۱۴۸۶ (۷) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۴۶، حدیث نمبر ۵۴۷

اپنی صفوں کو برابر (سیدھی) کرو

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آله و سلم

سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلاة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی صفوں کو برابر (سیدھی) کرو کیوں کہ صفوں کو برابر کرنا نماز قائم کرنے سے ہے''۔ (بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ) [1]

ایک اور روایت میں ''من تمام الصلوٰۃ'' ''نماز پوری کرنے سے ہے'' کے الفاظ آئے ہیں۔ [2]

نماز تمام عبادتوں میں افضل ترین عبادت ہے۔ اس عبادت کی بالکل صحیح ادائیگی اور باجماعت نماز کے کامل درست ہونے سے یقیناً صفوں کا سیدھا برابر ہونا، نماز پڑھنے والوں کا ایک دوسرے سے متصل بلا فصل کاندھے سے کاندھا جوڑے قیام کرنا بھی داخل ہے جہاں باجماعت نماز ادا کرنے کے حکم دیا گیا ہے، وہیں جماعت کی صف بندی کا بھی پورے طور پر التزام کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز میں صفیں سیدھی رکھا کرو کیوں کہ عمدہ صف بندی سے نماز اچھی معلوم ہوتی ہے''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) [3]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لوگوں! نماز کی صفوں کو (سیدھی) قائم کرو اور اپنے

مونڈھوں کے درمیان برابری کرو اور صف کی درمیانی کھلی ہوئی جگہوں کو بند کردو اور شیطان کے گھسنے کو راستہ مت دو (یادرکھو) جوشخص صف کو ملائے گا اس کو اللہ تعالیٰ (مقصود سے) ملائے گا۔ اور جوشخص صف میں رخنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ (مقصود سے) دور ہٹائے گا''۔[۴]

نماز کی صفوں کو درست رکھنے کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ ان میں فاصلہ یا بے ترتیبی نہیں ہونی چاہیے جس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت سے جس وحدت کی ضرورت ہے اس کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک تاکید و ہدایت ہے کہ صف سیدھی ہو دیکھنے والے کو ان میں بالکل مساوات اور برابری نظر آئے اور وہ سمجھے کہ اللہ کے عبادت گزار بندوں کی جماعت گوفرداً فرداً تو الگ الگ اجسام رکھتی ہے مگر دینی وملی صورت وحیثیت میں ایک ہی وجود کا حکم رکھتی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفیں درست (سیدھی) کرتے تھے یہاں تک کہ گویا ان سے تیر سیدھے لئے جائیں گے حتیٰ کہ آپ نے خیال فرمالیا کہ اب ہم آپ سے سیکھ چکے پھر ایک دن تشریف لائے تو کھڑے ہوئے حتیٰ کہ تکبیر کہنے والے ہی تھے کہ ایک شخص کو صف (سے) سینہ نکالے دیکھا تو فرمایا کہ ''اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری ذاتوں میں اختلاف ڈال دے گا''۔[۵]

سیدھی صف بندی یعنی کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب نمازی اس طرح باہم مل کر کھڑے ہوں تو ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کرسکیں گے، ایک کے سینے کی بجلی دوسرے کے سینے میں اثر کرے گی اور یہ ظاہر ہے کہ بجلی کی رو کے لئے قرب اور اتصال کی ضرورت ہے☆ اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ وہ تمیز جس میں خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسان میں آپس

میں ایک دوسرے سے اثر قبول کرنے اور اثر قبول کروانے کی قوت موجود ہے☆ چوں کہ ہر ایک انسان کے ہر ایک فعل میں اثر ہوتا ہے اس لئے حکم دیا کہ اپنی صفوں کو برابر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کجی صف کا اثر تم میں مخالفت کے رنگ میں ظاہر ہو جائے اور یہی وہ راز ہے کہ جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

نمازیوں کو جماعت کی صف میں بہر حال یہ خیال رکھنا چاہئے کہ صفوں میں کہیں بے ترتیبی نہ ہو جائے اور کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے۔ (حمایۃ الصلوٰۃ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نماز کی تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرہ انور سے ہم پر توجہ فرمائی۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ "اپنی صفیں سیدھی کرو اور مل کر کھڑے ہو، میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں"۔ [۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "صفیں پوری کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنی پشت سے دیکھتا ہوں"۔ [۷]

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے (باجماعت نماز میں صف کو سیدھی فرمانے کے لئے) ہمارے کندھے پکڑتے اور فرماتے تھے کہ "سیدھے رہو الگ الگ نہ رہو، ورنہ تمہارے دل الگ ہو جائیں گے اور تم میں عاقل و بالغ میرے قریب رہا کرو، پھر وہ جوان سے قریب ہوں، پھر وہ جوان سے قریب ہوں"۔ حضرت ابو مسعودؓ نے اس کے بعد کہا کہ "اس لئے آج تم میں بہت اختلاف ہے"۔ [۸]

حضرت ابو مسعودؓ نے گویا صاف اشارہ فرمایا ہے کہ (جب سے) تم لوگوں نے صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام چھوڑ دیا (ہے اس وقت سے) تم میں آپس کے جھگڑے اور اختلافات پیدا ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "علم و عقل والے مجھ سے قریب رہا کریں، پھر جوان

سے قریب ہوں'' تین بار فرمایا ''اور تم بازاروں کے شور اور پکار سے الگ رہو''۔ (بہ روایت حضرت ابن مسعودؓ)[9]

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ میں کچھ (کو) پیچھے رہتا دیکھا تو ارشاد فرمایا ''آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں''۔[10]

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو ہمیں حلقہ حلقہ دیکھا تو فرمایا ''کیا (بات) ہے میں تمہیں متفرق دیکھتا ہوں''۔ پھر ہم پر تشریف لائے تو فرمایا کہ ''ایسی صفیں کیوں نہیں بناتے جیسے فرشتے اپنے رب کے نزدیک بناتے ہیں''۔ ہم نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! فرشتے رب کے نزدیک کیسی صفیں بناتے ہیں''۔ تو حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں''۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگلی صف پوری کرو، پھر اس کے بعد والی تو جو کمی ہو وہ پچھلی صف میں ہو''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''....اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو اگلی صفوں سے ملتے ہیں''۔ (بہ روایت حضرت براء بن عازبؓ)[13]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم داہنی جانب فرماتے کہ ''درست رہو صفیں سیدھی کرو'' اور بائیں طرف فرماتے کہ ''درست رہو صفیں سیدھی کرو''۔[14]

---

(۱) بخاری، کتاب الآذان، باب ۴۷، حدیث نمبر ۲۲۳ (۲،۳) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۸، حدیث نمبر ۹۷۵، ۹۷۷ (۴) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۹۳، حدیث نمبر ۶۶۲ (۵) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۸، حدیث نمبر ۹۷۹ (۶) بخاری، کتاب الآذان، باب ۷۲، حدیث نمبر ۷۱۹ (۷) بخاری، کتاب الآذان، باب ۷۱، حدیث نمبر ۷۱۸ (۸-۱۰) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۸، حدیث نمبر ۹۷۲، ۹۷۴، ۹۸۲ (۱۱) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۷، حدیث نمبر ۹۶۸ (۱۲، ۱۳، ۱۴) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۹۳، حدیث نمبر ۶۶۷، ۶۶۰، ۶۶۶ / مشکوٰۃ

اذان دینے کا ثواب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

من اذن سبع سنین محتسبا کتبت لہ براء ۃ من النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص سات برس بہ امید ثواب اذان دے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لئے دوزخ سے براءت تجویز فرماتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے اذان کی فضیلت اور مؤذن کو دیئے جانے والے انعام یعنی دوزخ سے چھٹکارے کی حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ محض ثواب کی نیت سے سات سال اذان دینے والا اللہ تعالیٰ کے کرم سے جہنم سے براءت حاصل کرلیتا ہے۔ اذان دینے اور نماز میں صف اول میں شریک ہونے کی یکساں فضیلت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر لوگوں کو معلوم ہوتا جو اذان دینے اور پہلی صف (میں شریک ہونے) کی (فضیلت اور ثواب) ہے اور پھر بغیر قرعہ ڈالے ہوئے ان کو اس (اذان دینے اور صف اول میں شریک ہونے) کا موقع نہ ملتا تو ضرور لوگ قرعہ ڈالتے (اور جس کا نام قرعہ نکلتا وہی اذان دیتا یا صف اول میں شریک ہوتا)''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[2]

اذان کی آواز اہل ایمان اور اہل سعادت کے لئے نہایت پسندیدہ ومحبوب ہوتی ہے اور شیطان کے لئے نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''شیطان جب نماز کیلئے اذان کی آواز سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ مقام روحا (روحا مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے) تک پہنچ جاتا ہے''۔ [۳]

اذان کے کلمات پر یقین کامل اور زبان سے ان کی ادائیگی پروانہ جنت کی عطائی کا سبب بن جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے تو (حضرت) بلالؓ کھڑے ہوکر اذان دینے لگے۔ پھر جب وہ چپ ہوئے (یعنی اذان سے فارغ ہوئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص دل سے یقین کر کے ایسا کہے (جیسا کہ حضرت بلال نے اذان میں کہا ہے) تو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ [۴]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم اذان سنو تو ویسے ہی کہو جیسا کہ مؤ دن کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو اس لئے کہ وسیلہ جنت میں ایک جگہ (درجہ) ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں تو جو میرے لئے وسیلہ مانگے اس پر میری شفاعت لازم ہے''۔

(بہ روایت حضرت عمرو بن العاصؓ) [۵]

ذوالمرات میں مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالے سے تشریح ملتی ہے کہ ''وسیلہ سبب اور توسل کو کہتے ہیں چوں کہ اس جگہ پہنچنا (جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے) رب سے قرب خصوصی کا سبب ہے اس لئے وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ ''میں امید کرتا ہوں'' تواضع اور انکساری کے لئے ہے ورنہ وہ

جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نامزد ہو چکی ہے۔ ذوالمرات میں آگے لکھا ہے کہ ''ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وسیلہ کی دعاء کرنا ایسا ہی ہے جیسے فقیر امیر کے دروازے پر صدا لگاتے وقت اس کی جان و مال کی دعائیں دیتا ہے تاکہ بھیک ملے۔ ہم بھکاری ہیں اور حضور علیہ السلام داتا انھیں دعائیں دینا مانگنے کھانے کا ڈھنگ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اتنی ہی اس کی بخشش ہوتی ہے اور ہر ایک تر اور خشک چیز اس کے لئے گواہی دیں گے اور نماز کے لئے جماعت میں حاضر ہونے والے کے لئے پچیس نماز (کا ثواب) لکھا جاتا ہے اور اس کی دو نمازوں کے درمیان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو مؤذن کو سن کر یہ کہہ لیا کرے کہ میں گواہ ہوں اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور یقیناً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ کی ربوبیت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور دین اسلام سے راضی ہوں تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔ (بہ روایت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) [7]

ائمہ اور مؤذنین کے متعلق یہ ارشاد ان کے مقام و مرتبہ اور اہمیت پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار یا اللہ! اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنوں کو بخش دے''۔ [8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تمہارا رب اس بکری چرانے والے سے خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کی اونچی چوٹی میں ہو نماز کی اذانیں دے اور نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندے کو دیکھو

اذان دیتا ہے نماز قائم کرتا ہے مجھ سے ڈرتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کروں گا''۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے ایک وہ شخص جو ہر دن رات پانچ نمازوں کی اذان دے، ایک وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس سے راضی ہوں اور ایک وہ غلام جو اللہ کا حق اور اپنے مولا کا حق ادا کرتا رہے''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ)[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اذان کے وقت کی دعاء اور جہاد کے وقت کی دعاء رد نہیں کی جاتی''۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اذان اور تکبیر کے درمیان کی دعاء رد نہیں ہوتی''۔[12]

ایک شخص نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہؐ! موذن لوگ ہم سے بڑھ جائیں گے؟''۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ''جیسے وہ (مؤذن) کہتے ہیں تم بھی کہہ لیا کرو۔ جب فارغ ہو جاؤ تو مانگ لیا کرو عطاء کئے جاؤ گے''۔[13]

---

(۱) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۳۸، حدیث نمبر ۲۰۶ (۲) بخاری، کتاب الآذان، باب ۹، حدیث نمبر ۶۱۵ (۳) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۸، حدیث نمبر ۸۵۴ (۴) سنن نسائی، کتاب الاذان، باب ۳۴، حدیث نمبر ۶۷۳ (۵) مسلم کتاب الصلاۃ، باب ۷، حدیث نمبر ۸۴۹ (۶) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۳۱، حدیث نمبر ۵۱۱ (۷) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۷، حدیث نمبر ۸۵۱ (۸) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۳۲، حدیث نمبر ۵۱۳ (۹) ابوداؤد، کتاب صلاۃ السفر، باب ۳، حدیث نمبر ۱۲۰۰ (۱۰) ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ۲۵، حدیث نمبر ۲۵۶۶ (۱۱) ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب ۳۹، حدیث نمبر ۲۵۴۷ (۱۲) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب ۳۵، حدیث نمبر ۵۱۷ (۱۳) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۳۶، حدیث نمبر ۵۲۰

قصر، صدقۂ ربانی ہے اسے قبول کرو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

صدقة تصدق اللہ بہا علیکم فاقبلو صدقتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''یہ اللہ نے تم کو صدقہ دیا تو اس کا صدقہ قبول کرو''۔ (بہ روایت حضرت عمر بن خطابؓ)[1]

حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کفار کے فتنے کا خوف ہو تو نماز قصر پڑھو اب لوگ امن میں ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس سے تمہیں تعجب ہے مجھے بھی ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ اللہ نے تم کو صدقہ دیا تو اس کا صدقہ قبول کرو''۔[2]

یعنی بغیر خوف کے بھی سفر میں قصر کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سفر قصر کا سبب نہیں بلکہ سفر میں کفار کا خوف قصر کا باعث ہے۔

حضرت یعلیٰؓ کا حضرت عمرؓ سے یہی دریافت کرنا تھا کہ اب جب کہ کفار کا خوف نہیں امن ہے پھر بھی قصر کیوں؟ اس پر وہ تعجب کر رہے تھے جس پر حضرت عمرؓ نے صراحت فرمائی کہ انھوں نے اس بارے میں

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نوید سنائی کہ ''یہ رب کا صدقہ ہے جو تم پر کیا ہے لہٰذا اس کا صدقہ قبول کرو''۔ یعنی آپ نے واضح فرما دیا کہ تم بہر حال (سفر میں) ضرور قصر کرو خوف ہو یا نہ ہو۔ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اقبلوا سے استدلال فرمایا ہے کہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا سفر میں قصر واجب ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھی اور آپ (مکہ جانے کے ارادہ سے نکلے تو آپ) نے ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعت نماز پڑھی۔[3]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ چلے تو آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے تا آنکہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کچھ روز مکہ میں ٹھہرے تھے انہوں نے کہا کہ ہم دس روز مکہ میں ٹھہرے تھے۔[4]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مکہ میں) انیس روز ٹھہرے آپ نماز میں قصر کرتے تھے اور ہم لوگ جب سفر کرتے تھے اور انیس روز ٹھہرتے تھے تو قصر کرتے تھے اور جب اس سے زیادہ روز ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے تھے۔[5]

ایک روایت میں سترہ روز ہے۔[6] یعنی آپ نے سترہ روز قیام فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں جس سال مکہ فتح ہوا پندرہ روز قیام فرمایا آپ نماز میں قصر کرتے تھے۔[7]

عمرانؓ بن حصین کہتے ہیں کہ جس سال مکہ فتح ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں حاضر ہوا تو آپ نے مکہ میں اٹھارہ رات قیام فرمایا اور آپ دو دو رکعت ہی نماز پڑھتے تھے اور آپ شہر (مکہ) والوں سے فرماتے تھے کہ تم لوگ پوری چار رکعت پڑھا کرو اس لئے کہ ہم لوگ تو مسافر ہیں۔[8]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مقام) تبوک میں بیس روز تک قیام فرمایا آپ نماز میں قصر فرماتے تھے۔[9]

حضرت حارثہ بن وہبؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو منیٰ میں دو ہی رکعت نماز پڑھائی حالاں کہ اس موقع پر ہماری کثیر جماعت تھی اور لوگ بہت ہی مطمئن اور مامون تھے کہ کبھی اتنی کثیر جماعت اور اتنا اطمینان اور امن نہ تھا۔[10] (یعنی باوجود امن واطمینان کے دو ہی رکعت نماز پڑھی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منی میں دو رکعت نماز پڑھائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے (دو ہی رکعت پڑھائی) اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے (دو رکعت پڑھائی) اور حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی ابتدائی خلافت میں (دو ہی رکعت پڑھائی) پھر حضرت عثمانؓ نے اس کے بعد چار رکعت پڑھائی تو حضرت ابن عمرؓ جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے تھے اور جب تنہا نماز پڑھتے تو دو ہی رکعت پڑھتے۔[11]

حضرت عمرؓ نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اے مکہ والو! تم اپنی نماز پوری (چار رکعت) پڑھ لو اس لئے کہ ہم تو مسافر قوم ہیں (اور تم مقیم ہو)۔[12]

حضرت حفص بن عاصم کہتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ کے راستے میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھا آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر اپنی منزل میں آئے اور بیٹھے تو کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں میں نے کہا کہ نفل پڑھ رہے ہیں فرمایا اگر میں اپنی نفل پڑھتا تو اپنی نماز میں پوری کر لیتا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں پر زیادتی نہ کرتے تھے۔ اور حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔[13]

(حضرت ابن عمرؓ نے سفر میں جلدی کے پیش نظر ایسا فرمایا ورنہ سفر میں نفل نماز منع نہیں خود حضرت ابن عمرؓ سے متعدد روایات نقل ہیں)

طحاوی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اگر تم کہیں پندرہ دن قیام کی نیت کرو تو پوری پڑھو ورنہ قصر کرو۔ اوپر جو حدیث شریف گزری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں انیس دن قیام فرمایا اور قصر کرتے رہے۔ یہ سفر مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف فتح مکہ کے لئے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس زمانہ میں پندرہ دن کی نیت سے مقیم نہ ہوتے تھے یہی ارادہ رہا کہ آج جائیں کل جائیں اور اتفاقاً انیس دن گزر گئے اسی لئے قصر ہی کرتے رہے۔ مسند عبدالرزاق اور کتاب الاثار امام محمد میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ آذر بائیجان میں برف میں گھر گئے تو چھ ماہ وہاں ٹھہرے مگر قصر ہی پڑھتے رہے نیز حضرت انسؓ عبدالملک بن مروان کے ساتھ شام میں ایک جگہ دو مہینہ تک ٹھہرے قصر ہی پڑھتے رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسافر بلا ارادہ کسی جگہ مہینوں ٹھہر جائے تو قصر ہی پڑھے گا۔[۱۴]

---

(۱) مسلم شریف، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ا، حدیث نمبر۱۵۷۳ (۲) ایضاً (۳) بخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ۵، حدیث نمبر۱۰۸۹ (۴،۵) بخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ا، حدیث نمبر۱۰۸۱، ۱۰۸۰ (۶، ۷، ۸) ابوداؤد، کتاب صلاۃ السفر، باب ۱۰، حدیث نمبر۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۶ (۹) ابوداؤد، کتاب صلاۃ السفر، باب ۱۱، حدیث نمبر۱۲۳۲ (۱۰) بخاری، کتاب الحج، باب ۸۴، حدیث نمبر۱۶۵۶ (۱۱) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۲، حدیث نمبر۱۵۹۲ (۱۲) موطا مالکؒ (۱۳) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ا، حدیث نمبر۱۵۷۹ (۱۴) مرات ج ۲

بہترین دن، جمعہ کا دن ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة فيه خلق ادم و فيه ادخل

الحنة وفيه اخرج منها ولا تقوم الساعة الا فی یوم الجمعة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’بہترین وہ دن جس میں سورج نکلے وہ جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدمؑ پیدا ہوئے اسی دن جنت میں گئے اسی دن وہاں سے بھیجے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی ہوگی‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واضح ہوتا ہے کہ فضیلت کے لحاظ سے جمعہ کا دن سب دنوں میں تفوق رکھتا ہے۔ جمعہ کے دن اس دنیا سے متعلق نہایت اہم واقعات کا ظہور ہوا اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی برپا ہوگی۔ اس لحاظ سے دنیا اور دنیا والوں کے لئے یہ دن بڑا اہم اور فضیلت والا ہے۔ علاوہ ازیں جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی بھی آتی ہے جو قبولیت دعا کے ساتھ مخصوص ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جمعہ میں ایک ساعت ہے جسے مسلمان نہیں پاتا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھتا ہوا اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے ضرور دیتا ہے‘‘۔[2]

قبولیت دعا کی وہ ساعت دنوں میں صرف جمعہ کے دن ہوتی ہے لیکن وہ ساعت کونسی ہے اور کب آتی ہے اس کا بندہ کو علم نہیں۔ غالب یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان یا قبل از مغرب۔ اس ساعت دعا مقبول ہوتی ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اس دن (جمعہ کو) مجھ پر درود پڑھو کیوں کہ تمہارے درود مجھ پر پیش ہوتے ہیں"۔ اس ارشاد مبارک کو سن کر صحابہؓ نے عرض کیا تھا کہ ہمارے درود آپ پر کس طرح پیش ہوں گے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام کر دیئے ہیں"۔ [۳]

جمعہ کے دن کی اہمیت وفضیلت اور مؤمنین پر اس دن کی رحمت و برکت کا یہ حال ہے کہ اس دن فوت ہونے والا عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو مگر اللہ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہو"۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص جمعہ کے دن جنابت کا غسل کرے پھر اول وقت نماز جمعہ کے لئے (مسجد میں) چلا جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی کی اور جو شخص دوسری ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک بقرہ قربان کیا اور جو تیسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک دنبہ کی قربانی کی اور جو شخص چوتھی ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو شخص پانچویں ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک انڈے کی قربانی کی پھر جب امام نکل آیا اور خطبہ پڑھنے لگا تو فرشتے مسجد میں آ کر

خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب جمعہ کا دن آتا ہے تو مسجد کے ہر ایک دروازہ پر فرشتے متعین رہتے ہیں جو پہلے آنے والے کو پہلے لکھتے ہیں پھر اسکے بعد آنے والے کو اس کے بعد لکھتے ہیں۔ پھر جب امام خطبہ پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا تو فرشتے اپنی کتابیں اور رجسٹر لپیٹ دیتے ہیں اور خطبہ سننے چلے جاتے ہیں۔[6]

مذکورہ احادیث شریفہ میں ارشاد ہوئیں سب قربانیوں سے مقدار ثواب مراد ہے۔ مسجد کے دروازے پر حاضری لکھنے والے فرشتے جب خطبہ سننے کے لئے مسجد آ جائیں تو اس وقت یا بعد جو شخص مسجد میں آئے اس کا نام لکھا نہیں جاتا البتہ اس کا وجوب ادا ہوگا اور صرف نماز کا ثواب ملے گا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے انہوں نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو صبح ہی شیطان اپنے جھنڈے لے کر بازاروں میں چلے جاتے ہیں اور لوگوں کو کاموں میں پھنسا دیتے ہیں اور ان کو جمعہ میں آنے سے روکتے ہیں اور فرشتے صبح ہی سے مسجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے والوں کو لکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص پہلی ساعت میں آیا فلاں شخص دوسری ساعت میں آیا یہاں تک کہ امام خطبہ پڑھنے کے لئے برآمد ہوا پھر جو شخص ایسی جگہ بیٹھا ہو جہاں سے خطبہ اچھی طرح سن سکتا اور امام کو دیکھ سکتا ہے پھر وہ چپکا بیٹھا رہا اور کوئی لغویت نہیں کی تو ایسے شخص کو ثواب کے دو حصے ملیں گے اور جو شخص دور بیٹھا جہاں سے خطبہ نہیں سن سکتا پھر چپکے بیٹھا اور کوئی لغویت نہیں کی تو ایسے شخص کو ثواب کا ایک حصہ ملے گا اور جو شخص ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے خطبہ اچھی طرح سن سکتا ہے اور امام کو دیکھ سکتا ہے پھر اس نے لغویت کی اور چپکے نہ بیٹھا تو ایسے شخص پر گناہ کے دو حصے لاد دیں جائیں گے اور جو شخص ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے خطبہ

نہیں سن سکتا اور نہ امام کو دیکھ سکتا ہے اور چپکے نہ بیٹھا تو ایسے شخص پر گناہ کا ایک حصہ لادا جائے گا اور جو شخص اپنے پاس والے سے کہے چپ رہو تو اس نے لغویت کی اور جس نے لغویت کی اس کو جمعہ کا کچھ بھی ثواب نہیں ملتا پھر اخیر میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی فرماتے سنا ہے۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو اذان سنے''۔[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جمع کے دن ہر بالغ مرد پر پر غسل واجب ہے''۔[۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جمعہ ہر ایک ایسے شخص پر واجب ہے جو رات کو اپنے گھر پہنچ جائے''۔[۱۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص کو نماز (جمعہ یا کسی اور نماز) کی ایک رکعت مل جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی''۔[۱۱]

---

(۱) مسلم، کتاب الجمعہ، باب ۵، حدیث نمبر ۱۹۷۷ (۲) بخاری، کتاب الجمعۃ، باب ۳۷، حدیث نمبر ۹۳۵ (۳) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۰۰، ۲۰۱، حدیث نمبر ۱۰۴۳ (۴) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ۲۷/۳۷، حدیث نمبر ۱۰۷۴ (۵) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۲، حدیث نمبر ۱۹۶۴ (۶) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۷، حدیث نمبر ۱۹۸۴ (۷) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۰۲، ۲۰۳ حدیث نمبر ۱۰۴۷ (۸) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۰۵، ۲۰۶، حدیث نمبر ۱۰۵۲ (۹) بخاری، کتاب الجمعۃ، باب ۲، حدیث نمبر ۸۷۹ (۱۰) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۸/۲۴۳، حدیث نمبر ۵۰۲ (۱۱) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۲۵/۲۶۰، حدیث نمبر ۵۲۴

فضیلت نماز جمعہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة: عبد مملوک او امراة اوصبی او مریض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز جمعہ حق ہے واجب ہر مسلمان پر جماعت سے ہے بجز چار اشخاص (یعنی) غلام، عورت، بچہ اور بیمار کے''۔ (بہ روایت حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ)[1]

نماز جمعہ کے لئے مدینہ منورہ آنے کی تاکید سے متعلق قباء کے رہنے والے ایک صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ قباء سے جمعہ کی نماز کے لئے آیا کریں۔[2]

نماز جمعہ کی ادائیگی میں سستی اور پابندی میں تساہلی کے بارے میں بڑی وعیدیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص تین جمعہ سستی سے بغیر عذر کے ترک کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کردیتا ہے''۔[3] بغیر عذر کے نماز جمعہ ترک کرنے والے کو خیرات کرنے کا حکم ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص جمعہ کی نماز بغیر کسی عذر کے ترک کردے تو اس کو ایک دینار خیرات کرنی چاہئے۔ اگر ایک دینار نہ مل سکے تو نصف دینار خیرات کرنی چاہئے۔''

(بہ روایت حضرت سمرہ بن جندبؓ)[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو وضوء کرے اور خوب وضوء کرے، پھر جمعہ میں آئے اور خطبہ سنے اور چپ رہے، اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخشے جائیں گے اور تین دن کے اور زیادہ اور جو کنکریوں سے کھیلے اس نے بے فائدہ کام کیا''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [5]

خطبہ کے لغوی معنی لوگوں سے خطاب کرنا نکلتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کلام کا نام خطبہ ہے جس میں شہادتیں، نصیحتیں وغیرہ ہوں۔ خطبہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اور نماز عیدین میں سنت، اسی طرح نکاح اور وعظ سے پہلے بھی سنت ہے۔ مسنون یہ ہے کہ خطبہ جمعہ نماز سے کم ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جمعہ کو ہر بالغ مرد و عورت کا غسل کرنا، مسواک کرنا اور استطاعت کے موافق خوشبو لگانا واجب ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو سعیدؓ) [6]

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے تھے کہ ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھتے جب ہم واپس ہوتے تو ہم اپنے اونٹوں کو آرام دیتے۔ [7]

حضرت سلمہؓ بن اکوع کہتے تھے کہ ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے جب ہم واپس آتے تو دیواروں کا سایہ نہ ہوتا کہ ہم ان کے سایہ میں ٹھہریں۔ [8]

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۰۸، ۲۰۹، حدیث نمبر ۱۰۶۳ (۲) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۲۴۳/۸، حدیث نمبر ۵۰۱
(۳) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۲۴۲/۷، حدیث نمبر ۵۰۰ (۴) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۰۴، ۲۰۵ حدیث نمبر ۱۰۴۹
(۵) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۸، حدیث نمبر ۱۹۸۸ (۶) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۲، حدیث نمبر ۱۹۶۰ (۸،۷) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۹، حدیث نمبر ۱۹۸۹، ۱۹۹۳

بوقت خطبہ امام سے قریب رہیں

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آله و سلم

احضروا الذکر وادنوا من الامام فان الرجل

لایزال یتباعد حتی یؤخر فی الجنة وان دخلها

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''خطبے میں حاضر ہوا کرو اور امام کے نزدیک رہا کرو کیوں کہ جو ہمیشہ دور رہے گا اگر وہ جنت میں گیا تو تاخیر سے جائے گا''۔ (بہ روایت حضرت سمرہ بن جندبؓ)[1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطبہ کی اہمیت، دینی ضرورت اور غیر معمولی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اس کے ساتھ اس حقیقت کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ خطبہ سننے کے لئے امام کے نزدیک رہنا بڑی فضیلت رکھتا ہے اس کے لئے یہ نوید سنائی گئی کہ خطبہ سننے کے لئے امام کے قریب بیٹھنے والا جنت میں جانے والا ہو تو جلد داخل جنت ہو جائے گا اور دور دور رہنے والا اگر وہ جنت میں جانے والا ہو تو جنت میں جائے گا ضرور لیکن تاخیر سے۔ اس میں یہ تعلیم وتاکید ہے کہ امام کے نزدیک رہا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے رونق افروز ہوتے تو آپ کے معمول شریف کی تفصیل حضرت ابن عمرؓ اس طرح بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو خطبے پڑھتے تھے

جب آپ منبر پر چڑھتے تھے تو اس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک مؤذن اذان سے فارغ ہو۔اس کے بعد آپ کھڑے ہو جاتے تھے، پھر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھ جاتے اور کچھ بات چیت نہیں کرتے تھے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں خطبوں کے بیچ میں بیٹھ کر انہیں یعنی دونوں کو علحدہ کر دیتے تھے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ اور نماز کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت جابرؓ بن سمرۃ نے اس طرح کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اوسط درجہ (نہ بہت طویل نہ بہت مختصر) کی تھی اور آپ کا خطبہ بھی اوسط درجہ (نہ بہت طویل اور نہ بہت مختصر) کا تھا۔[4]

ابووائلؓ نے کہا کہ (حضرت) عمارؓ نے خطبہ پڑھا تو انہوں نے بہت ہی مختصر اور بلیغ خطبہ پڑھا، جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے ان سے کہا ''اے ابوالیقظان! آپ نے بہت ہی بلیغ اور مختصر خطبہ پڑھا کاش کہ آپ خطبہ لمبا کرتے'' تو عمارؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ''آپ فرماتے کہ کسی شخص کا طویل نماز پڑھنا اور مختصر خطبہ پڑھنا دین میں سمجھدار ہونے کی علامت ہے۔لہذا تم لوگ خطبہ مختصر پڑھا کرو اور نماز طویل پڑھا کرو۔''[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس خطبہ میں تشہد **اشھدان لاالٰہ الاللہ و اشھدان محمد رسول اللہ** نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو کلام الحمدللہ سے شروع نہ کیا جائے تو کٹے ہوئے (ہاتھ کی طرح) ہے''۔[7]

خطبہ سننے اور دوران خطبہ خاموش بیٹھے رہنے کے بارے میں تاکیدیں ہیں ۔حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے خطبہ میں کہا کرتے تھے کہ ''سنو اور چپ چاپ بیٹھے رہو اس لئے کہ ایسے چپ چاپ

بیٹھے رہنے والے کو جو خطبہ نہیں سن سکتا اتنا ہی ثواب کا حصہ ہے جتنا ایسے چپ چاپ بیٹھے رہنے والے کے لئے ہے جو خطبہ سنتا ہے''۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم جمعہ کے دن ایسے موقع پر ہو کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو اپنے کسی ہمراہی سے یہ کہو کہ ''چپ رہو'' تو تم نے لغو بات کی (اور جس نے لغویت اور بیہودگی کی اس کو جمعہ کا ثواب نہیں)''۔[9]

جمعہ کے دن نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد جانے اور وہاں پر بیٹھنے کے آداب کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوئی شخص اپنے بھائی (مسلمان کو) جمعہ کے دن (اس کی جگہ) سے نہ اٹھائے (اس غرض سے کہ) پھر شخص اس کی نشست گاہ میں جائے اور وہاں بیٹھ جائے لیکن (جب جگہ تنگ ہو تو) یہ کہہ دے کہ جگہ کشادہ کرو''۔[10]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کسی کو اس کی نشست گاہ سے اُٹھا کر اس کی جگہ خود بیٹھ جائے۔ نافع سے دریافت کیا گیا کہ یہ (ممانعت خاص) جمعہ میں ہے تو انہوں نے کہا کہ جمعہ اور غیر جمعہ (سب مجلس) میں ہے۔[11]

خطبہ کے وقت خطبہ سننے والے لوگوں کو آداب نشست کا لحاظ ضروری ہے۔ حضرت معاذ بن انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن ایسے موقعہ پر امام خطبہ پڑھ رہا ہو احتباء سے منع کیا۔[12]

احتباء یہ ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر سرین کو زمین سے لگا دے اور دونوں زانوں کھڑے کر کے ہاتھ سے حلقہ کر کے بیٹھ جائے یا کسی کپڑے سے پیٹھ اور دونوں زانوں کو پیٹ طرف کر کے باندھ لے جب کہ اہل عرب کی اکثر یہ نشست ہوتی ہے۔ ایسی نشست ایک قسم کا تکیہ ہوتا ہے جس سے انسان کو آرام ملتا ہے اور نیند

آنے لگتی ہے اس وجہ سے خطبہ کے موقع پر ایسی نشست سے حضور اکرمؐ نے منع فرمایا ورنہ اور عام اوقات میں جائز بلکہ سنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کھڑا ہوا اپنی جگہ سے جہاں وہ بیٹھا تھا (کسی حاجت کے لئے) پھر لوٹ آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۱۳]

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیٹھتے اور ہم آپ کے گرد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے واپس ہونا چاہتے تو آپ اپنا پاپوش مبارک یا کوئی چیز جو آپ پر ہوتی اتار جاتے تو (تمام صحابہ جان لیتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ واپس تشریف لانے کا ہے) سمجھ کر سب بیٹھے رہتے''۔[۱۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان علحدگی کرے بغیر ان کی اجازت سے''۔[۱۵]

اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں دو آدمی ملے ہوئے بیٹھے ہوں ان کو چیر کر بیچ میں بیٹھ جانا ممنوع ہے۔ ممکن ہے ان میں خاص انس ہو اور کوئی درمیان میں آبیٹھے تو انہیں رنج و ناگواری ہو اور اگر اجازت لے کر بیٹھے تو کوئی بات نہیں۔ یہ حکم ہر مجلس کے لئے ہے خواہ مسجد ہو یا کوئی اور جگہ ہو۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلاۃ، باب ۲۲۴، ۲۲۶، حدیث نمبر ۱۱۰۴ (۲) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۱۹، ۲۲۱، حدیث نمبر ۱۰۸۸ (۳) سنن نسائی، کتاب الجمعۃ، باب ۳۳، حدیث نمبر ۱۴۱۵ (۴، ۵) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۲۰۰۳، ۲۰۰۹ (۶) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۹، حدیث نمبر ۴۸۳۳ (۷) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۴۸۳۲ (۸) موطا مالکؒ (۹) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۱۹۶۵ (۱۰) مسلم، کتاب السلام، باب ۱۱، حدیث نمبر ۵۶۸۸ (۱۱) بخاری، کتاب الجمعۃ، باب ۲۰، حدیث نمبر ۹۱۱ (۱۲) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ۲۲۶، ۲۲۸، حدیث نمبر ۱۱۰۶ (۱۳) مسلم، کتاب السلام، باب ۱۲، حدیث نمبر ۵۶۸۹ (۱۴) مشکوۃ (۱۵) ترمذی، کتاب الادب، باب ۱۱/۴۵، حدیث نمبر ۲۷۵۲

جب ماہ رمضان آتا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

اذا دخل شهر رمضان فتحت ابواب السمآء، وغلقت ابواب جهنم، وسلسلت الشياطين

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جب ماہ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں“۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”جب رمضان آتا ہے، تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں“۔[3]

ماہ رمضان المبارک کی فضیلت میں یہ ارشاد بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جو کوئی ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ معاف فرما دیتا ہے“۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، تو شیطان زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں، اسی طرح شریر جن اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، کوئی دروازہ ان کا کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول جاتے ہیں، کوئی دروازہ اس کا بند نہیں ہوتا، اور ایک پکارنے والا پکارتا

ہے ''اے بھلائی چاہنے والے! (یعنی ثواب کے طالب) متوجہ ہو (اور محنت کر) اور اے برائی کے ڈھونڈنے والے کم کر (یعنی برائی میں کمی کر، گناہوں کو چھوڑ دے) اور اللہ جل جلالہ کے آزاد کئے ہوئے لوگوں میں (شاید تو بھی ہو)۔ ہر رات یہی ہوتا ہے (رمضان کے ختم تک)''۔[۵]

رمضان مبارک آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ مہینہ آ گیا تمہارے اوپر، اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس سے محروم رہا وہ بالکل بھلائی سے محروم رہا، اور اس کی بھلائی سے وہی محروم رہے گا جو محروم ہے (عبادت الٰہی سے اور فسق وفجور میں مصروف ہے)۔[۶]

ماہ رمضان المبارک کو فقط رمضان کہنے کی اجازت کے ضمن میں محققین کے تین اقوال ملتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ صرف رمضان نہیں کہنا چاہئے بلکہ ماہ رمضان کہنا چاہئے، کیوں کہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک صرف رمضان کہنے میں کوئی قباحت نہیں، ایک اور قول کے مطابق جہاں پر قرینہ موجود ہو، وہاں پر صرف رمضان کہنا درست ہے مثلاً یہ کہنا کہ ہم نے رمضان کے روزے رکھے۔ اور یہ کہنا کہ رمضان آیا یا گیا، غلط ہے۔ (حاشیہ سنن نسائی)

رمضان رمض سے بنا بمعنی گرمی یا گرم، چوں کہ بھٹی پرانے لوہے کو صاف کرتی ہے اور صاف لوہے کو پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے اور سونے کو پہننے کے لائق بنا دیتی ہے۔ اسی طرح روزہ گنہگاروں کے گناہ معاف کراتا ہے، نیک کار کے درجے بڑھاتا ہے اور ابرار کا قرب الٰہی زیادہ کرتا ہے، اس لئے اسے رمضان کہتے ہیں نیز یہ اللہ کی رحمت، محبت، ضمان، امان اور نور لے کر آتا ہے اس لئے رمضان کہلاتا ہے۔ خیال رہے کہ رمضان پانچ نعمتیں لاتا ہے اور پانچ عبادتیں۔ ''روزہ، تراویح، اعتکاف، شب قدر میں عبادات اور تلاوت قرآن پاک''۔ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا اور اس مہینہ کا نام قرآن شریف میں لیا گیا ہے۔ حق یہ

ہے کہ ماہ رمضان میں آسمانوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں، جن سے اللہ کی خاص رحمتیں زمین پر اترتی ہیں اور جنتوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں جس کی وجہ سے جنت والے حور وغلمان کو خبر ہوجاتی ہے کہ دنیا میں رمضان آ گیا اور وہ روزہ داروں کے لئے دعاؤں میں مشغول ہوجاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، ابلیس مع اپنی ذریّت کے قید کردیا جاتا ہے۔اس مہینہ میں جوکوئی بھی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس امارہ کی شرارت سے کرتا ہے، نہ کہ شیطان کے بہکانے سے۔ (حاشیہ ذولمرات)

غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ تمام مہینوں میں رمضان کے مہینے کی مثال ایسی ہے جیسے سینہ میں دل، یا انسانوں میں انبیائے کرام یا شہروں میں حرم ہے اور ماہ رمضان میں سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔انبیاء کرام گنہگاروں کی سفارش کرتے ہیں، ماہ رمضان خود بھی گناہگاروں کی سفارش (شفاعت) کرے گا۔دل کی جلا معرفت اور ایمان کے نور سے ہوتی ہے، اسی طرح ماہ رمضان کی زینت تلاوت قرآن پاک سے ہوتی ہے۔جس طرح تمام بستیوں میں سرداری مکہ مکرمہ کو (حاصل ہے)، دنوں میں جمعہ سیدالایام ہے۔راتوں میں شب قدر کو سرداری حاصل ہے۔کتابوں میں قرآن کریم کو، سورتوں میں سورۃ البقرہ کو، سورہ بقرہ میں آیۃ الکرسی کو سب آیات میں سرداری اور بزرگی حاصل ہے۔پتھروں میں سنگ اسود اور چاہ زمزم ہر کنویں سے افضل ہے۔اسی طرح تمام مہینوں میں ماہ رمضان المبارک تمام مہینوں کا سردار اور ان سے بزرگ وافضل ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الصوم، باب ۵، حدیث نمبر ۱۸۹۹ (۲) مسلم ، کتاب الصیام، باب ۱، حدیث نمبر ۲۴۹۶ (۳) بخاری، کتاب الصوم، باب ۵، حدیث نمبر ۱۸۹۸ (۴) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۸، حدیث نمبر ۳۸ (۵) ترمذی، کتاب الصوم، باب ۱، حدیث نمبر ۶۸۲ (۶) ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ۲، حدیث نمبر ۱۶۴۴

چاند دیکھو روزہ رکھو

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم

اذا رایتم الھلال فصوموا، واذا رایتموہ فأفطروا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم چاند دیکھوتو روزہ رکھواور جب چاند دیکھوتو افطار کرو''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ ''جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور نہ ہی افطار کرو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور ابر چھایا ہو تو تیس دن پورے کرو۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مہینہ انتیس راتوں کا بھی ہوتا ہے اس لئے جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو افطار نہ کرو اور اگر ابر چھایا ہوا ہو تو تیس دن پورے کرو''۔[3]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عید کے دونوں مہینے یعنی رمضان اور ذی الحجہ کم نہیں ہوتے''۔[4] اس کی تشریح میں ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) کا بیان ہے کہ حضرت اسحٰقؒ نے کہا اگر دن کم ہو تو (یعنی ۳۰ کے بجائے ۲۹ دن) ثواب پورا (یعنی کامل تیس دن کا) ملتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم میں سے کوئی رمضان کے روزے ایک یا دو دن پہلے سے نہ رکھے مگر وہ شخص جو اس دن برابر روزہ رکھتا تھا وہ اس دن روزہ رکھ لے...''۔[5] (مثلاً جمعرات یا جمعہ کو روزہ رکھتا تھا اور شعبان المعظم کی ۲۹ اور ۳۰ تاریخ میں وہی دن آ گئے تو رکھ لے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر کیا رمضان کا اور اشارہ کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے (یعنی دس انگلیوں سے) اور فرمایا کہ مہینہ ایسا ہے ایسا ہے ایسا ہے اور بند کرلیا اپنے انگوٹھے کو تیسری بار (یعنی ۲۹ دن کا ''بھی'' ہوتا ہے) اور فرمایا ''روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو چاند دیکھ کر پھر اگر تم پر بدلی ہو تو گن لو پورے تیس دن''۔[6]

یعنی شعبان المعظم کی ۲۹ تاریخ کو اگر ابر ہو، تو شعبان کے تیس دن پورے کر لئے جائیں اس کے بعد روزہ رکھیں اور اسی طرح اگر رمضان المبارک کی ۲۹ تاریخ ابر چھایا رہے اور اس وجہ سے رویت نہ ہو تو پھر تیس روزے پورے کر لئے جائیں اور اس کے بعد عید الفطر منائی جائے۔ جمہور نے اس حدیث کے یہی معنی بیان کئے ہیں اور احادیث وروایات بھی اس کے موئید ہیں۔[7]

اس ارشاد مبارک کی روشنی میں ظاہر ہے کہ ''مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے'' اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ رمضان المبارک ۳۰ دن کا ہو یا ۲۹ دن کا، اس کا اجر نہیں گھٹتا۔ ۲۹ دن کا رمضان ہو بھی تو اجر وثواب پورے کا پورا عطا ہوتا ہے، کیونکہ ۲۹ دن کا مہینہ ۳۰ دن کے مہینے کی طرح کامل مہینہ ہوتا ہے، ناقص نہیں ہوتا۔

حضرت ابوالبختری ؒ نے کہا کہ ہم عمرہ کو نکلے اور جب بطن نخلہ کو پہنچے (کہ ایک مقام کا نام ہے) تو سب نے چاند دیکھنا شروع کیا اور بعضوں نے دیکھ کر کہا کہ یہ تین رات کا چاند ہے (یعنی بڑا ہونے کے سبب سے) اور بعضوں نے کہا کہ دو رات کا ہے، پھر ہم حضرت ابن عباسؓ سے ملے اور ان سے ذکر کیا کہ ہم نے چاند دیکھا اور کسی نے کہا تین رات کا ہے اور کسی نے کہا دو رات کا ہے۔ تب انھوں نے پوچھا کہ تم نے کونسی

رات میں دیکھا؟ تو ہم نے کہا فلاں فلاں رات میں۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑھا دیا دیکھنے کے لئے اور وہ اسی رات کا تھا جس رات تم نے دیکھا''۔ [8]

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹا بڑا ہونے کا اعتبار نہیں، جب رویت ہو اسی شب کا ہے خواہ ۲۹ ویں ہو یا تیسویں۔

ایک اعرابی (گاؤں کا رہنے والا) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ''میں نے رات کو چاند دیکھا''۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ ''کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے عبد اور رسول ہیں؟''۔ اس نے عرض کیا ''ہاں''۔ تب سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں''۔ [9] (اگر شعبان کی ۲۹ ویں تاریخ کو ابر کے باعث چاند نظر نہ آئے تو اگلے روز کو شعبان کی ۳۰ ویں تاریخ شمار کیا جائے)۔

---

(۱) مسلم، کتاب الصیام، باب ۲، حدیث نمبر ۲۵۱۴ (۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱، حدیث نمبر ۱۹۰۶ (۳) مسلم، کتاب الصیام، باب ۲، حدیث نمبر ۲۵۰۲ (۴) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲، حدیث نمبر ۱۹۱۲ (۵) ابو داؤد، کتاب الصیام، باب ۷، حدیث نمبر ۲۳۲۴ (۶) مسلم، کتاب الصیام، باب ۲، حدیث نمبر ۲۴۹۹ (۷) نووی (۸) مسلم، کتاب الصیام، باب ۶، حدیث نمبر ۲۵۲۹ (۹) ابو داؤد، کتاب الصوم، باب ۱۴، حدیث نمبر ۲۳۳۸

روزہ حیلہ مغفرت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ ومن قام لیلۃ القدر ایمان و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ایمان واخلاص سے رمضان کے روزہ رکھے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو شب قدر میں ایمان واخلاص کے ساتھ عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ''روزہ ڈھال ہے اس لئے نہ تو بری بات کرے اور نہ جہالت کی بات کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوج کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں دو بار کہہ دے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ وہ کھانا پینا اور اپنی مرغوب چیزوں کو روزوں کی خاطر چھوڑ دیتا ہے اور میں اس کا بدلہ دیتا ہوں اور نیکی دس گنا ملتی ہے''۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ’’ریان‘‘ کہا جاتا ہے قیامت کے دن اس دروازے سے روزہ دار ہی داخل ہوں گے کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا‘‘۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’انسان کی آزمائش اس کے بال بچوں، اس کے مال اور پڑوسی میں ہوتی ہے۔ نماز، روزہ اور صدقہ اس کے لئے کفارہ ہے‘‘۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر عمل آدمی کا اس کے لئے ہے مگر روزہ کہ وہ خاص میرے واسطے ہے اور میں اس کا بدلہ دیتا ہوں‘‘۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’روزہ سپر ہے‘‘۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی اس کے افطار کے وقت، دوسری خوشی ملاقات پروردگار کے وقت‘‘۔[۷]

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’آدمی کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے دس گنا سے سات سو گنا تک جہاں تک اللہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا‘‘۔[۸]

روزہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے یعنی اس میں چوں کہ ظاہر میں کوئی صورت نہیں ایک امر عامی ہے اس لئے اس میں ریا کو دخل بہت کم ہے اور نفس کو اس میں مطلق حظ نہیں اور گویا تشبیہہ ہے ملائکہ کے ساتھ۔ روزہ دار کی بوئے دہن کو مشک سے زیادہ پسندیدہ فرمایا ہے، جیسے شہیدوں کے خون کو فرمایا کہ رنگ تو خون کا ہوگا اور بو مشک کی ☆ روزہ کا سپر ہونا یعنی بچاتا ہے شہوت وغضب کے فساد سے ☆ افطار کے وقت یہ خوشی ہے کہ پروردگار کی تائید اور توفیق سے ایسی عمدہ عبادت نے سرانجام پایا اور دنیوی نعمتیں فی الحال حلال ہوئے اور

لذائذ اخروی کا امیدوار بنایا اور پروردگار کی ملاقات کے وقت یہ خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس عبادت کو قبول فرمایا اور جس اجر وثواب کا وعدہ تھا وہ پورا ہوا۔ (شرح نووی ترجمہ وحیدی)

☆ روزے کے سواء اور نیکیوں کا ثواب معین اور معلوم ہے یا ان کا ثواب دینا فرشتوں کے سپرد کر دیا گیا ہے اور روزے کا ثواب اللہ جل جلالہ نے خاص اپنے علم میں رکھا ہے اور خود ہی قیامت کے دن روزہ دار کو عنایت فرماوے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اور نیکیوں میں ریا کی گنجائش ہے روزہ ریا سے پاک ہے۔ آدمی اسی وقت روزہ رکھے گا اور نفسانی اور حیوانی خواہشوں سے اسی وقت باز رہے گا جب اس کے دل میں خدا کا ڈر ہو ورنہ روزہ نہ رہے گا اور لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو روزہ دار ظاہر کرے گا۔ (حاشیہ ابن ماجہ ایضاً)

☆ قولہ" الصوم لی " سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی میرے ساتھ شریک نہیں ہوا اور نہ کوئی میرا اس کے ساتھ عبادت کیا گیا، پس تحقیق تمام عبادتیں جو کہ سوائے اس کے ہیں، کافروں نے اپنے معبودوں کی ان کے ساتھ عبادت کیا ہے، پس میں اس وقت اس کا بدلہ اس کے اختصاص کے مطابق دوں گا اور میں بذات خود اس کے عوض کا متولی ہوں گا کسی دوسرے کے سپرد نہ کروں گا۔ (تشریح حدیث مجموعہ صحاح)

روزہ کی فضیلت سے متعلق یہ بھی ارشاد حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ میں ایک دن روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کی آگ کے درمیان اس قدر خندق بناتا ہے جس قدر زمین اور آسمان کے مابین ہے"۔[۹]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص روزہ دار کو افطار کروائے تو اس کو اس روزہ دار کی مثل اجر ہوتا ہے مگر وہ روزہ دار کے اجر سے کم نہیں کرتا"۔[۱۰]

روزہ کی حالت میں رحمت حق تعالیٰ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ ”جو شخص بھول گیا اور وہ روزہ دار تھا اور اس نے کھایا اور پیا تو اس کا روزہ پورا ہو گیا، اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا“۔[11]

روزہ کی حفاظت جھوٹ اور عمل بد کے ترک کے ساتھ کی جاتی ہے، اس ضمن میں یہ فرمان محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملتا ہے کہ ”جو شخص (روزہ میں) جھوٹی باتیں اور اس کے اوپر عمل کرنا نہیں چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے“۔[12]

روزہ کے اظہار سے متعلق یہ ارشاد مبارکہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی جب کھانے کے لئے بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں“۔[13]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب روزہ دار کے پاس وہ لوگ کھانا کھائیں جن کو روزہ نہ ہو تو ملائکہ اس (روزہ دار) کے لئے دعائے رحمت مانگتے ہیں“۔[14]

---

(۱) بخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب ا، حدیث نمبر ۲۰۱۴ (۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۲، حدیث نمبر ۱۸۹۴ (۳) بخاری، کتاب الصوم، باب ۴، حدیث نمبر ۱۸۹۶ (۴) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۲۳، حدیث نمبر ۱۴۳۵ (۵) مسلم، کتاب الصیام، باب ۳۰، حدیث نمبر ۲۷۰۶ (۶) ایضاً (۷) ایضاً (۸) ابن ماجہ کتاب الصیام، باب ا حدیث نمبر ۱۶۳۸ (۹) ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب ۳، حدیث نمبر ۱۶۲۴ (۱۰) ترمذی، کتاب الصوم، باب ۸۲/۸۱، حدیث نمبر ۸۰۷ (۱۱) مسلم، کتاب الصیام، باب ۳۳، حدیث نمبر ۲۷۱۶ (۱۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۵۱، حدیث نمبر ۶۰۵۷ (۱۳) مسلم، کتاب الصیام، باب ۲۸، حدیث نمبر ۲۷۰۲ (۱۴) ترمذی، کتاب الصوم، باب ۶۷، حدیث نمبر ۷۸۴

سحری میں برکت ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

تسحروا فانّ فی السحور برکة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے''۔

(بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ)[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی● ......**حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر** ''یہاں تک کہ ظاہر ہوجائے تمہارے لئے سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے صبح کے وقت'' (۲/۱۸۷) تو حضرت عدی بن حاتمؓ نے کہا کہ ہم نے سیاہ اور سفید دونوں رنگ کے ڈورے (تاگے) لے کر تکیہ کے نیچے رکھ لئے۔ میں رات کو دیکھتا رہا لیکن اس کا رنگ ظاہر نہ ہوسکا صبح کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور یہ حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا ''اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے''۔[2]

جب آیت● ...... **وکلوا وشربوا حتی یتبین لکم** الخ نازل ہوئی **من الفجر** کا لفظ نازل نہ ہوا تھا اور لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو بعض لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیا اور برابر کھاتے رہے جب تک ان کا رنگ نہ کھلا (یعنی سیاہ اور سفید صاف دکھائی دینا) تو اللہ تعالیٰ نے من

الفجر کالفظ نازل فرمایا اب لوگوں نے جان لیا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔

(بہ روایت حضرت سہل بن سعد)[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو موذن تھے (حضرت) بلالؓ اور (حضرت) ابن ام مکتومؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''بلالؓ رات کو اذان دیتے ہیں سو تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ اذاں دیں ابن ام مکتومؓ ''۔ راوی کا کہنا ہے کہ ان دونوں کی اذانوں میں درمیان میں زیادہ دیر نہ ہوتی، اتنا ہی کہ یہ اترے وہ چڑھے۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''بلالؓ رات کو اذان دیتے ہیں (تاکہ تہجد پڑھنے والے کھانے کو جائیں اور سحر سے فارغ ہو جائیں) سو تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو (اور وہ نابینا تھے جب لوگ کہتے کہ صبح ہوئی صبح ہوئی تب اذان دیتے)''۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کے لقمہ کا فرق ہے۔ (بہ روایت حضرت عمرو بن العاصؓ)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''دن کے روزے میں مدد لو سحری کے کھانے سے اور رات کی نماز میں مدد لو دوپہر کے سونے سے (یعنی سحری کھانے کا یہ فائدہ ہے کہ روزہ آسان ہو جائے گا اور اسی طرح دن میں کچھ دیر سونے سے رات کی نماز تہجد کی ادائیگی میں سہولت ہوگی)۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)[۷]

سحری کھانے کی احادیث مطہرہ میں بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ یہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت پر کرم خاص ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں کھانا کھانے اور پانی پینے کی تاکید فرمائی

تا کہ امت کو روزہ رکھنے میں آسانی رہے اور رات کے کھانے پینے کا ثواب بھی ملے گا۔

جب روزے فرض ہوئے تو حکم یہ تھا کہ رمضان کی راتوں میں سونے سے پہلے کھا پی سکتے تھے، اگر کوئی ذرا بھی سو جاتا تو اب اگلی شام تک کھا پی نہیں سکتا تھا، اس صورت میں کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ خدائے ذوالمنن نے اپنے محبوبؐ کی امت پر دوسری امتوں کے برخلاف یہ کرم فرمایا کہ انہیں طلوع فجر تک کھانے پینے کی اجازت مرحمت فرما دی اور اسی کو سحری کہتے ہیں جو اہل کتاب کو مرحمت نہیں فرمائی گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اجازت کو اپنی امت کے لئے سنت ٹھہراتے ہوئے ضروری اور باعث برکت قرار دے دیا تا کہ ایک جانب اس کھانے پینے کا ثواب ملے اور دوسری طرف روزے میں کافی حد تک آسانی ہو جائے۔[۸]

ایک صحابی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت حضور انورِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری تناول فرما رہے تھے آپ نے ارشاد فرمایا ''یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی برکت ہے اسے تم ترک نہ کرو''۔[۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف کے مبارک مہینے میں سحری کے لئے بلاتے تھے اور ارشاد فرماتے ''صبح کے مبارک کھانے (یعنی سحری) کے لئے آؤ''۔

(بہ روایت حضرت عرباض بن ساریہؓ)[۱۰]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سحری کے وقت حضرت انسؓ سے ارشاد فرمایا ''اے انس! میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں مجھے کچھ کھلاؤ''۔ میں نے کھجور اور پانی کا ایک برتن حاضر خدمت کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کے ساتھ سحری کھائی۔ اس کے بعد آپ اُٹھے اور دو

رکعتیں پڑھیں اس کے بعد آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے‘‘۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’مومن کی اچھی سحری چھوہارے ہیں‘‘۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ)[12]

سحری کھانا سنت ہے لہذا اس میں اخروی برکت ہے اور اس سے روزے میں مدد بھی ملتی ہے اور اس میں دنیوی برکت بھی ہے ☆ سحری کے وقت کچھ کھانا کھا کر آخر میں کچھ چھوارے (کھجور) بھی کھالیں تا کہ روزے کی ابتداء بھی چھوہاروں سے ہو اور انتہا بھی۔ سحری کھانا بھی سنت ہے اور چھورے کھانا بھی سنت ہے۔ اس صورت میں دو سنتوں کا اجتماع ہو کر روزہ انشاء اللہ نورٌ علی نور ہو جائے گا۔

---

(۱) بخاری، کتاب الصوم، باب ۲۰، حدیث نمبر ۱۹۲۳ (۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۶، حدیث نمبر ۱۹۱۶ (۳،۴) مسلم، کتاب الصیام، باب ۸، حدیث نمبر ۲۵۳۵، ۲۵۳۸ (۵) بخاری، کتاب الشہادات، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۶۵۶ (۶) مسلم، کتاب الصیام، باب ۹، حدیث نمبر ۲۵۵۰ (۷) سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ۲۲، حدیث نمبر ۱۶۹۳ (۸) حاشیہ سنن ابی داؤد، تحت حدیث سحری (۹) سنن نسائی، کتاب الصیام، باب ۲۴ حدیث نمبر ۲۱۶۱ (۱۰) سنن نسائی کتاب الصیام، باب ۲۵، حدیث نمبر ۲۱۶۲ (۱۱) سنن نسائی کتاب الصیام، باب ۲۸، حدیث نمبر ۲۱۶۶ (۱۲) مشکوٰۃ، باب رویۃ الھلال، صفحہ ۱۷۶

افطاری میں عجلت بھلائی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

لایزال الناس بخیر ماعجلوا الفطر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار جلدی کرتے رہیں گے''۔(بہ روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب رات اِدھر سے آ جائے اور دن اُدھر سے چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار افطار کرے''۔ (بہ روایت حضرت عمرؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں مجھے بہت پیارے وہ ہیں جو افطار میں جلدی کریں''۔ (بروایت حضرت ابوہریرہؓ)[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرنے لگے تو چھوارے پر افطار کرے کہ یہ برکت ہے پھر اگر چھوارہ نہ پائے تو پانی پر افطار کرے کہ یہ پاک کرنے والا ہے''۔

(بروایت حضرت سلمان بن عامرؓ)[4]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے پہلے چند تر کھجوروں پر روزہ افطار

کرتے تھے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو چھواروں پر اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔ [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو روزہ دار کو افطار کرائے یا غازی کو سامان دے تو اسے ان ہی کی طرح ثواب ہے"۔ (بروایت حضرت زید بن خالدؓ) [6]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روزہ سے افطار کرتے تو فرماتے کہ "پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور انشاء اللہ ثواب ثابت ہوگیا"۔ [7]

حضرت معاذ بن زہرہ کہتے ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار کرتے تو فرماتے "**اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت**" "الٰہی میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا"۔ [8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دین غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کرتے رہیں کیوں کہ یہود اور عیسائی دیر سے افطار کرتے ہیں"۔ [9]

حضرت ابوعطیہؓ کہتے ہیں کہ میں اور مسروقؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گئے۔ ہم نے عرض کیا: اے ام المؤمنینؓ! حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے دو حضرات ہیں ایک تو افطار بھی جلد کرتے ہیں اور نماز بھی جلد پڑھتے ہیں اور دوسرے صاحب افطار بھی دیر سے کرتے ہیں اور نماز بھی دیر سے پڑھتے ہیں۔ حضرت ام المؤمنین نے یہ سن کر دریافت فرمائیں کون صاحب افطار و نماز میں جلدی کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ"۔ فرمائیں "ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے" اور دوسرے حضرت ابوموسیٰ ہیں۔ [10]

حضرت مالکؒ نے عبدالکریم بن ابی المخارق کو یہ کہتے سنا کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں دیر کرنا یہ عمل نبوۃ سے ہے۔ [11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ آمد ماہ صیام میں ماہ رمضان مبارک کے فضائل کے ضمن میں یہ ارشاد فرمایا کہ ''.....جو اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش اس کی گردن کی آزادی آگ سے ہوگی اور اسے روزہ دار کا سا ثواب ملے گا، اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم ہو''۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہؐ! ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا گھونٹ بھر پانی سے افطار کرائے اور جو روزہ دار کو سیر کرے اللہ اسے میرے حوض سے وہ پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہوگا حتی کہ جنت میں داخل ہو جائے۔....''۔ (بہ روایت حضرت سلمان فارسیؓ)[12]

- افطار میں جلدی کرنا یعنی جب کہ غروب آفتاب کے بعد اتنی تاخیر کرنا کہ تارے نکل آئیں مکروہ ہے ☆ غروب پوری طرح ہونے کی علامت یہ ہے کہ مشرق سے سیاہی اٹھنے لگے۔ (نصاب)

---

(۱) بخاری، کتاب الصوم، باب ۴۵، حدیث نمبر ۱۹۵۷ (۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۴۳، حدیث نمبر ۱۹۵۴ (۳) ترمذی، کتاب الصوم، باب ۱۳، حدیث نمبر ۷۰۰ (۴) ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ۲۶، حدیث نمبر ۶۵۸ (۵) ترمذی، کتاب الصوم، باب ۱۰، حدیث نمبر ۶۹۶ (۶) بیہقی شعب الایمان (۷، ۸) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۲۲، حدیث نمبر ۲۳۵۴، ۲۳۵۵ (۹) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۲۰، حدیث نمبر ۲۳۵۰ (۱۰) مسلم، کتاب الصیام، باب ۹، حدیث نمبر ۲۵۵۶ (۱۱) مالک موطا (۱۲) مشکوٰۃ

اعتکاف گناہوں سے روکتا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

ھو یعکف الذنوب و یجری لہ من الحسنات کعامل الحسنات کلھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ ''اعتکاف گناہوں سے باز رکھتا ہے اور معتکف کو تمام نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے تمام نیکیاں کرنے والے کی طرح''۔

(بہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما)[1]

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے۔[2]

اعتکاف ''علف'' سے بنا ہے جس کے معنی قائم رہنا یا ٹھہرنا ہیں۔قرآن حکیم میں نو جگہوں پر اس موضوع پر ارشادات ہیں۔شریعت مطہرہ میں بہ نیت عبادت مسجد میں خاص ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اعتکاف بڑی پرانی عبادت ہے۔رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا تھا

- ''اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) و اسماعیل (علیہ السلام) کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو۔

طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے''۔(۱۲۵/۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اپنی نذر پوری کرو''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ) [۳]

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے ایک سال نہ کر سکے جب اگلا سال آیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دن اعتکاف کیا۔ [۴]

اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کسی نے نہیں کیا تو سب سنت کے تارک ہوئے اگر ایک نے بھی کرلیا تو سب کی طرف سے ادا ہوگیا۔ مرد تو جماعت والی مسجد میں ہی اعتکاف کرسکتا ہے یعنی جہاں پنجگانہ جماعت سے نماز ہوتی ہو مگر عورت اپنے گھر میں کوئی جگہ پاک وصاف کر کے وہاں ہی اعتکاف کرے جسے مسجد خانہ کہتے ہیں۔ [۵]

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال (ماہ رمضان المبارک میں) دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ وفات شریف کے سال بیس دن اعتکاف کیا۔ [۶]

اس ہمیشگی سے معلوم ہوا کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اور چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم امت کو صراحتہً نہ دیا بلکہ رغبت دی۔ معلوم ہوا کہ یہ اعتکاف واجب نہیں کیوں کہ وجوب کے لئے حکم دینا ضروری ہے۔ لہذا رمضان مبارک کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ پھر سارے مدینہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض صحابہ ہی اعتکاف کرتے تھے سب مسلمان نہ کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ [۷]

حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو مسجد میں رہتے ہوئے میری طرف اپنا سر (اقدس) قریب کر دیتے میں کنگھی کر دیتی اور بجز ضروریات انسانی گھر میں تشریف نہ لاتے۔[۸]

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (الف) واجب (ب) سنت مؤکدہ (ج) مستحب۔

واجب: وہ اعتکاف ہے جس کی نذر کی جائے خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا نہ ہو۔

سنت مؤکدہ: رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف۔

مستحب: واجب اور سنت مؤکدہ کے علاوہ باقی اعتکاف مستحب ہیں۔

☆ اعتکاف واجب اور اعتکاف سنت مؤکدہ دونوں میں روزہ شرط ہے۔ اعتکاف مستحب میں شرط نہیں ☆ اعتکاف واجب کی مقدار کم سے کم ایک دن ہے اور مسنون کی ایک عشرہ (یعنی بیس تاریخ کی شام کو غروب کے وقت مسجد میں داخل ہو اور پھر چاند دیکھنے کے بعد نکل جائے) اور مستحب کی کوئی مقدار مقرر نہیں (ایک دو لحظہ کا بھی ہو سکتا ہے اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی جائے تو روزانہ بہت سے اعتکافوں کا ثواب مل جایا کرے گا)

☆ اعتکاف کی شرطیں یہ ہیں: (الف) مسلمان ہونا (ب) عاقل ہونا (ج) جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا (د) مسجد میں اعتکاف ہونا (ھ) اعتکاف کی نیت کرنا۔

☆ عورت اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھا کرتی ہے وہیں اعتکاف کرے ☆ معتکف کو قرآن مجید کی تلاوت، کتب دینی کے مطالعہ، درود شریف کی کثرت، نیک اور اچھی باتوں میں مشغول رہنا چاہئے (بالکل خاموش رہنا یا لغو باتیں کرنی مکروہ ہے) ☆ حالت اعتکاف میں مسجد میں کھانا کھانا، پانی پینا، سونا، حاجت کی

چیزیں خریدنا (بشرطیکہ مسجد کے اندر نہ ہو) اور نکاح کرنا جائز ہے☆ معتکف کو پیشاب، پاخانے کیلئے، فرض غسل کے لئے، وضو کے لئے اور جمعہ کے لئے زوال کے وقت یا اتنی دیر پہلے کہ جامع مسجد کو پہنچ کر خطبہ سے قبل سنت پڑھ سکے مسجد سے نکلنا جائز ہے مگر ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرے☆ بلا عذر قصداً یا سہواً مسجد سے باہر نکلنے، صحبت کرنے اور کسی عذر سے باہر نکل کر ضرورت سے زیادہ ٹھہرنے اور بیماری یا خوف کی وجہ سے مسجد سے نکل آنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے☆ اعتکاف فاسد ہونے پر اگر واجب اعتکاف ہو تو قضاء کرنا واجب ہے سنت و مستحب ہو تو ضروری نہیں ۔ (الفاظ: نصاب ج ۵)، (اعتکاف کی قسم دوم سنت موکدہ ''کفایہ'' ہے کہ اگر ایک شخص بھی کر لے تو سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے) ۔[۹]

---

(۱)ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ٦٧، حدیث نمبر ۱۷۸۱ (۲) بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ۱، حدیث نمبر ۲۰۲٦ (۳) بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ۱۵، حدیث نمبر ۲۰۴۲ (۴) ترمذی، کتاب الصوم، باب ۷۹، حدیث نمبر ۸۰۳ (۵) لمعات، مرقاۃ (٦) بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۰۴۴ (۷) مرآت ج ۳ (۸) بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ۳، حدیث نمبر ۲۰۲۹ (۹) نصاب اہل خدمات شرعیہ

حج فرض ہے

قال رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم

ايها الناس! قد فرض الله عليكم الحج فحجوا فقال رجل: اكل عام؟ يا رسول الله! فسكت: حتى قالها ثلاثا، فقال رسول الله ﷺ: لو قلت: نعم، لو جبت، ولما استطعتم، ثم قال: ذرونى ما تركتكم، فأنما هلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم و اختلافهم على انبيائهم، فاذا امرتكم بشىء فأتوا منه ما استطعتم، واذا نهيتكم عن شى ء فدعوه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ ’’اے لوگوں! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہذا تم لوگ حج کرو‘‘۔ (اس ارشاد مبارکہ کو سن کر) ایک شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہر سال حج کرنا چاہیئے؟۔ آپ خاموش رہے تاآنکہ تین دفعہ وہ یہی سوال کرتا رہا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ’’اگر میں اس وقت ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) فرض ہو جاتا اور تم لوگ کبھی نہیں کر سکتے۔ تم لوگ مجھے چھوڑ دو (یعنی مجھ سے مت پوچھو) جب تک میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی کوئی حکم نہ دوں) (یعنی میں جیسا حکم دوں اس کو اسی حالت پر چھوڑ دو اس میں پوچھ تاچھ مت کرو) تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اسی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے کہ وہ کثرت سے پوچھ تاچھ کیا کرتے تھے اور بکثرت اپنے پیغمبروں کے سامنے اختلاف کیا کرتے

تھے۔جب میں تم کو کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو تم اس کی حتی الامکان تعمیل کیا کرو اور جب میں تم کو کسی کام کے کرنے سے منع کردوں تو تم اس سے احتراز کرو"۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس حدیث شریف میں بڑے فائدے ہیں اور مروی ہے کہ وہ سوال کرنے والے حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے☆ اور یہ جو فرمایا کہ "مجھے چھوڑ دو۔الخ" اس سے ثابت ہوا کہ بندوں پر کوئی چیز واجب نہیں جب تک شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے کوئی حکم نہ پہنچے اور یہی سچا مذہب ہے☆ احکام میں آپ نے فرمایا جتنا ہو سکے بجالاؤ (حتی الامکان تعمیل کرو) معلوم ہوا کہ احکام جب فرض ہوتے ہیں کہ ان کی استطاعت ہو اور مناہی میں آپ نے یہ قید نہیں لگائی کہ اس سے بہر حال بچنا ضرور ہے اس لئے جلب منفعت دفع مضرت سے زیادہ اہم ہے۔غرض یہ فرمانا آپ کا کہ جب میں حکم کروں تم کو۔الخ جوامع الکلم میں سے ہے کہ ہزارہا مسائل ہیں☆ جتنا ممکن ہو بجالاؤ اور جس پر قدرت نہ ہو وہ معاف ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص کو زادراہ اور سواری کی مقدرت ہو جو اس کو خانہ کعبہ تک پہنچا سکے اور پھر ایسا شخص حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ایسا شخص یہودی یا نصرانی ہو کر مرے۔" (بروایت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ)[3]

اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "حج ہر سال (فرض ہوتا ہے) یا (عمر بھر میں) ایک دفعہ؟۔آپ نے فرمایا کہ (ہر سال فرض نہیں ہوتا) بلکہ (عمر بھر میں) ایک ہی مرتبہ (فرض ہے) اور جو شخص ایک سے زیادہ حج کرے وہ نفل ہوگا"۔[4]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کا حج کا ارادہ ہو اس کو جلدی کرنا چاہئیے (ایسا نہ ہو کہ مرجائے یا مفلس ہو جائے)۔[5]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بچے اور بوڑھے اور ناتوان اور کمزور اور عورتوں کے لئے حج اور عمرہ ہی جہاد ہے''۔[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''..حج ان گناہوں کو دفع کر دیتا ہے جو پیشتر ہوئے ہیں''۔[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟۔ارشاد فرمایا ''اللہ اور رسول پر ایمان''۔عرض کیا گیا ''پھر کیا؟''۔فرمایا کہ ''اللہ کی راہ میں جہاد''۔عرض کیا گیا ''پھر کیا؟''۔فرمایا ''حج مبرور''۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''حج وعمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے''۔[9]

---

(۱) مسلم، کتاب الحج، باب ۳۷، حدیث نمبر ۳۲۵۷ (۲) نووی، ترجمہ وحیدی (۳) ترمذی، کتاب الحج، باب ۳، حدیث نمبر ۸۱۲ (۴) سنن ابو داؤد، کتاب المناسک، باب ۱، حدیث نمبر ۱۷۱۸ (۵) سنن ابو داؤد، کتاب المناسک، باب ۶، حدیث نمبر ۱۷۲۹ (۶) سنن نسائی، کتاب المناسک الحج، باب ۴، حدیث نمبر ۲۶۲۵ (۷) مسلم، کتاب الایمان، باب ۵۴، حدیث نمبر ۳۲۱ (۸) بخاری، کتاب الایمان، باب ۱۸، حدیث نمبر ۲۶ (۹) ترمذی، کتاب الحج، باب ۲، حدیث نمبر ۸۱۰

میقات

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

يهل اهل المدينة من ذى الحليفة ويهل اهل الشأم من الجحفة ويهل اهل نجد من قرن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ والے ذی الحلیفہ سے احرام باندھیں

اور شام والے جحفہ سے احرام باندھیں اور نجد والے قرن سے احرام باندھیں۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یمن والے یلملم سے احرام باندھیں''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ)[2]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے لئے میقات مقرر فرما دی ہے، لہذا اہل مدینہ کی (میقات) ذی الحلیفہ ہے اور شام والوں کی جحفہ ہے اور اہل نجد کی قرن اور اہل یمن کی یلملم ہے۔ یہ (میقات) ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان مقامات کے رہنے والے (مثلاً مدینہ کے رہنے والے کو ذی الحلیفہ سے احرام باندھنا چاہئے) ہوں۔ (جن کے لئے یہ میقات ہے) یا جن اشخاص کا ان (میقات) پر گزر ہو (عام اس سے کہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں) اور یہ میقات ان لوگوں کے لئے ہیں جن

کا حج اور عمرہ کا ارادہ ہو اور جو لوگ میقات سے ادھر ہی رہتے ہیں تو ان کو اپنے گھر میں سے احرام باندھنا چاہیے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا، تا آں کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ محرم (مرد) کو کون کون سے کپڑے پہننے جائز ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ محرم نہ کرتا پہنے نہ عمامہ باندھے نہ کوٹ پہنے نہ پاجامہ پہنے نہ موزے پہنے مگر جب نعلین میسر نہ ہو تو (موزے پہنے لیکن) ان دونوں کو اتنا کاٹ ڈالے کہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔ (مطلب یہ ہے کہ جوتے کی طرح ہو جائیں) اور نہ ایسے کپڑے پہنے جو ''ورس'' (ایک خوشبودار گھاس) یا زعفران میں رنگے گئے ہوں۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ) [۴]

بخاری شریف کی ایک اور روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ احرام والی عورت منہ پر نقاب نہ ڈالے دستانہ نہ پہنے۔ [۵]

فقہاء کا ارشاد ہے کہ احرام باندھتے ہی حسب ذیل تمام کام حرام ہو جاتے ہیں۔ منہ یا سر کسی کپڑے سے چھپانا (عورتوں کے لئے سر اور بال چھپانا شرط ہے، البتہ منہ نہ چھپاے) عمامہ باندھنا، بستہ یا گٹھری سر پر رکھنا، دستانے موزے، جرابیں پہننا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، خوشبو بدن، بال یا کپڑوں میں لگانا، خالص خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دارچینی وغیرہ کھانا، سر یا ڈاڑھی کو کسی ایسی چیز سے دھونا کہ جوئیں مرجائیں، وسمہ یا مہندی کا خضاب، گوند سے بال جمانا، زیتون کا تیل، تل کا تیل بے خوشبو ہی سہی لگانا، کسی کا سر مونڈنا، جوں مارنا، کسی کو اس کو مارنے کا اشارہ کرنا یا انھیں دھوپ میں ڈالنا، جنگل کا شکار یا شکار کے لئے اشارہ، ذبح کرنے کے لئے چھرا دینا، شکار کے لئے بندوق بارود وغیرہ دینا، پرندے کے انڈے توڑنا، پر اکھیڑنا، بازو اکھیڑنا، شکار کے جانور کا دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا انڈے پکانا، بھوننا، بیچنا، خریدنا اور کھانا، اپنا یا کسی اور کا ناخن کترنا یا کتروانا، سر سے پاؤں تک کہیں سے بھی بال اکھیڑنا، بدن سے جدا کرنا، عورت سے مقاربت، بوس و کنار

،مساس یا گلے لگانا یا ہیجان انگیز گفتگو کرنا فحش باتیں، بدکلامی اور گالی گلوج سب حرام اور گناہ ہیں۔

احرام میں حسب ذیل امور جائز ہیں۔ایسی چیز کا استعمال جس سے سر اور منہ نہ چھپے مثلاً سائے میں بیٹھنا، چھتری کا استعمال ،ہیمیانی ، پٹی ، بیلٹ ،ہتھیار باندھنا ، بے میل چھڑائے نہانا ، پانی میں غوطہ لگانا ، کپڑے دھونا، مسواک کرنا، انگوٹھی پہننا، بے خوشبو سرمہ لگانا، ڈاڑھ اکھیڑنا، ٹوٹے ہوئے ناخن کو جدا کرنا، دنبل یا پھنسی توڑنا، سر یا بدن ایسے کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے۔پالتو جانور گاؤ، اونٹ، بکری، مرغی ذبح کرنا، کھانا، کھانے کے لئے مچھلی کا شکار، بیرون حرم کی گھاس اکھیڑنا یا درخت کاٹنا، چیل، کوا، گرگٹ، چھپکلی ، سانپ، بچھو، کھٹمل ، مچھر، پسو، مکھی وغیرہ خبیث اور موذی جانوروں کا مارنا، اگرچہ کہ حرم میں ہو، منہ یا سر کے سواء کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا، سر کے نیچے تکیہ رکھنا جائز ہے۔عورت کے لئے سلے ہوئے کپڑے، دستانے ،موزے پہننا، گوند وغیرہ سے بال جمانا وغیرہ سب روا ہیں۔

عورت کا احرام مرد کی طرح ہے البتہ عورت کو سر ڈھانکنا واجب ہے (عورت کو چاہئے کہ احرام کی حالت میں سر پر چھوٹا رومال باندھے تا کہ سر نہ کھلے یہ حکم وجوب ستر کے لئے ہے اور اس سے بال ٹوٹنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں) منہ پر کپڑا لگانا منع ہے عورت کو سلے ہوئے کپڑے پہننے جائز ہیں احرام میں عورت زیور پہن سکتی ہے تاہم نہ پہننا اولیٰ ہے۔ (عامہ کتب)

---

(۱) بخاری ، کتاب الحج، باب ۸ ، حدیث نمبر ۱۵۲۵ (۲) ایضاً (۳) بخاری ، کتاب الحج، باب ۷، حدیث نمبر ۱۵۲۴ ۱۵۱
(۴) بخاری، کتاب الحج، باب ۲۱، حدیث نمبر ۱۵۴۲ (۵) بخاری، کتاب الجزاء الصید ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۱۸۳۸

تلبیہ

ان تلبية رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلبیہ یہ ہے۔ **لبیک** سے **لا شریک لك** تک۔ یعنی حاضر ہوں میں تیری خدمت میں یا اللہ! حاضر ہوں میں تیری خدمت میں، حاضر ہوں میں تیری خدمت میں ،کوئی شریک نہیں تیرا حاضر ہوں میں تیری خدمت میں، بے شک سب تعریف اور نعمت تیرے لئے ہے اور ملک تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہو گئے جب آپ بیداء کی پہاڑی پر چڑھے تو آپ نے تلبیہ کہنا شروع کیا۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ہے کہ ”چونکہ (اعلان) نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی حج کیا جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے ارادے سے (مدینے سے) نکلے جب ذی الحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی وہیں آپ نے اسی مجلس میں تلبیہ کہا آپ نے حج کا، جب آپ دو رکعت نماز سے فارغ ہو چکے تو بعض لوگوں نے اس کو سنا اور میں نے اس کو یاد

رکھا۔اس کے بعد آپ سوار ہو گئے پھر جب آپ کا اونٹ آپ کو لے کر سیدھا کھڑا ہوا تو (اس وقت) پھر آپ نے تلبیہ کہا تو بعض لوگوں نے اس وقت سنا اس وجہ سے کہ لوگ ایک ایک ٹکڑی ہو کر چلے آتے تھے تو لوگوں نے سمجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت تلبیہ کہا۔ پھر جب آپ بیداء کی بلندی پر پہنچے تو پھر آپ نے تلبیہ کہا تو بعض لوگوں نے سمجھا کہ آپ نے اسی وقت تلبیہ کہا۔ خدا کی قسم ہے آپ نے اسی مقام پر احرام باندھا جہاں آپ نے نماز پڑھی اور پھر آپ نے اسی وقت تلبیہ کہا۔ پھر جب آپ کا اونٹ سیدھا کھڑا ہوا اس وقت اور جب آپ بیداء کی بلندی پر چڑھے اس وقت تلبیہ کہا۔[۳]

عمرہ کرنے والا حجر (اسود) کا بوسہ لینے کے بعد تلبیہ موقوف کر دے۔(بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جبرئیلؑ نے میرے پاس آ کر مجھے (منجانب اللہ تعالیٰ) یہ کہا کہ میں اپنے اصحاب کو یہ حکم دوں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ کہا کریں''۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو مسلمان **لبیك** کہتا ہے تو داہنے بائیں جو پتھر یا درخت یا ڈھیلا ختم زمین تک ہے **لبیك** کہتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت سہلؓ بن سعد)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' **لبیك** کہنے والا جب **لبیك** کہتا ہے تو اسے جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''محرم جب آفتاب ڈوبنے تک **لبیك** کہتا ہے تو آفتاب ڈوبنے کے ساتھ اس کے گناہ غائب ہو جاتے ہیں اور ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ اسی دن پیدا ہوا ہو''۔[۸]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا حج بہتر ہے؟ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''جس میں عج (بلند آواز سے تلبیہ) اور ثج (قربانی) ہو''۔[۹]

فقہا کا ارشاد ہے کہ حج کی تینوں قسموں یا صورتوں یعنی تمتع ،قران اور افراد میں عمرہ اور حج کے احرام اور نیت کے بعد **لبیک** با آواز بلند کہے۔ **لبیک** کی کثرت کریں اور جب شروع کریں تین بار کہیں۔ کتب فقہ میں مندرج ہے، مسئلہ: **لبیک** کے الفاظ جو مذکور ہوئے ہیں ان میں کمی نہ کی جائے زیادہ کرسکتے ہیں بلکہ بہتر ہے مگر زیادتی آخر میں ہو درمیان میں نہ ہو۔[10]

مسئلہ: جو شخص بلند آواز سے **لبیک** کہہ رہا ہے تو اس کو اس حالت میں سلام نہ کیا جائے کہ مکروہ ہے اور اگر کرلیا تو ختم کرکے جواب دے، ہاں اگر جانتا ہو کہ ختم کرنے کے بعد جواب کا موقع نہ ملے گا تو اس وقت جواب دے سکتا ہے (منسک) مسئلہ: احرام کے لئے ایک مرتبہ زبان سے **لبیک** کہنا ضروری ہے اور اگر اس کی جگہ **سبحان اللہ** یا **الحمدللہ** یا **لا الہ الا اللہ** یا کوئی اور ذکر الٰہی کیا اور احرام کی نیت کی تو احرام ہو گیا مگر سنت لبیک کہنا ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)۔ گونگا ہو تو اسے چاہئے کہ ہونٹ کو جنبش دے۔ مسئلہ: احرام کے لئے نیت شرط ہے اگر بغیر نیت **لبیک** کہا احرام نہ ہوا یونہی تنہا نیت بھی کافی نہیں۔ جب تک **لبیک** یا اس کے قائم مقام کوئی چیز نہ ہو (عالمگیری) مسئلہ: احرام کے وقت **لبیک** کہے تو اس کے ساتھ نیت بھی ہو یہ بارہا معلوم ہو چکا ہے کہ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں دل میں ارادہ نہ ہو تو احرام ہی نہ ہوا اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی کہے۔ قران میں **لبیک بِاالعُمْرَةَ وَالْحَجَّ** اور تمتع میں **لبیک بِاالعُمْرَةَ** اور افراد میں **لَبَّيْكَ بِالحجّ** کہے۔[11]

---

(۱) بخاری، کتاب الحج، باب ۲۶، حدیث نمبر ۱۵۴۹ (۲،۳) ابو داؤد، کتاب المناسک، باب ۲۱، حدیث نمبر ۱۷۶۷، ۱۷۷۱ (۴) ترمذی، کتاب الحج، باب ۷۹، حدیث نمبر ۹۱۹ (۵) ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب ۱۶، حدیث نمبر ۲۹۲۲ (۶) ترمذی، کتاب الحج، باب ۱۴، حدیث نمبر ۸۲۸ (۷) طبرانی اوسط (۸) ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۹۲۵ (۹) ترمذی، کتاب الحج، باب ۱۴، حدیث نمبر ۸۲۷ (۱۰) جوہرہ، بہار شریعت (۱۱) درمختار

حجر اسود سے حجر اسود تک

کان اذا طاف بالبیت الطواف الاول، یخب ثلاثة اطواف، ویمشی اربعة، وانه کان یسعی بطن المسیل، اذا طاف بین الصفا والمروة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنگ اسود سے سنگ اسود تک تین تین چکروں میں رمل فرماتے اور چار میں معمولی رفتار اور جب صفا مروہ کی سعی کی تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ)[1]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے تو مسجد میں داخل ہوئے۔ پھر آپ نے حجر اسود کو چھوا پھر آپ اپنے دائیں چلے تو آپ نے تین طواف میں رمل کیا اور چار طواف میں معمولی رفتار سے چلے۔ پھر آپ مقام ابراہیم کے پاس آئے اور یہ آیت پڑھی **و اتخذوا من مقام ابراھیم مصلی** اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی (اس طرح کہ) مقام آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا دو رکعتیں پڑھنے کے بعد پھر آپ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو چھوا اس کے بعد آپ صفا کی جانب تشریف لے گئے۔[2]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ کے دو گوشوں یمانیوں کے سواء کسی اور چیز کو چومتے نہ دیکھا۔[3] (کعبہ مشرفہ ایک مربع مستطیل مکان ہے اس کے دو رکن یمن کی جانب جو واقع ہیں وہ رکنین یمانیین یعنی منسوب بہ یمن کہلاتے ہیں انہیں دونوں رکن میں سے ایک کو حجر اسود

لگا ہوا ہے اور دوسرا رکن یمانی کہلاتا ہے دوسرے دو رکن جو شام کی جانب واقع ہیں رکن شامیین یعنی منسوب بہ شام کہلاتے ہیں)۔

حضرت ابی الطفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا آپ اپنے پاس ہاتھ کی چھڑی سے سنگ (اسود) کو چھوتے اور چھڑی چوم لیتے۔[۴]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کے سامنے آئے اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پر تشریف لائے تو اس پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آ گیا تو اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس قدر اللہ کا ذکر و دعا کرتے رہے جتنا رب نے چاہا۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے بجز اس کے کہ تم اس میں بات کر سکتے ہو تو جو طواف کرے تو اچھا ہی کلام کرے۔'' (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''حجر اسود جنت سے آیا وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا اسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کر دیا۔'' (بروایت حضرت ابن عباسؓ)[۷]

حضرت عبدالرحمٰن بن صفوانؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کعبہ کے اندر سے نکلے اور سب لوگ کعبہ کے دروازے سے لے کر حطیم تک اس کو لپٹے ہوئے تھے اور اپنی گال اس پر رکھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب کے درمیان تھے۔[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں جن کی روشنی اللہ تعالیٰ نے چھپالی ہے اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو پورب و پچھّم کے درمیان جگمگا دیتے۔'' (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ)[۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''طواف کرنے والا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا نہیں اٹھاتا مگر رب تعالیٰ ان کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک نیکی لکھتا ہے۔'' [10]

حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا۔ [11]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے جعرانہ سے عمرہ کیا تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے بائیں کندھے پر ڈالا۔ [12]

حضرت حنظلہؓ کہتے ہیں کہ میں نے طاوسؒ کو دیکھا کہ جب وہ رکن (حجراسود) کے پاس آتے تھے اور وہاں لوگوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھتے تھے تو چلے جاتے تھے اور لوگوں کی مزاحمت نہ کرتے تھے اور جب اس کو لوگوں سے خالی پاتے تھے تو تین دفعہ اس کو چومتے تھے پھر فرماتے کہ میں نے ابن عباسؓ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ [13]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ''رکن (اسود) اور (کعبہ کے) دروازہ کے مابین ملتزم ہے (یعنی وہ مقام جہاں کعبہ کی دیوار سے لپٹنا چاہیئے)۔'' [14]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صفا سے نیچے اترے تھے تو اپنی معمول کی چال سے چلتے تھے پھر جب آپ کے قدم بطن وادی (وہ پست مقام جو صفا مروہ کے درمیان ہے) میں اتر جاتے تھے تو آپ اس میں سے نکلنے تک دوڑتے تھے۔ [15]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پھر اس طواف کے بعد آپ خانہ کعبہ کے پاس نہ گئے تا آں کہ آپ عرفات سے واپس تشریف نہ لائے۔[١٦] (یہ طواف قدوم کہلاتا ہے جو مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا جاتا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عبد مناف کی اولاد! تم کسی شخص کو اس گھر کے طواف کرنے سے اور یہاں نماز پڑھنے سے نہ روکو جس وقت چاہے طواف کرے اور جس وقت چاہے نماز پڑھے رات ہو یا دن''۔ (بہ روایت حضرت جبیر بن مطعمؓ)[١٧]

ابن عباسؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نحر کے دن (بقر عید کے دن یعنی طواف زیارت میں) طواف میں رات تک تاخیر کی۔[١٨]

نافع ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نحر کے دن طواف افاضہ کیا پھر آپ (مکہ سے) واپس ہوئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی۔[١٩]

---

(١) بخاری، کتاب الحج، باب ٦٣، حدیث نمبر ١٦١٧ (٢) ترمذی، کتاب الحج، باب ٣٣، حدیث نمبر ٨٥٦ (٣) مسلم، کتاب الحج، باب ٤٠، حدیث نمبر ٣٠٦١ (٤) مسلم، کتاب الحج، باب ٤٢، حدیث نمبر ٣٠٧٧ (٥) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب ٤٥، حدیث نمبر ١٨٦٩ (٦) ترمذی، کتاب الحج، باب ١١٢، حدیث نمبر ٩٦٠ (٧) ترمذی، کتاب الحج، باب ٤٩، حدیث نمبر ٨٧٧ (٨) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب ٥٤، حدیث نمبر ١٨٩٥ (٩) ترمذی، کتاب الحج، باب ٤٩، حدیث نمبر ٨٧٨ (١٠) ترمذی، کتاب الحج، باب ١١١، حدیث نمبر ٩٥٩ (١١) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب ٤٩، حدیث نمبر ١٨٨٠ (١٢) مشکوٰۃ (١٣) سنن نسائی، کتاب مناسک الحج، باب ١٤٨، حدیث نمبر ٢٩٣٨ (١٤، ١٥) مالک موطا (١٦) بخاری، کتاب الحج، باب ٧٠، حدیث نمبر ١٦٢٥ (١٧) سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب ٤١، حدیث نمبر ٥٨٤ (١٨) ترمذی، کتاب الحج، باب ٨٠، حدیث نمبر ٩٢٠ (١٩) مسلم، کتاب الحج، باب ٥٨، حدیث نمبر ٣١٦٥

حاجی نہ فحش کلامی کرے نہ فسق کی باتیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو اللہ کے لئے حج کرے تو نہ فحش کلامی کرے نہ فسق کی باتیں تو ایسا لوٹے گا جیسے اسے ماں نے آج تولد کیا۔'' (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

یعنی جو رضائے حق تعالیٰ کی خاطر خاص اسی کے لئے حج کرے اور فریضہ حج کی ادائیگی کے دوران تمام بری باتوں فحش کلامی اور نازیبا حرکات وسکنات سے باز رہے اور اپنے آپ کو لڑائی جھگڑے فسق و فجور سے دور رکھے اور اعمال حج کو ہر طرح کے فحش وفسق سے پاک وصاف رکھے تو جملہ گناہ صغیرہ سے بالکلیہ مبرا ہو جائے گا اور کبیرہ سے احتمالاً پاک وصاف ہو جائے گا۔ مخلص حاجی یہی ہے اور اسے اجر وثواب بھی زیادہ ملے گا۔

حج عاقل بالغ آزاد تندرست مسلمانوں پر واجب ہے جب کہ انہیں توشہ اور سواری پر قدرت ہو۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام روحا میں ایک قافلہ کو شرف ملاقات بخشا۔ حضور انورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ''کون ہو؟'' تو وہ بولے ''ہم مسلمان ہیں''۔ انہوں نے

عرض کی کہ ''آپ؟'' تو ارشاد فرمایا ''میں اللہ کا رسولؐ ہوں'' (یہ سن کر ان لوگوں کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور شرف کلام سے مشرف ہو رہے ہیں) ان میں سے ایک عورت نے ایک بچہ کو آپ کی طرف اٹھایا اور یہ پوچھنے کی سعادت حاصل کی کہ کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہاں اور تجھے ثواب ہے''۔[۲]

اس ارشاد مبارکہ سے واضح ہوتا ہے بچوں کی نیکیوں کا ثواب ماں باپ کو بھی ملتا ہے۔ بچہ کو حج کرایا جائے تو بچہ کو بھی حج کا ثواب ملے گا کہ حج کیا اور ماں باپ کو بھی حج کرانے کا ثواب ملتا ہے۔ فقہا کا ارشاد ہے کہ اگرچہ نابالغ بچہ کا حج ثواب کے لحاظ سے تو ہو جائے گا مگر اس سے حجۃ الاسلام ادا نہ ہوگا۔ بالغ ہونے پر پھر حج کرنا پڑے گا۔

قبیلہ خشعم کی ایک عورت نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! اللہ کے فریضہ نے جو حج کے متعلق بندوں پر ہے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے (یعنی اسلام میں فرضیت حج کا حکم جب آیا تو وہ بوڑھے تھے یا یوں کہ ان کے پاس مال بڑھاپے میں آیا یا اس نے حج نہ کیا یہاں تک کہ بوڑھا ہو گیا یا یہ کہ اس پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا) جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تھا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ''ہاں''۔[۳]

فقہا فرماتے ہیں کہ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ایک ایسا شخص جو معذور ہو اور اتنا کمزور و ضعیف کہ اس کے اچھا ہونے یا اس میں طاقت پلٹ آنے کی کوئی توقع نہ ہو ایسا شخص حج بدل کرا سکتا ہے۔ مخفی مبادکہ حج نفل میں طاقتور آدمی بھی کرا سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ واضح ہوا کہ مرد کی طرف سے عورت بھی حج کر سکتی ہے (اگرچہ کہ مرد و عورت کے طریقہ حج میں قدرے فرق ہوتا ہے)۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک دفعہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور وہ مرگئی (بغیر نذر پوری کیئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو (کیا) تو ادا کرتا؟ اس نے عرض کی ''ہاں'' ضرور ادا کرتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تو اللہ کا قرض بھی ادا کرو وہ تو زیادہ ادا کے لائق ہے''۔

(بہ روایت ابن عباسؓ)[5]

اللہ تعالیٰ کا حق بندوں کے حق سے زیادہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد استحباب پر مبنی ہے یعنی بہتر ہے کہ تو اس کی طرف سے (یعنی اپنی بہن کی طرف سے) حج کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی (غیر محرم) شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے اور نہ کوئی عورت بغیر کسی محرم کے اکیلی سفر کرے۔'' (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[6]

محرم یعنی عورت کا ایسا رشتہ جس سے نسب، رضاعت یا مہریت کی وجہ سے ہمیشہ نکاح حرام ہو لہٰذا رضاعی بھائی، خسر و داماد کہ سب محرم ہیں ان کے ساتھ سفر جائز ہے۔ لہٰذا اگر عورت مکہ معظّمہ سے تاحد مسفر دور ہو اس پر بغیر محرم حج فرض نہ ہوگا۔ یہ ہی مذہب احناف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوئی عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو ایک دن اور رات کا سفر اس کے بغیر نہ کرے کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[7]

حج کرنے والے پر ضروری ہے کہ رہائش کے گھر اور ضرورتوں اور عیال کے لوٹنے تک کے نفقہ پر قادر ہو۔ اور راستہ مامون ہو۔ اور عورت کے حق میں اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا کہ اس کے ساتھ کوئی محرم بھی ہو جس کے ہمراہ وہ حج کر سکے یا ساتھ میں شوہر ہو۔ حج کے واجب ہونے کی شرطیں ثابت ہونے پر

ایک بار حج فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمرہ کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہیں، اگر تم عمرہ کرو تو بہتر اور افضل ہے (واجب نہیں)۔" (بروایت حضرت جابرؓ)[8]

---

(۱) بخاری، کتاب الحج باب ۴، حدیث نمبر ۱۵۲۱ (۲)(۲) مسلم، کتاب الحج، باب ۲۷، حدیث نمبر ۳۲۵۳ (۳) بخاری، کتاب الجزاء الصید، باب ۲۳، حدیث نمبر ۱۸۵۴ (۴) مراۃ ج ۴ (۵) بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب ۳۰، حدیث نمبر ۶۶۹۹ (۶) بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ۱۴۰، حدیث نمبر ۳۰۰۶ (۷) بخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۱۰۸۸ (۸) ترمذی، کتاب الحج، باب ۸۸، حدیث نمبر ۹۳۱

عمرہ سے عمرہ تک

قال رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم

العمرة الى العمرة كفارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے ان گناہوں کے لئے جوان دونوں کے درمیان سرزد ہوئے ہوں اور حج مبرور کے لئے بجز جنت کے اور کوئی بدلہ نہیں ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارک میں عمرہ اور حج دونوں کا ذکر شریف ہے۔ ''حج'' ح کے زبر سے بمعنی قصد وارادہ۔ اور ''حج'' ح کے زیر سے بمعنی سال اور برس ہے چوں کہ حج سال میں ایک بار ہوتا ہے اور اس میں بیت اللہ کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے لہذا اسے حج کہتے ہیں۔ عمرہ ''عمر'' سے بنا بمعنی زندگی، چوں کہ یہ عبادت عمر بھر میں ہر وقت کی جاسکتی ہے اس لئے عمرہ کہا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ عمرہ بمعنی آبادی ہو، چوں کہ بیت اللہ اس عبادت کے بدولت ہر وقت آباد رہتا ہے لہذا اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔ (صدر الافاضل۔ اشرف التفاسیر)

علماء فرماتے ہیں کہ دو عمروں کے درمیان کے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں اور حج مقبول میں گناہ کبیرہ کی معافی کی بھی قوی امید ہے ۔ (مرات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ماہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''حج وعمرہ ملا کر کیا کرو کہ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو اور مقبول حج کا ثواب جنت کے سوا اور کچھ نہیں''۔[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! کونسی چیز حج فرض کرتی ہے؟''۔حضورؐ نے فرمایا ''توشہ اور سواری''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ ''حاجی کون ہے؟''۔حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''میلا اور بودار'' پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! کونسا حج افضل ہے؟''۔حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''شور مچانا (یعنی احرام باندھتے ہی بلند آواز سے تلبیہ کہتے رہنا)، خون بہانا (یعنی دسویں ذی الحجہ کو قربانی دینا)''۔پھر ایک اور شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! سبیل کیا چیز ہے؟''۔رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''توشہ اور سواری''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ)[5]

کامل حاجی کی دو علامتیں۔ پراگندگی بال سر میلا۔ کیوں کہ بحالت احرام بال ٹوٹنے کے اندیشہ سے سر کم دھوتے ہیں۔اور بو والا کیوں کہ بحالت احرام خوشبو لگانا منع ہے۔حاجی بحالت حج دنیاوی تکلفات سے ایک دم کنارہ کش ہو جاتا ہے ☆ توشہ سے مراد اپنا سفر کا سامان نان نفقہ و دیگر خرچ اور اپنے بال بچوں اور گھر کا خرچ اس کی واپسی تک اور سواری میں وہ ساری سواریاں داخل ہیں جن سے مکہ مکرمہ کا راستہ طئے ہو۔

---

(۱) بخاری، کتاب العمرۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۱۷۷۳ (۲) بخاری، کتاب العمرۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۱۷۸۲ (۳) ترمذی، کتاب الحج، باب ۲، حدیث نمبر ۸۱۰ (۴) ترمذی، کتاب الحج، باب ۴، حدیث نمبر ۸۱۳ (۵) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۴/۳، حدیث نمبر ۲۹۹۸

پہلے نماز پھر قربانی

قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم

ان اول مانبدأ به في يومنا هذاان نصلى، ثم نرجع فننحر من فعله فقد اصاب سنتنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سب سے پہلے جو چیز ہم آج کے دن (۱۰/ذی الحجہ، عیدالاضحیٰ کے روز) کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہیں پھر (گھر کو) واپس لوٹتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں جس شخص نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا (سنت پر عمل کیا)''۔ (بہ روایت حضرت براء رضی اللہ عنہ)[۱]

اسی حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ ''اور جس نے (نماز سے) پہلے ذبح کیا تو وہ صرف گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے تیار کیا ہے قربانی نہ ہوگی''۔[۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا تو اس نے اپنے واسطے ذبح کیا اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی پوری گئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا''۔

(بہ روایت حضرت انس بن مالکؓ)[۳]

(نماز سے پہلے کا ذبیحہ عادت ہے اور بعد نماز (عیدالاضحیٰ) ذبیحہ عبادت ہے ☆ بقرعید کے دن مقصودی عبادتیں دو ہیں نماز اور قربانی جن میں نماز پہلے ہے اور قربانی بعد میں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''آدمی نے یوم النحر میں (یعنی ۱۰/ذی الحجہ کو) کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہو اس کے لئے خون بہانے سے (یعنی قربانی سے زیادہ اس دن کوئی عمل خدا کو محبوب نہیں) اور قربانی کا جانور قیامت کے دن (زندہ ہو کر) آوے گا اپنے سینگ، کھر، بالوں سمیت (یعنی جوں کا توں) اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس ایک درجہ حاصل کرتا ہے تو خوش کرو قربانی سے اپنے دل کو (یعنی قربانی سے بڑے ثواب کی امید رکھو)''۔ (بہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ)[۴]

قربانی میں مقصود خون بہانا ہے گوشت کھایا جائے یا نہ کھایا جائے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت ادا کردے یا اس سے دوگنا، تین گنا گوشت (یا رقم) خیرات کردے قربانی ہرگز ادا نہیں ہوگی (جب تک جانور کو ذبح کر کے خون نہ بہائے) کیوں کہ قربانی حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ کی نقل ہے۔ انہوں نے خون بہایا تھا گوشت یا پیسے خیرات نہ کئے تھے اور نقل وہی درست ہوتی ہے جو مطابق اصل ہو۔ خیال رہے اسلام سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا حرام تھا اسے غیبی آگ جلا جاتی تھی مگر قربانی کا حکم تھا (مرات ج ۲) (یہ قربانی) قربانی کرنے والے کے نیکیوں کے پلڑے میں رکھی جائے گی جس سے نیکیاں بھاری ہوں گی (لمعات، ایضاً) پھر اس کے لئے سواری بنے گی، جس کے ذریعہ یہ شخص (قربانی کرنے والا) آسانی پل صراط سے گذرے گا اور اس کا ہر عضو مالک کے ہر عضو کا فدیہ بنے گا (مرقاۃ، ایضاً) قربانی سے بڑے ثواب کی امید رکھو۔

صحابہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! ان قربانیوں سے کیا فائدہ ہے''۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی ان کا طریقہ ہے)''۔ لوگوں نے عرض کیا پھر ہم کو ان میں کیا ملے گا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلنے سے ہمارا کیا فائدہ ہے۔ آپ نے فرمایا ''جتنے بال (قربانی کی کھال میں) ہوں گے ہر ایک بال کے بدل ایک نیکی ملے گی''۔ لوگوں

نے عرض کی ''اور بھیڑ میں یارسول اللہ!''۔ آپ نے فرمایا ''بھیڑ میں بھی ہر ایک بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی''۔ [۵]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جس نے خوش دلی سے طالب ثواب ہوکر قربانی کی وہ (قربانی) آتشِ جہنم سے حجاب (روک) ہو جائے گی''۔ (بہ روایت حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما) [۶]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص قربانی کرنا چاہے وہ (بقرعید کا چاند دیکھنے کے بعد سے) ۱۰؍ ذی الحجہ تک اپنے ناخن اور بال نہ کٹائے۔ پھر دسویں تاریخ کو قربانی کے بعد حجامت بنائے''۔ (بہ روایت سیدہ ام سلمہؓ) [۷] یہ ممانعت جمہور علماء کے نزدیک تنزیہی ہے۔ (سیوطیؒ)

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا ''مجھے ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو عید کرنے کا حکم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لئے عید بنایا''۔ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر میرے پاس کچھ نہ ہو (قربانی کے مطابق نصاب نہ ہو) اور صرف ایک ہی اونٹنی یا بکری ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ ۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''نہیں (کیونکہ ایک ہی جانور ہے اگر تو نے اسے ذبح کردیا تو تکلیف ہوگی) بلکہ تم اپنے بال کٹواؤ، ناخن اترواؤ اور مونچھوں کے بال چھوٹے کراؤ اور زیرناف بالوں کو صاف کرو، پس اللہ کے نزدیک تمہاری پوری قربانی یہی ہے''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ) [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینگوں والے مینڈھے کے لئے حکم فرمایا جس کے سینگ سیاہ، آنکھیں سیاہ اور جسمانی اعضاء سیاہ ہوں پس وہ لایا گیا تو اس کی قربانی کی تیاری کی اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''اے عائشہ! چھری تو لاؤ'' پھر فرمایا ''اسے پتھر پر تیز کرلینا''۔ پس میں نے ایسا ہی کیا تو (چھری) مجھ سے لے لی اور مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور ذبح کرنے لگے تو کہا ''اللہ کے نام سے

شروع کرتا ہوں اے اللہ! اسے قبول فرما محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے آل محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے پھر اس کی قربانی پیش کر دی''۔ (بہ روایت حضرت عروہ بن زبیرؓ) [9]

حنش نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے دیکھا تو عرض کیا۔ ''یہ کیا بات ہے؟''۔ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی، چناں چہ (ارشاد عالی کی تعمیل میں) اور ایک قربانی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ [10]

(۱۔۳) بخاری، کتاب الاضحیٰ، باب ۱، حدیث نمبر ۵۵۴۵، ایضاً، ۵۵۴۶ (۴، ۵) ابن ماجہ، کتاب الاضحیٰ، باب ۳، حدیث نمبر ۳۱۲۶، ۳۱۲۷ (۶) طبرانی (۷) سنن نسائی، کتاب الضحایا، باب ۱، حدیث نمبر ۴۳۷۳ (۸) سنن نسائی، کتاب الضحایا، باب ۲، حدیث نمبر ۴۳۷۷ (۹) ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب ۴، ۳، حدیث نمبر ۲۷۸۹ (۱۰) ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب ۲، ۱، حدیث نمبر ۲۷۸۷

اے فرزند آدم! راہ حق میں خرچ کر کہ اللہ تجھے خوب عطا کرے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

قال الله : انفق یا ابن آدم انفق علیک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالی فرماتا ہے اے فرزند آدم خرچ کر کہ میں بھی تیرے اوپر خرچ کروں۔“ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ اللہ تعالی کو یہ بات بہت پسند ہے کہ انسان اس کی راہ میں خوب دل کھول کر خرچ کرے اور جو ایسا کرے گا بارگاہ رب العالمین سے خوب مالا مال کیا جائے گا۔ یہاں اولاد آدم کو خرچ کرنے کا حکم ہو رہا ہے تا کہ اللہ تعالی خرچ کرنے والے بندے کی ذات پر خرچ کرے، یعنی اسے خوب نواز دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالی کا ہاتھ بھرا ہوا ہے رات دن کے خرچ کرنے سے کچھ کم نہیں ہوتا“۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت مرغوب تھا، چنانچہ یہ ارشاد پاک ملتا ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا ”اگر میرے پاس احد پہاڑ (کے) برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا لگے گا

کہ تین راتیں ایسی نہ گزریں کہ جن میں اس سونے میں سے کچھ بھی میرے پاس رہے، بجز اتنا کہ جسے ادائے قرض کے لئے رکھوں''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [3]

سخی انسان کے لئے یہ انعام خاص ہے کہ وہ اپنے مال کو اچھے اور بھلے کاموں میں خرچ کر کے مستحق اجر وثواب بنتا ہے، اس کے لئے ملائکہ دعاء کرتے ہیں۔ سخی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جو اپنے مال سے خود کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔ اپنے مال سے خود فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی اس مال سے فائدہ پہنچائے۔ جواد وہ ہے جو خود نہ کھائے بلکہ اوروں کو کھلائے۔ یہ اعلیٰ ترین وصف ہے۔ جب کہ بخیل وہ ہے جو خود کھائے اپنے مال سے، لیکن دوسروں کو نہ کھلائے اور نہ ان کا حق دے۔ اسی طرح ممسک وہ ہے جو نہ خود کھائے اور نہ کسی کو کھانے دے جوڑے اور چھوڑے۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''انسان کا اپنی زندگی میں ایک درہم خیرات کرنا مرتے وقت سو درہم خیرات کرنے سے بہتر ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ) [5]

سخی کی سخاوت کے سلسلے میں ترجیح اہل وعیال پر خرچ کرنے کے ضمن میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بہتر اشرفی جس کو آدمی خرچ کرتا ہے وہ ہے جسے وہ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے (اس لئے کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کا نفقہ لازمی ہے جیسے بیوی، صغیر اولاد)''۔ [6]

اس ارشاد مبارک میں آگے سخاوت کے سلسلے میں ترجیحات سے متعلق ترتیب اور تفصیل آئی ہے۔ فرمایا ''اور اسی طرح وہ اشرفی جس کو اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) اور وہ اشرفی جس کو خرچ کرتا ہے اپنے رفیقوں پر اللہ کی راہ میں''۔ [7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک اشرفی تم نے اللہ کی راہ میں دی اور ایک اپنے

غلام پر خرچ کی (یا کسی غلام کے آزاد ہونے میں دی) اور ایک مسکین کو دی اور ایک اپنے گھر والوں پر خرچ کی تو ثواب کی رو سے بڑی وہی اشرفی ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ کی''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کیا میں تمھیں بدتر درجہ والے کی خبر نہ دوں''۔ عرض کیا گیا ''ہاں''۔ فرمایا ''وہ جس سے اللہ کے نام پر مانگا اور نہ دے''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)[۹]

ایک اعرابی نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھ کو ہجرت کا مسئلہ بتلایئے''۔ آپ نے فرمایا کہ ''تیرا بھلا ہو وہ تو بہت مشکل کام ہے، کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟''۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا'' کیا ان کا صدقہ (زکوٰۃ) بھی دیتا ہے؟''۔ اس نے عرض کیا۔ ''ہاں''۔ آپ نے فرمایا'' کیا دودھ کا جانور دودھ پینے کے لئے عاریتاً بھی دیتا ہے؟''۔ اس نے کہا۔ ''ہاں''۔ فرمایا'' جس دن ان کو گھاٹ پر لے جاتا ہے کیا دودھ غریبوں کو بانٹتا ہے''۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا'' سمندر کے اسی پار تو عمل کر۔ اللہ تیرے عمل سے کچھ ضائع نہیں کرے گا''۔ (بہ روایت حضرت ابو سعیدؓ)[۱۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا اور فرمایا'' تم انہیں یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اطاعت کریں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[۱۱]

---

(۱) بخاری کتاب النفقات، باب ۱، حدیث نمبر ۵۳۵۲ (۲) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۱۲، حدیث نمبر ۲۳۰۸ (۳) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۱۴، حدیث نمبر ۶۴۴۵ (۴) مرآۃ (۵) ابو داؤد، کتاب الوصایا، باب ۳، حدیث نمبر ۲۸۶۳ (۶۔۸) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۲۳۱۰، ایضاً، ۲۳۱۱ (۹) احمد (۱۰) بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ۴۵، حدیث نمبر ۳۹۲۳ (۱۱) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۱۳۹۵

اونچا ہاتھ، نیچے ہاتھ سے بہتر ہے

قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم

اليد العليا خير من اليد السفلى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اونچا ہاتھ بہتر ہے نیچے ہاتھ سے“۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

اونچا ہاتھ درحقیقت دینے والے کا ہوتا ہے اور نیچا ہاتھ سائل کا ہوتا ہے یعنی لینے والے کا، لہذا دینے والا ہاتھ بہرحال فضیلت رکھتا ہے، اسی وجہ سے دینے والے ہاتھ کو بہتر فرمایا گیا ہے۔

اسلام نے بلاضرورت سوال اور مانگنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ مانگنا انسانی عزت اور وقار کے مغائر ہے، خاص حالات میں سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تین شخصوں کو مانگنے کی اجازت ہے ایک وہ جو کسی قرض کا ضامن ہو اور جب وہ اپنی ضرورت یعنی قرض کی حد تک پالے تو باز رہے، دوسرا جس پر کوئی مصیبت یا آفت آپڑے اور اس کا مال برباد ہو جائے، اسے مانگنا حلال ہے۔ تیسرا وہ جو فاقہ میں مبتلاء ہو جائے یہاں تک کہ اس کی جان پر آن پڑے اسے مانگنے کی رخصت ہے اس کے سواء سوال کرنے کی یا مانگنے کی اجازت نہیں ہے۔“ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص مال بڑھانے کی غرض سے مانگتا ہے تو وہ (بھیک نہیں) انگارہ مانگتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ“۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی ہمیشہ مانگتا رہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا“۔ (بروایت حضرت ابن عمرؓ)[4]

سوال یا بھیک مانگنے کے بجائے قناعت کرنے یا محنت کے ذریعہ حصول مال کی ترغیب ملتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جس کو اپنی جان کا امن (احساس سلامتی) اور بدن کا آرام (صحت وتندرستی) ہو اور اس کے پاس ایک دن کا گزارہ (سامان خور ونوش) موجود ہو تو گویا اس کے واسطے تمام دنیا جمع کی گئی۔“ (بہ روایت حضرت عبیداللہ بن محصنؓ)[5]

ایمان اور قناعت دو ایسی نعمتیں ہیں جس پر خوش ہونا وتیرہ مؤمن ہے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس حقیقت کا شارح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”خوشی ہے اس کے واسطے جس کو اسلام کی طرف ہدایت ہوئی اور اس کی گزران بقدر قوت کے ہو اور قناعت کرے“۔ (بروایت حضرت فضالہ بن عبیدؓ)[6]

قناعت کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور ضروریات پر صرف کے سلسلے میں یہ ہدایات ملتی ہیں۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اے آدم کے بیٹے! تیرا حاجت سے زیادہ مال کو خرچ کرنا (زکوۃ کی ادائیگی کے ضمن میں مقرر شرح کے موافق اس فریضہ کی تکمیل کے لئے خرچ کرنے کے علاوہ دیگر مدات خیر، صدقات، عطائے وغیرہ کا راہ مولی میں زیادہ خرچ کرنا) تیرے واسطے بہتر ہے اور اس کا (مال کا خرچ کرتے رہنے کے عمل کو روکنا) بند رکھنا نہ خرچ کرنا تیرے لئے بدتر ہے“۔ (بہ روایت حضرت ابوامامہؓ)[7]

شریعت مطہرہ نے اپنی ہدایات مبارکہ میں فضول خرچی، اسراف اور بے جا مال کے لٹانے کو منع فرمایا ہے، لیکن راہ حق تعالی میں جائز ضروریات بالخصوص اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے خرچ کرنے میں کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، بلکہ خرچ کے سلسلے کو ان ہی سے یعنی اہل وعیال سے شروع کی ترغیب دی ہے۔

غیر ضروری سوال یعنی بلاوجہ بھیک مانگنے کی ممانعت کے ساتھ جنھیں اپنے احوال کے لحاظ سے اجازت ورخصت ہے، ان کے متعلق صراحت، قناعت کی فضیلت وترغیب اور پھر حقیقی ضرورتوں کے لئے خرچ کرنے سے متعلق ہدایات عملی زندگی میں ایک مؤمن کی قدم قدم پر رہنمائی کرتے ہیں، جہاں مانگنے میں زاری (ضد) سے روکا گیا ہے، وہیں گنتی کئے بغیر راہ مولی تعالی میں دینے اور خرچ کرنے کی ہدایت ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”خوب خرچ کرو مت گنو ورنہ اللہ تعالی بھی شمار فرمائے گا اور نہ بچاؤ ورنہ اللہ تعالی بھی تم سے بچائے گا جتنا ممکن ہو راہ خدا میں دو“۔ (بہ روایت حضرت اسماءؓ)[8]

یعنی اپنے ذاتی مال سے بغیر حساب لگائے مطلقاً خرچ کرنا سعادت وموجب برکت اور ازدیاد مال کا حیلہ ہے۔ اگر راہ حق تعالی میں گنتی اور شمار کر کے خرچ کیا جائے تو بے حساب اجر وثواب سے کہیں محرومی نہ ہو جائے، کیونکہ بندہ کے گن کر خرچ کرنے کے سبب اگر اللہ تعالی بھی گنتی اور شمار فرمانے کا ارادہ فرمالے تو پھر کیا ہو؟ لہذا ہر اچھے اور نیک کام یا اہل حاجت، بیمار، ضعفاء، طلبہ، یتامی، مساکین، بیوگان، ضرورت مندوں اور مستحقین کی اعانت کے لئے خرچ کرنا عین سعادت ہے، اس سے مالک کونین بہت خوش ہوتا ہے۔ جو اللہ کی راہ میں کشادہ دست ہوتا ہے یقیناً وہ سخی ہے۔

دینے والا ہاتھ بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ ایک ظاہر فضیلت تو یہ ہے کہ یہ ہاتھ ہمیشہ اوپر رہتا ہے

اور مانگنے والا اور پانے والا ہاتھ ہمیشہ نیچے رہتا ہے۔ نیچے کے ہاتھ پر اوپر والے ہاتھ کی برتری تو اظہر من الشّمس ہے اور جو دینے سے کسی وجہ سے مجبور یعنی ہاتھ اونچا نہ رکھ سکے اور کوئی سوال کرنے بھیک طلب کرنے اور مانگنے میں حیا محسوس کرے اور اسے غیرت آئے تو ایسوں یعنی دو کے لئے قناعت کی تعلیم ہے اور انھیں اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ جتنا تمہارا حق ہے اگر مل جائے تو پھر کسی میں آدمی کا حق نہیں یعنی مانگنے چھیننے یا طمع کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''ان تین چیزوں کے سوائے اور کسی میں آدمی کا حق نہیں (وہ تین چیزیں یہ ہیں) ایک گھر جس میں وہ رہے، دوسرا کپڑا جس سے تن بدن ڈھانکے اور تیسرا روٹی اور پانی''۔ (بہ روایت حضرت عثمانؓ)[9]

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہر مؤمن کے لئے سب سے بڑی سعادت اور خود اللہ تعالیٰ کی عین اطاعت ہے۔خرچ کرنے والا بلاشبہ اللہ کی راہ میں خرچ کرکے مستحق اجر وثواب بھی بن جاتا ہے،اس کے بھی کئی درجات ومقامات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کسی نے یہ عرض کیا کون سے صدقہ کا بڑا ثواب ہے،تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم اپنی تندرسی اور بخل کی حالت میں صدقہ کرو، جب کہ تمھیں فقیری کا ڈر اور امیری کی امید ہو''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[10]

---

(۱) بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب ۱۸، حدیث نمبر ۱۴۲۹ (۲) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۳۷، حدیث نمبر ۲۴۰۴ (۳،۴) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۳۶، حدیث نمبر ۲۳۹۹، ۲۳۹۸ (۵) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۳۴، حدیث نمبر ۲۳۴۶ (۶) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۳۴۹ (۷) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۳۳، حدیث نمبر ۲۳۸۸ (۸) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۲۹، حدیث نمبر ۲۳۷۶ (۹) ترمذی، کتاب، باب ۳۰، حدیث نمبر ۲۳۴۱ (۱۰) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۳۲، حدیث نمبر ۲۳۸۲

یتیم کا کفیل جنتی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

انا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا، واشار بالسبابة والوسطی وفرج بینهماشیئا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اور یتیم کا کفیل دونوں جنت میں اس طرح ملے ہوں گے'' اور آپ نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور ان دونوں کے مابین کچھ کھلا رکھا۔(بہ روایت حضرت سھل رضی اللہ عنہ)[1]

باپ کے سایہ شفقت سے محروم بچہ اس بات کا مستحق ہے کہ معاشرہ کا ہر ذمہ دار فرد اس کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کرے۔ یہ ایک طرح کا اخلاقی فریضہ اور نہایت پسندیدہ عمل ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ یتیم بچہ کی کفالت کرنے والے کو نہ صرف نوید جنت دی گئی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے ساتھ جنت میں ہونے کی خوش خبری بھی عطا فرمائی ہے۔ یقیناً وہ جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگا ایسا ہی جیسا کہ بادشاہ کے ساتھ اس کے خدام ایک ہی محل میں رہا کرتے ہیں۔ یتیم کا کفیل بھی اس عزت سے مالا مال ہوگا۔ یتیم کی خدمت بہت ہی اعلیٰ وارفع عمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمانوں میں بہترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو

اور اس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے برا سلوک کیا جاتا ہو‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۲]

اس ارشاد مبارک میں یتیموں کے ساتھ اچھے سلوک کی ہدایت کے ساتھ ساتھ یہ فرق بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ جہاں یتیم کے ساتھ بہتر سلوک ہو وہ بہترین گھر ہے اور جہاں یتیم کے ساتھ برا سلوک ہو وہ بدترین گھر ہے۔ بہتر سلوک کی کئی صورتیں ہیں ان کی مناسب پرورش، دیکھ بھال، تعلیم تربیت، دینداری و اخلاقی خوبیوں سے آراستہ کرنا اور برے برتاؤ میں ان تمام ضروری باتوں کے برخلاف عمل ہے۔ یتیموں کے ساتھ محبت کرنا ان سے پیار و دلار ان کی دلدہی اور انہیں خوشیوں سے بہرہ مند رکھنا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ہے اور ایسا کرنے والوں کے لئے بڑے انعام اور بہترین اجر ہے۔ یتیموں کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ احسن برتاؤ نیکیاں کمانے کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے اللہ تعالیٰ کے لئے تو اس کے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ پھرے نیکیاں ہیں‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابوامامہؓ)[۳]

یعنی یتیموں کے ساتھ مہربانی اور حسن سلوک کے عوض نیکیاں ملیں گی۔ یہاں محبت کے ساتھ ہاتھ پھیرنا بھی مؤجب اجر وثواب بتایا گیا ہے۔ یتیموں کو کھانا کھلانا باعث اجر عظیم یعنی حصول جنت کا وسیلہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم لڑکے کو کھانا کھلانے کی غرض سے اپنے گھر لے جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ضرور جنت میں داخل کرے گا بجز ایسی حالت کے کہ اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جو بخشا نہیں جا سکتا‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[۴]

ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ یتیم بچوں کو اپنی آغوش محبت میں لے غریب اور نادار یتیموں کی پرورش

کرے اور یتیموں کے مال کی حفاظت کرے ان کی بہترین نگہداشت، ان کی تعلیم اور تربیت کا بہتر انتظام کرے۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کا مال انھیں بہ حفاظت تمام واپس لوٹا دیں۔ یتیم لڑکیوں کی عمدہ پرورش پھر جب وہ شادی کے لائق ہو جائیں تو ان کی اچھی جگہ شادی کر دے۔ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھیں۔ یہ وہ روشن ہدایات اور مؤثر تعلیمات ہیں جنھوں نے یتیموں کے ساتھ عمدہ سلوک اور بہترین برتاؤ کا متاثر کن ماحول تیار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''یا اللہ! میں حرام کرتا ہوں دو ناتوانوں کا مال۔ ایک تو یتیم کا اور دوسرے عورت کا''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۵]

یتیم وہ لڑکا یا لڑکی ہے جس کا باپ گزر گیا ہو اور وہ نابالغ ہو۔ اس کا مال کھانا و نیز دوسرے عورت یعنی بیوہ۔ ان دونوں کا مال کھا جانا اور اس میں تغلب کرنا سخت گناہ ہے اگرچہ اور کسی کا بھی مال کا کھا جانا حرام اور گناہ ہے مگر ان دونوں کا مال ناجائز طور سے کھانا نہایت سخت گناہ ہے اس لئے یہ کہ دونوں ناتوان ہیں اس لحاظ سے بھی کہ کسب معیشت پر قادر نہیں ہیں تو ان کو اور دینا چاہئے نہ کہ ان ہی کا مال لے لینا۔ سخت بے حیا بے غیرت اور گنہگار ہیں وہ جو یتیم اور بیوہ کا مال ناحق کھالیں۔ ☆ احادیث میں ''دو انگلیوں کی مانند'' تشبیہ ہے اس کے یعنی یتیم کی کفالت کرنے والے کے رفع درجہ کی نہ یہ کہ وہ شخص درجات انبیاء پر فائز ہو جائے گا آخر دونوں انگلیوں میں کچھ فرق بھی ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الطلاق، باب ۲۵، حدیث نمبر ۵۳۰۴ (۲) ابن ماجہ، کتاب الادب، باب ۶، حدیث نمبر ۳۶۷۹ (۳) مسند احمد، مشکوٰۃ (۴) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۹۱۷ (۵) ابن ماجہ، کتاب الادب، باب ۶، حدیث نمبر ۳۶۷۸

بے شوہر عورت اور مسکینوں پر خرچ کرنے والا مجاہد راہ حق کی طرح ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم

الساعی علی الأرملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بے شوہر اور مسکینوں پر خرچ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

راوی کہتے ہیں کہ انھیں خیال ہے کہ رسول اللہؐ نے آگے فرمایا ''اس طرح جو قیام سے تھکے نہیں (یعنی نماز سے نہ تھکنے والا نمازی) اور اس روزے دار کی طرح جو افطار نہ کرے''۔[2]

بے شوہر عورت ارملہ کہلاتی ہے۔ بیوہ، مطلقہ یا مولقہ اگر فقیر ہے تو اس پر خرچ کرنا اور اس کا کام کاج کر دینا اور اگر غنی ہو تو اس کا کام کاج کر دینا لفظ ساعی ہر دو کے لئے شامل ہے۔ ایسے شخص کا ثواب جو ارملہ کی دیکھ بھال اور خدمت کرتا ہے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ بلاشبہ یہ خدمت بھی ایک طرح کا جہاد ہے اور اس کا اجر ایسے عابد کی طرح ہوتا ہے جو قائم اللیل ہو اور صائم الدہر ہو۔ اس ارشاد سے مجبور عورتوں کی خدمت کی فضیلت اور اس پر اجر عظیم کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ خدمت کے سلسلہ میں فقیر و غنی کا امتیاز نہیں فقیر پر خرچ کرنا اور غنی پر اگرچہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ممکنہ طریقہ سے اس کی خدمت

انجام دینی چاہیے۔ کیوں کہ معاشرہ میں بیوہ وہ صنف مجبور ہے جو شوہر کے سایہ اور سہارے سے محروم ہو جاتی ہے ایسی ناچار ہستی کے خورونوش، ستر پوشی اور ضروریات زندگی کی تکمیل کی طرف رضائے حق تعالیٰ کے حصول کی خاطر توجہ دینا اور ممکنہ طور پر ان کی اعانت کرنا سعادت کی بات ہے کیوں کہ ایسی ناتواں ہستیوں کے ساتھ مختلف قسم کی مشکلات کے شکار ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ جسمانی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے غیر محفوظ ہونے کے باعث بہت سارے حالات اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ ان سے بچاؤ کے لئے جہاں نیک نہاد لوگوں کو ان مجبور ہستیوں کی خدمت کی ترغیب دی گئی وہیں اسلام نے ایسی عورتوں کے لئے جو بیوہ یا طلاق کے باعث بے سہارا ہو جاتی ہیں ایک خاص مقصد کے لئے ایک مدت کا تعین کر دیا ہے جسے عدت کہا جاتا ہے تا کہ اولاد کا امکان ہو تو ظاہر ہو جائے۔ شریعت مطہرہ نے عورت کے مہر کے حق کو محفوظ فرما دیا ہے۔ اگر وہ اولاد والی ہو تو اولاد کو ماں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ اور پھر مزید یہ مرحمانہ گنجائش رکھی کہ اگر وہ نکاح ثانی کرنا چاہے تو اسے پوری آزادی ہے، اس طرح ایام جاہلیت میں جاری رہنے والے ہر جبر و زیادتی کے تصور کا خاتمہ کر دیا ہے۔

بیوگی کی وجہ سے جو بے چارگی، مجبوری اور بے سہارا ہونے کی مصیبت آن پڑی ہو اس اجازت اور ترغیب کے باعث اسے معاشرہ میں دوبارہ باعزت داخلہ اور کسی شریف انسان کے ساتھ رفاقت کی مسرت سے دوبارہ ہمکنار کر دینا ایک بڑا انعام ہے۔ بیوہ کے ساتھ نکاح کرنا بجائے خود ایک بہت بڑی نیکی اور نکاح کرنے والے کے لئے خصوصی اور عظیم اجر و ثواب محفوظ ہوتا ہے۔

چار مہینے دس دن یا حمل کی صورت میں وضع حمل تک کی مدت بیوہ کو غور و تدبر اور آئندہ زندگی کے لئے کسی ایک فیصلہ تک پہنچنے کے لئے نہایت موزوں مدت ہے۔ ساتھ ہی اسے نکاح ثانی کی اجازت بلاشبہ

رحمت ہے۔ اگر مرحوم شوہر نے مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کے ترکہ سے سب سے پہلے مہر کی ادائیگی لازمی ہے۔ ترکہ میں اگر شوہر کی اولاد ہے تو بیوہ کے لئے اس کا آٹھواں حق رکھا گیا اور اگر لا ولد ہے تو چوتھائی حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ بیوہ عورت بالکل مجبور اور بے سہارا نہ ہو جائے۔ شوہر کے عزیز و رشتہ داروں کی طرف سے امکانی جبر وستم سے تحفظ کے لئے اسے اپنے مستقبل کے فیصلہ کا مکمل اختیار دیا ہے کہ چاہے تو عقد ثانی کر لے اور اگر کوئی دوسری شادی نہ کرنا چاہے اور اپنے یتیم بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے لئے ایثار کرنا چاہے تو ایسی عورتوں کے لئے عظیم الشان اجر اور جنت کا داخلہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

معاشرہ میں ایسی بہت ساری نیک نفس ایثار پسند اور باحوصلہ بیوگان مل جاتی ہیں جنھوں نے محض اپنے یتیموں کی خاطر اتنی بڑی قربانی دیتی ہیں کہ ساری زندگی یونہی اپنے شوہر کی اولاد کی خاطر یعنی ان کی اچھی پرورش اور تربیت کی خاطر عقد ثانی کئے بغیر صبر وضبط کے ساتھ گزار دیتی ہیں ظاہر ہے اس کا انہیں بڑا اجر وعوض ملتا ہے۔ ایسی عورتیں جنھوں نے اس جذبہ نیک کے ساتھ زندگی گذار دی یعنی اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت کی مبارک مصروفیات میں اس ایثار سے کام لیا جب تک کہ ان کے بچے بڑے ہو کر ان سے علیحدہ نہ ہو جائیں ایسی ایثار پسند خواتین کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مژدہ سنایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اور محنت ومشقت کے سبب کالی پڑ جانے والی بیوی قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے وہ حسن و جمال اور جاہ وعزت والی بیوی جو شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے لیکن اپنے یتیم بچوں کی خدمت کی خاطر اپنے کو روکے رہے یہاں تک کہ وہ اس سے علحدہ ہو جائیں یا مر جائیں''۔ [۳]

یعنی جس عورت کا شوہر چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کرتی سو تکلیفیں اٹھا کر ان

بچوں کی پرورش میں مشغول رہتی ہے ایسی عورت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا کہ جنت میں وہ مجھ سے اتنا ہی قریب ہو گی جتنی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے میں پوچھوں گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گی کہ میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے''۔ (حضرت ابو یعلیٰؒ کی سند)[۴]

بلاشبہ جن عورتوں نے محض ننھے یتیم بچوں کی پرورش دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کی خاطر بے پناہ ایثار سے کام لیا۔ عقد ثانی نہ کیا۔ محنت و مشقت کر کے ان کی نگہداشت کی یہاں تک کہ ان کی رنگت اس وجہ سے کہ وہ خوب مشقت کیا کرتی تھیں سیاہ پڑ گئی وہ اس درجہ اور اس لائق ہیں کہ جنت میں اعلیٰ مقامات پائیں۔

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۲۶، حدیث نمبر ۶۰۰۷ (۲) ایضاً (۳) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۲۰، حدیث نمبر ۵۱۴۰

(۴) ابو یعلیٰؒ

ایک درہم لاکھ درہم سے افضل

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آله و سلم

سبق درهم مائة الف درهم ، قالوا: یا رسول الله، و کیف؟ قال: رجل له درهمان، فأخذ احد هما فتصدق به، ورجل له مال کثیر، فأخذ من عرض ماله مائة الف فتصدق بها

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک درہم لاکھ درہم سے فضیلت لے گیا''۔حضور انورؐ سے جب صحابہ نے یہ سنا تو عرض کیا کہ ''کیوں کر یا رسول اللہ!'' تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک شخص کے پاس (صرف) دو درہم ہوں جوان دونوں میں کھرا ہے وہ اس نے خیرات کر دیا دوسرا شخص اپنے مال کے ایک گوشے میں گیا (یعنی اپنے بے حد مال میں سے) وہاں سے ایک لاکھ درہم نکال کر صدقہ کر دیا (تو پہلے شخص کا ایک درہم اس کے لاکھ سے افضل ہے)''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے حصول کی نیت سے مخلوق خدا پر مال خرچ کرنا ،ضرورتمندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مال دینا ،راہ خدا میں خیرات کرنا ،مالی قربانی ،انفاق ،سخاوت ،فیاضی وغیرہ سارے مفاہیم کا احاطہ کرنے والا لفظ صدقہ اپنی معنویت کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔انفاق جسے اصطلاحاً

صدقہ بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ضرورتمند بندوں کے لئے راہ خدا میں مال دینا انفاق یا صدقہ ہے جس کی بڑی فضیلتیں اور برکتیں آئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''صدقہ اللہ تعالیٰ کا غصہ بجھا دیتا ہے اور بری موت مرنے سے بچاتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک شخص ایک میدان میں تھا۔ اس نے بدلی (ابر، بادل) سے ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ چنانچہ وہ بدلی ایک طرف کو چلی اور ایک پتھریلی زمین میں خوب پانی برسایا پس ناگہاں وہاں کی نالیوں میں سے ایک نالی نے تمام پانی کو گھیر لیا۔ یہ شخص بھی پانی کے پیچھے پیچھے گیا تو دیکھا کہ باغ میں ایک شخص ہے جو پانی کو پھاوڑے سے (باغ کی کیاریوں میں) پھرا رہا ہے تو اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں۔ اس نے اپنا وہی نام بتلایا جو کہ بدلی میں تھا اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے بندے! تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟۔ اس نے جواب دیا کہ جس بدلی کا یہ پانی ہے اس میں سے میں نے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر تمہارا ہی نام لیا۔ (ذرا مجھے بتلاؤ) تم اس باغ (کی پیداوار) میں کیا عمل کرتے ہو؟۔ اس نے کہا کہ جب تم نے یہ پوچھا تو میں بتاتا ہوں جو کچھ اس باغ سے پیدا ہوتا ہے ایک تہائی خیرات کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میرے بال بچوں کے صرف میں آتی ہے اور ایک تہائی پھر اسی باغ پر لگاتا ہوں۔''[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''صدقہ میں جلدی کرو کیوں کہ صدقہ کو پھاند کر بلا نہیں آتی''۔ (بہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے جس وقت زمین کو پیدا کیا تو یہ ہلتی اور لرزتی

تھی پھر پہاڑوں کے ساتھ اس کو جما دیا تو ٹھہر گئی تو پہاڑوں کی مضبوطی سے ملائکہ علیہم السلام کو سخت تعجب ہوا اورانہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ''یا اللہ! پہاڑ سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز تو نے بنائی ہے'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہاں لوہا''۔ تو انھوں نے کہا لوہے سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی ہے۔ فرمایا کہ ''آگ''۔ عرض کیا فرشتوں نے کہ کیا آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی ہے تو فرمایا ''ہاں پانی'' ہے۔ عرض کیا کہ پانی سے بھی؟ تو فرمایا ''ہاں ہوا'' ہے۔ جب فرشتوں نے عرض کیا کہ ہوا سے بھی زیادہ کوئی ہے؟۔ فرمایا ہاں ''جس وقت بنی آدم اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اس طرح پر کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[۵]

اس ارشاد مبارکہ سے معلوم ہوا کہ چھپا کر صدقہ دینا افضل ہے اور صدقہ بہت ہی بھاری چیز ہے اس کا بڑا اجر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''صدقہ دعوی ایمان کی دلیل ہے''۔[۶]

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک سائل آیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ کیا تو لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ کی شہادت دیتا ہے؟۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا کیا تو نماز پڑھتا ہے؟۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا روزہ بھی رکھتا ہے؟۔ تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سوال کرنے والے کا حق ہوتا ہے اب ہم پر ضروری ہے کہ تم سے سلوک کریں لہذا اس کو آپ نے ایک کپڑا دیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے جب تک اس کے جسم پر ایک چیتھڑا بھی رہے گا دینے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا''۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''صبح کو ہر روز آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے ''یا اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطاء کر اور دوسرا کہتا ہے کہ یا اللہ! کنجوس کا مال برباد کر''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''سائل کو دو اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے''۔

(بہ روایت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ)[9]

---

(۱) سنن نسائی کتاب الزکاۃ، باب ۴۹، حدیث نمبر ۲۵۲۷ (۲) ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ۲۸، حدیث نمبر ۶۶۴ (۳) مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب ۴، حدیث نمبر ۳۷۴۷ (۴) مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، باب انفاق، صفحہ ۱۶۷ (۵) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۹۵/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۳۶۹ (۶) مسلم، کتاب الطھارہ، باب ۱، حدیث نمبر ۵۳۴ (۷) ترمذی، کتاب القیامۃ و الرقائق، باب ۴۱/۱۰۶، حدیث نمبر ۲۴۸۴ (۸) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۲۷، حدیث نمبر ۱۴۴۲ (۹) ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ۳۳، حدیث نمبر ۱۶۶۲

صدقہ دو آگ سے بچو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

التقوا النار و لو بشق تمرۃ، فمن لم یجد شق تمرۃ، فبکلمۃ طیبۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بچو تم آگ سے اگر چہ ایک ٹکڑا خرما کا دے کر اور اگر وہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی بات کہہ کر ہی بچو''۔

(بہ روایت حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ)[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کردو پھر اپنے ہمسایہ کے گھر والوں کو دیکھو اور اس میں سے ان کو پہنچاؤ''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو بندہ صدقہ اچھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے متروکہ میں برکت بھی خوب دیتا ہے''۔[3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں رہے گا یہاں تک کہ لوگوں میں فیصلہ ہوا''۔[4]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صدقہ برائی کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے''۔[5]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا ''صدقہ کرو''۔ ایک شخص نے عرض کیا ''میرے پاس ایک دینار ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''اس کو اپنے نفس پر خرچ کر'' اس نے کہا کہ ''میرے پاس ایک اور دینار ہے'' فرمایا کہ ''اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر'' عرض کیا ''میرے پاس اور ایک ہے'' فرمایا ''اس کو اپنی اولاد پر خرچ کر'' عرض کیا کہ ''میرے پاس ایک اور ہے'' فرمایا ''اس کو اپنے خادم پر خرچ کر'' عرض کیا کہ ''میرے پاس اور ایک ہے'' فرمایا کہ ''اس کی نگاہ تجھ کو زیادہ ہے یعنی جہاں اچھا موقع دیکھو وہاں خرچ کرو''۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''صدقہ دینے سے کبھی مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے سے بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ کیلئے تواضع کرتا ہے اللہ اسے سر بلند کرتا ہے۔''

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک شخص نے کہا کہ آج کی رات میں صدقہ کروں گا تو وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور ایک چور کو دیدیا۔ صبح کو لوگ ادھر ادھر کہتے تھے کہ آج رات چور کو صدقہ دیا گیا۔ اس نے کہا ''یا اللہ! تیرا شکر ہے میرا صدقہ چور کے ہاتھ لگا''۔ آج کی رات پھر صدقہ کروں گا تو صدقہ لے کر نکلا اور ایک فاحشہ عورت کو دے دیا۔ صبح کو لوگ ادھر ادھر کہتے تھے کہ آج رات فاحشہ کو صدقہ دیا گیا۔ اس نے کہا ''الٰہی! تیرا شکر ہے میرا صدقہ چور پر واقع ہوا اور فاحشہ پر''۔ آج کی رات پھر صدقہ کروں گا اس رات کو جو صدقہ لے کر نکلا تو ایک مالدار کے ہاتھ میں دے دیا۔ صبح کو پھر لوگ کہنے لگے کہ آج کی رات ایک غنی کو صدقہ دیا گیا اس نے کہا کہ ''الٰہی! تیرا شکر ہے کہ میرا صدقہ چور اور حرام کار عورت اور مال دار کو ملا'' (اس زمانے کے نبی کی معرفت اس کو اللہ کا پیغام آیا اور) اس سے کہا گیا کہ تیرے سب صدقے قبول ہوئے۔ چور کو تو نے جو دیا وہ اس وجہ سے ممکن ہے کہ چوری سے باز رہے۔ زانیہ کا اس لئے شاید وہ زنا سے باز

رہے اور غنی کو جو تو نے صدقہ دیا وہ اس وجہ سے مقبول ہوا کہ شاید اس کی وجہ سے اس کو عبرت ہو اور خود صدقہ دے اس چیز میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کون (سا) صدقہ بڑھ کر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''تنگدست کی (خیرات) مشقت (سے) اور پہلے اپنے عیال سے شروع کرے۔''

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو مسلمان اپنے ہر قسم کے مال سے جوڑا جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے (تو) جنت کے تمام دربان اس کے سامنے سے آ ملیں گے ہر ایک اس کو اس چیز کی طرف بلائے گا جو اس کے پاس ہے''۔ لوگوں نے دریافت کیا یہ کیوں کر ہو (کہ جوڑا جوڑا خرچ کرے) فرمایا کہ ''اگر اس کے پاس اونٹ ہوں تو دو اونٹ اور گائے ہوں تو دو گائیں (للہ دے)''۔ (بہ روایت حضرت ابی ذرؓ)[10]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس کی دس وسق (ایک پیمانہ) کھجوریں اتریں وہ ایک خوشہ مسجد میں (مساکین اہل صفہ کے لئے) لٹکا دیا کرے۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سب سے بہتر وہ صدقہ ہے کہ جو غنا کے ساتھ ہو اور پہلے اپنے عیال پر خیرات کر (یعنی ایسا نہ ہو کہ صدقہ کر کے پھر مانگنے کا محتاج ہو)''۔[12]

---

(۱) بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۵، حدیث نمبر ۳۵۹۵ (۲) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۴۲، حدیث نمبر ۶۶۸۹ (۳) ابن مبارک (۴) حاکم (۵) طبرانی (۶) ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ۴۵، حدیث نمبر ۱۶۸۸ (۷) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۹، حدیث نمبر ۶۵۹۲ (۸) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۴۲۱ (۹) ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ۴۰، حدیث نمبر ۱۶۷۴ (۱۰) سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب ۴۵، حدیث نمبر ۳۱۸۵ (۱۱) ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ۳۲، حدیث نمبر ۱۶۵۹ (۱۲) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۱۸، حدیث نمبر ۱۴۲۶

ہر اچھا کام صدقہ ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

کل معروف صدقۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر ایک اچھا کام کرنا صدقہ ہے۔''

(بہ روایت حضرت حذیفہؓ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''...منجملہ اچھے کاموں کے یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملو اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دیا کرو۔''

(بہ روایت حضرت جابرؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی اچھے کام کو حقیر مت خیال کرو۔ اگرچہ وہ یہ فعل ہو کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے بہ کشادہ پیشانی ملا کرو۔'' (بہ روایت حضرت ابوذرؓ)[3]

ان ارشادات مبارکہ سے اچھے کاموں کی اہمیت اور فضیلت کے ساتھ ساتھ ان کی حکیمانہ ترغیب اور مشفقانہ ہدایت بھی ملتی ہے۔ ہر اچھا اور نیک کام صدقہ ہے، جس کا اجر وثواب ملے گا۔ اچھے کاموں میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ محبت وموانست اور فراخ پیشانی یعنی اخلاص وتپاک سے ملنا جس سے اس کو خوشی و

مسرت ہو بجائے خود نیکی ہے۔ساتھ ہی اپنے بھائی کی اعانت اور ممکنہ طور پر اس کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔اس ضمن میں جو آسان ترین صورت ہو سکتی ہے اس کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ نیکی اور سلوک کی کم سے کم یہ صورت بھی ہو تو بھی اسے اختیار کرو کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں بھی (پانی) ڈال سکو تو ڈال دو۔اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث میں یہاں تک ہدایت ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے نیک اور اچھے کام کو حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو بلکہ اسے پورا کرو یہاں بھی تاکید ہے کہ بہ کشادہ پیشانی ملنا بھی اختیار کرو، کیوں کہ یہ بھی اچھے کاموں میں شمار ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات رحمت میں ایسی خیر و بھلائی کی ترغیبات بکثرت ہر پہلو سے نمایاں ہیں۔بیوہ عورتوں کے علاوہ قابل توجہ اہل حاجت کی اعانت اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق یہ ارشاد نبویؐ ملتا ہے۔

کسی بھوکے کو کھلانا، برہنہ کو کپڑے پہنانا، ضرورت مند کی مدد کرنا، مخلوق خدا کی خدمت کرنا بہترین نیکیاں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''چالیس عادتیں ہیں جن میں سے اعلیٰ درجہ کی خصلت یہ ہے کہ شیر دار بکری کو دودھ پینے کی غرض سے کسی شخص کو مستعار دے دینا پس جو شخص کہ بہ امید ثواب اور بہ نظر تصدیق اس وعدہ کے جو اس سے کرنے والے کی نسبت کیا گیا ہے اس میں سے ایک خصلت پر بھی عمل کرے گا تو ایسے شخص کو خدا جنت میں داخل کرے گا''۔ (بروایت حضرت عمروؓ)[۴]

اس حدیث کے بعض راویوں کا بیان ہے کہ دودھ والی بکری کے دودھ بخش دینے سے جو عادات کم درجہ ہیں جیسے کہ سلام کا جواب دینا، چھینک والے کو جواب دینا، راستہ سے تکلیف دہ اشیاء کو ہٹا دینا وغیرہ ان

سب کو جب کہ ہم نے گننا شروع کیا تو پندرہ خصائل تک بھی ہم نہ گن سکے۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''صدقہ ہر ایک مسلمان پر واجب ہے''۔اس ارشاد حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سن کر صحابہ کرام میں سے کسی نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہؐ! اگر صدقہ دینے کے لئے کچھ بھی اس کے پاس موجود نہ ہو تو کیا کرے''۔حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ''محنت مزدوری کر کے اپنے آپ کو بھی آرام دے اور صدقہ بھی کرے''۔پھر یہ سوال کیا گیا کہ ''اگر کوئی محنت مزدوری کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ کیا کرے''۔حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ 'محتاج مظلوم کی اعانت کرے''۔اسی سوال کے دہرائے جانے پر حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا ''اچھے کاموں کے کرنے کا حکم کرے اور کوئی فساد برپا نہ کرے اس لئے کہ یہ بھی صدقہ ہے''۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر ایک ایسے دن ہیں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے، انسان کے ہر ایک عضو کے معاوضہ میں صدقہ واجب ہوتا ہے''۔پھر فرمایا کہ ''دو شخصوں کے درمیان صلح کرا دینا بھی صدقہ ہے اور کسی شخص کی اعانت کر کے اس کو سواری پر سوار کر دینا یا سواری پر اس کا سامان لدوا دینا بھی صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا بھی صدقہ اور نماز کی جانب چلنے میں جو قدم اٹھتا ہے وہ ہر قدم صدقہ ہے اور راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے''۔ (بہ راویت حضرت ابوہریرہؓ)[۷]

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب، باب ۶۰، حدیث نمبر ۴۹۳۹ (۲) ترمذی، کتاب البر و الصلۃ، باب ۴۵، حدیث نمبر ۱۹۷۰ (۳) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۴۳، حدیث نمبر ۶۶۹۰ (۴) بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۶۳۱ (۵) ایضاً (۶) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۳۰، حدیث نمبر ۱۴۴۵ (۷) بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب ۱۲۸، حدیث نمبر ۲۹۸۹

وجوب صدقہ فطر

فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم زکاۃ الفطر ، صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر، و الذکر و الانثی، والصغیر و الکبیر، من المسلمین و امر بھا ان تؤدی قبل خروج الناس الی الصلاۃ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، غلام اور آزاد مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے (غرضیکہ ہر) مسلمان پر فرض کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ نماز (عید) کے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے"۔ (بہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ "ہم صدقہ فطر ایک صاع کھانا، یا ایک صاع جو ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع خشک انگور منقی سے نکالتے تھے"۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے راستوں میں منادی کو بھیجا (اور یہ ندا کرادی) کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے مرد ہو یا عورت، لونڈی غلام ہو یا آزاد نابالغ ہو یا بالغ گیہوں کے دو مد (نصف صاع) یا اس کے سواء دوسرے غلہ کی ایک صاع"۔[3]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ فطر فرض کیا، روزہ دار کے پاک کرنے کو ان بیہودہ اور فحش باتوں

سے جو روزے کی حالت میں اس سے سرزد ہوئی ہوں، اور مسکینوں کو کھلانے کے لئے (تاکہ عید کے دن مسکینو ں کو بھی پیٹ بھر کھانا ملے اور وہ بھی خوش رہیں) پھر جس نے صدقہ فطر ادا کیا نماز سے پہلے اس کا صدقہ قبول ہوا اور جس نے اس کو ادا کیا نماز کے بعد تو اور صدقوں کی طرح ایک صدقہ ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابن عباسؓ) [۴]

صدقہ فطر وہ صدقہ ہے جو عید الفطر کے دن نماز سے پہلے دیا جاتا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واجب ہے اور گیہوں میں آدھا صاع ہے۔ [۵]

ہر صاحب نصاب پر صدقہ فطر واجب ہے، نصاب پر سال گزرنا ضروری نہیں اور عید الفطر کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

مقدار: اگر گیہوں ہو تو آدھا صاع یا اس کی قیمت، آٹا دینا افضل ہے اور قیمت دینا سب سے افضل ہے۔ چاول اور جوار وغیرہ غلوں کی قسم سے فطرہ ادا کرے، تو آدھا صاع گیہوں کی قیمت کے لحاظ سے ادا کرے، آدھا صاع سوا کیلو ہوتا ہے۔ [۶]

صاحب نصاب کو اپنی نابالغ اولاد کی جانب سے صدقہ فطر واجب ہے اور صدقہ فطر انہیں دینا چاہئے جنہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

''فطرہ'' افطار سے ہے یا فطرۃ سے۔ چوں کہ ماہ رمضان گذر جانے اور عید کے دن افطار کرنے پر واجب ہوتا ہے، اس لئے فطرہ کہا جاتا ہے، یا بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی طرف سے باپ پر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، لہذا فطرہ ہے۔ اصطلاح شریعت میں عید کے دن جو مالدار پر رمضان کا صدقہ واجب ہوتا ہے، وہ فطرہ ہے۔ احناف کے نزدیک فطرہ واجب ہے۔ حضرات امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے ہاں فرض اور حضرت امام مالکؒ کے ہاں مالک

نصاب پر فطرہ سنت مؤکدہ ہے نصاب نامی یعنی بڑھنے والا ہو یا نہ ہو۔ نصاب میں احناف کا مذہب بھی یہی ہے۔ صدقہ فطر ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے کہ ایک بدنی عبادت ''روزہ'' کی تکمیل کے لئے ہے۔[7]

حضرت قیس بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو حکم دیا صدقہ فطر دینے کا، زکوٰۃ کا حکم اترنے سے پہلے جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا، تو نہ ہم کو حکم دیا صدقہ فطر دینے کا نہ منع کیا اور ہم دیتے رہے''۔[8]

اس روایت میں ہے حکم نہ کیا یعنی نیا حکم نہیں کیا، کیونکہ پہلا حکم کافی تھا، زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے صدقہ فطر موقوف نہ ہوا، بلکہ اس کی فرضیت (وجوب) اپنے حال پر رہی۔ اب یہ حدیث جو ہے کہ مال میں سوائے زکوٰۃ کے دوسرا کوئی حق نہیں ہے، مضطرب اللفظ ہے۔ اگر یہ لفظ صحیح ہو تو بھی صدقہ فطر زکوٰۃ میں داخل ہوگا۔[9]

نماز عید سے پہلے فطرہ کی ادائیگی کا حکم استحبابی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ فطرہ عید کے دن نکالے اور عیدگاہ جانے سے پہلے دے۔ اگر نماز عید کے بعد دیا تب بھی جائز ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے دے دیا جب بھی درست ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی ایک دراز روایت نقل ہے جس کے آخر میں ہے کہ صحابہ کرام عید سے ایک دو دن پہلے فطرہ دے دیتے تھے[10] مگر عید کے دن نماز سے پہلے دینا بہتر ہے تاکہ فقراء بھی عید منالیں۔[11]

---

(۱) بخاری، کتاب الزکوٰہ، باب ۷۰، حدیث نمبر ۱۵۰۳ (۲) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۷۳، حدیث نمبر ۱۵۰۶ (۳) ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ۳۵، حدیث نمبر ۶۷۴ (۴) ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب ۲۱، حدیث نمبر ۱۸۲۷ (۵) سنن ابن ماجہ حاشیہ وحیدی (۶) فتاوی نظامیہ (۷) ذوالمرات (۸) ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب ۲۱، حدیث نمبر ۱۸۲۸ (۹) حاشیہ سنن ابن ماجہ (۱۰) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۷۷، حدیث نمبر ۱۵۱۱ (۱۱) مرآہ بحوالہ مرقات

اسماءِ حسنیٰ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

للہ تسعة وتسعون اسما، مائة الا واحدة لا یحفظھا احد الا دخل الجنة، و ھو وتر یحب الوتر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

امام ابوالقاسم قشیریؒ نے کہا کہ اس میں دلیل ہے کہ اسم عین مسمی ہے، اس واسطے کہ اگر غیر ہوتا تو وہ غیر کے اسماء ہوتے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’وللہ الاسماء الحسنی‘‘ ۔خطابیؒ نے کہا کہ سب میں مشہور (اسم) ’’اللہ‘‘ ہے، کیونکہ سب اسماء ’’اللہ‘‘ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ ’’رؤف‘‘ اور ’’کریم‘‘ اللہ کے نام ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ رؤف یا کریم کا نام اللہ ہے، اور اتفاق کیا ہے علماء نے کہ اس حدیث میں اسماء الٰہی کا حصر نہیں، بلکہ ان کے سواء اور بھی نام ہیں اور مقصود یہ ہے کہ ان ننانوے (۹۹) ناموں کو جو کوئی یاد کرلے گا وہ جنت میں جاوے گا۔ ابن عربی مالکیؒ نے کہا کہ اللہ کے ہزار نام ہیں اور تعین ان اسماء کی مختلف فیہ ہے اور بعضوں نے کہا مخفی ہے جیسے شب قدر اور اسم اعظم، اور یاد کرنے سے مراد حفظ کرنا ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ دعاء کرنا ان ناموں سے اور بعضوں نے کہا ایمان لانا اور اطاعت کرنا اور عمل کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے طاق کو اور اسی وجہ سے اکثر عبادتیں طاق ہیں، جیسے پانچ نمازیں، تین بار طہارت، سات بار طواف اور ایام تشریق وغیرہ۔[2]

سبحان اللہ! ہمارے مالک کے کیسے کیسے پیارے نام ہیں، اس کے ہر ایک نام پر تصدق ہونے کو دل چاہتا ہے اور پھر یہ نام صرف عربی زبان میں نہیں، بلکہ ہر لغت اور ہر ایک زبان میں اس کے صدہا نام ہیں اور مسمی ایک ہی ہے۔ اب تمام دنیا میں تقریباً بارہ سو زبانیں بولی جاتی ہیں اور ہر ایک زبان میں اوسطً سوسو نام رکھو، تو کل نام اس کے ایک لاکھ بیس ہزار ہوتے ہیں اور صرف یہ اس چھوٹے سے گولے پر یعنی زمین پر اور زمین سے سینکڑوں ہزاروں درجے بڑے اس کے سینکڑوں ہزاروں لاکھوں اور عالم موجود ہیں اور ان میں لاکھوں طرح کی مخلوقات ہیں اور لاکھوں زبانیں اور لغتیں ہیں لہذا کروڑوں نام ہمارے پروردگار عزوجل کے ہوئے اور ہر ایک نام سے مراد اور مقصود ہی ایک ذات ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور وہ ازلی اور ابدی ہے، اس میں تغیر وتبدل اور فنا نہیں اور اس کے سواء سب فانی ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں ان ناموں کو گنا کر بتایا گیا ہے۔ ''اللّٰہ'' اسم ذات سب ناموں سے افضل واشرف واعلیٰ ہے۔

الواحد (اکیلا)، **الصمد** (بے نیاز)، **الاول** (پہلا)، **الاخر** (پچھلا)، **الظاھر** (کھلا ہوا یا سب کے اوپر)، **الباطن** (چھپا ہوا)، **الخالق** (پیدا کرنے والا)، **الباری** (عالم کو بنانے والا)، **المصور** (صورت بنانے والا)، **الملک** (بادشاہ)، **الحق** (سچا)، **السلام** (ہر ایک عیب سے سلامت)، **المؤمن** (یقین والا)، **المھیمن** (غالب)، **العزیز** (عزت والا)، **الجبار** (بڑی شان والا اور زور والا)

،المتکبر (بڑائی کرنے والا)، الرحمن (بہت رحم کرنے والا)،الرحیم (مہربان)،اللطیف (شفقت کرنے والا اپنے بندوں پر)،الخبیر (خبردار)،السمیع (سننے والا)،البصیر (دیکھنے والا)، العلیم (جاننے والا)، العظیم (بزرگی والا)، البار (نیکوکار)،المتعالی (برتر)،الجلیل (بزرگ)، الجمیل (خوبصورت)،الحی (زندہ)،القیوم (قائم رکھنے والا آسمان وزمین اورسب مخلوقات کا)، القادر (قدرت والا)،القاھر (قہراورغصہ والا)،العلی (اونچا)،الحکیم (حکمت والا)، القریب (نزدیک)،المجیب (قبول کرنے والا)،الغنی (تونگر، بے پرواہ)،الوھاب (دینے والا)،الودود (چاہنے والا)،الشکور (قدرت کرنے والا)،الماجد (بزرگی والا)،الواجد (پانے والا)،الوالی (حکومت والا،محبت رکھنے والا مالک ومختار)،الراشد (رشدوالا)،العفو (معاف کرنے والا)،الغفور (بخشنے والا)،الحلیم (بردبار)،الکریم (کرم والا)، التواب (توبہ قبول کرنے والا)، الرب (پالنے والا)، المجید(بزرگی والا) الولی (اختیار رکھنے والا سردار)، الشھید (گواہ،حاضر)،المبین (ظاہر کرنے والا)، البرھان (دلیل)،الرؤف الرحیم (مہربان شفقت والا)،المبدی (شروع کرنے والا)،المعید (دوبارہ پیدا کرنے والا)،الباعث(بھیجنے والا اپنے بندوں کو انتظام کے لئے)،الوارث (ترکہ لینے والا)، القوی (زورآور)،الشدید (سخت)،الضار (نقصان پہنچانے والا)،النافع (فائدہ دینے والا)، الباقی (قائم)، الواقی (بچانے والا)، الخافض (پست کرنے والا گھٹانے والا)، الرافع (اونچا کرنے بڑھانے والا)،القابض (روکنے والا)،الباسط (چھوڑ دینے پھیلا دینے والا)،المعز (عزت دینے والا)،المذل (ذلت دینے والا)،المقسط (انصاف کرنے والا)، الرزاق (روزی دینے والا)ذوالقوۃ (زوروالا)،المتین (مضبوط)، القائم (

ہمیشہ رہنے والا)، **الدائم** (برقرار)، **الحافظ** (بچانے والا)، **الوکیل** (نگاہ رکھنے والا)، **الفاطر** (پیدا کرنے والا)، **السامع** (سننے والا)، **المعطی** (دینے والا)، **المحیی** (زندہ کرنے والا)، **الممیت** (مارنے والا)، **المانع** (روکنے والا)، **الجامع** (جمع کرنے والا)، **الھادی** (راہ بتانے والا)، **الکافی** (کفایت کرنے والا)، **الابد** (ہمیشہ برقرار)، **العالم** (جاننے والا)، **الصادق** (سچا)، **النور** (روشن اور ظاہر)، **المنیر** (روشن کرنے والا)، **القدیم** (ہمیشہ سے ہے)، **الوتر** (طاق) **الاحد** (اکیلا)، **الصمد** (بے نیاز)، **الذی لم یلد ولم یؤلد ولم یکن له کفوا احد** (نہ جنا ہے اس نے کسی کو نہ وہ جنا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی جوڑ کوئی اور ہے)۔ زہیر بن محمد (راوی) کہتے ہیں کہ جب ان ناموں کو پڑھے، تو یوں کہے "**لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک له ، له الملک وله الحمد بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر لاالہ الااللہ له الاسماء الحسنی**"۔[3]

ان ناموں میں کئی ایک نام مکرر ہیں جیسے صمد اور رحیم وغیرہ اور مقصود یہاں حصر نہیں ہے، کیونکہ پروردگار کے اور دوسرے نام بھی وارد ہیں جیسے **مغنی ، حنان ، منان ، سبوح ، قدوس ، حمید ، مقیت ، حسیب ، بدیع ، رشید ، صبور اور ستار** وغیرہ اور بہت سے نام ان میں سے دوسری احادیث اور آیات قرآنی میں وارد ہیں۔[4]

---

(۱) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۶۸، حدیث نمبر ۶۴۱۰ (۲) شرح نووی، ترجمہ وحیدی (۳) سنن ابن ماجہ کتاب الدعاء، باب ۱۰، حدیث نمبر ۳۸۶۱ (۴) سنن ابن ماجہ ترجمہ وحاشیہ وحیدی

زندہ اور مردہ کی مثال

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی و المیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے“ (یعنی یاد کرنے والا زندہ اور نہ یاد کرنے والا مردہ ہے)۔ (بہ روایت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ ثابت ہو گیا کہ ذکر رب تبارک وتعالیٰ وجہ حیات ہے۔ ذاکر کو نوید زندگی عطا ہوتی ہے اور جو اپنے رب کے ذکر سے غافل رہتا ہے وہ گویا جیتے جی مردہ کی طرح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جو راستوں میں چکر لگاتے پھرتے ہیں ذکر الٰہی کرنے والوں کی تلاش کرتے ہیں جب ان لوگوں کو پاتے ہیں جو ذکر الٰہی کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ چلو اپنے مقصود کی طرف (یعنی جن کی تلاش تھی وہ مل گئے) تو وہ (آ کر) اپنے پروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں پھر جب وہ آسمانوں پر واپس جاتے ہیں تو ان کا پروردگار ان سے پوچھتا ہے حالاں کہ وہ ان سے زیادہ واقف ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ تو فرشتے عرض کرتے ہیں تیری تسبیح، تکبیر، تحمید و تمجید کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے کہ ”کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے“۔ فرشتے

کہتے ہیں کہ ''نہیں'' اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''ان کی کیا حالت ہوتی اگر وہ مجھے دیکھتے''۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''اگر وہ تجھے دیکھتے تو تیری اس سے بڑھ کر عبادت کرتے اور اس سے بڑھ کر تیری تمجید و بزرگی کرتے اور اس سے زیادہ تیری تسبیح کہتے''۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''وہ کیا مانگتے ہیں''۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے''۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''نہیں اے پروردگار''۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ان کی کیا حالت ہوتی اگر وہ جنت کو دیکھتے'' فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''اگر وہ جنت کو دیکھتے تو اس سے بڑھ کر اس کے حریص اور طالب ہوتے اور اس سے بڑھ کر اس کی طرف راغب ہوتے''۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں''۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ''وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے''۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''نہیں اے پروردگار''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ان کی کیا حالت ہوتی اگر وہ دوزخ کو دیکھتے''۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''اگر وہ دوزخ کو دیکھتے تو اس سے بڑھ کر اس سے بھاگتے اور اس سے بڑھ کر اس سے ڈرتے''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ ''تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بخش دیا''۔ تو اس میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ''ان میں ایک فلاں بندہ گنہگار بھی ہے جو ان میں سے نہیں ہے وہ کسی غرض سے جاتا تھا وہاں بیٹھ گیا''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اس کو بھی میں نے بخش دیا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کی بدولت ان کا ہم نشین بھی بدنصیب نہیں رہتا''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ) [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص کہیں بیٹھے اور وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے تو وہ مجلس اس کے لئے حسرت و ندامت ہو جائے گی اور جو شخص کہیں لیٹے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کرے تو وہ مقام اس کے لئے حسرت و ندامت ہو جائے گا''۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جولوگ کہیں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکون و اطمینان نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۴]

یہاں بیٹھنے سے مراد ہمیشگی بھی ہے اور بیٹھ کر سکون و یکسوئی سے ذکر کرنا بھی ہے۔ ذکر اللہ کا انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے کیا جانا ثابت و افضل ہے۔ تنہا یا مجمع میں، انفرادی یا اجتماعی ہر طرح سے ذکر حق تعالیٰ کیا جاتا چاہیے اور جو اس محبوب مشغلہ میں لگے رہتے ہیں ان پر یہ انعام خاص ہوتا ہے کہ مقرر و متعین محافظ فرشتے ہی نہیں بلکہ خاص ذاکرین کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت آتی ہے اور انہیں اپنے نورانی حلقہ میں لے لیتی ہے یہ ذاکرین کا خصوصی اعزاز ہے و نیز ان پر رحمت الٰہی کا بطور خاص نزول ہوتا ہے اور انہیں تسکین قلبی کی دولت سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ دلوں کا چین و اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت خاص ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔

''وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔ (ق سورہ ۱۳/ آیت ۲۸)

ذاکر یا ذاکرین کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا انعام ہو سکتا ہے کہ وہ بیک وقت فرشتوں کے گھیرے میں ہوتے ہیں ان پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور سکینہ نازل کیا جاتا ہے یعنی انوار حق کی بارش ہوتی ہے۔ اور ان کے قلوب سکون و اطمینان کی دولت بے پایاں سے مالا ہو جاتے ہیں اور انتہا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کرم سے اپنے ذاکر بندوں کا اپنے خاص فرشتوں میں تذکرہ فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ.... اگر بندہ بالشت بھر میرے قریب ہوتا

ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ہاتھ بھر مجھ سے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک باع (دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ برابر) اس سے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں"۔ [۵]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو میرے نزدیک ہوتا ہے عبادت سے میں اس کے نزدیک ہوتا ہوں رحمت و توفیق اور عنایت سے پھر اگر وہ زیادہ نزدیک ہوتا ہے تو میں اور زیادہ رحمت کرتا ہوں اور دوڑ کر آنے سے یہ مراد ہے کہ رحمت کا دریا اس پر بہا دیتا ہوں غرض یہ کہ عبادت سے زیادہ اس کا اجر دیتا ہوں۔ [۶]

یہ کلام بطور مثال سمجھانے کے لئے ہے کہ تمہاری طلب سے ہماری رحمت سبقت لے گی ہے اگر تم ایسے معمول اعمال کرو جن سے بہ دیر ہم تک پہنچ سکو تو ہم کو اپنے کرم سے بہت جلد اپنے دامن رحمت میں لے لیں گے۔ اگر رب تعالیٰ سے قرب ہماری کوشش سے ہوتا تو قیامت تک ہم اس تک نہ پہنچ سکتے۔ اس تک رسائی اس کی رحمت سے ہے"۔ [۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کون شخص اچھا ہے۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ "مژدہ ہو اسے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں"۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا "تم دنیا کو اس حال میں چھوڑو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔"

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن بسرؓ) [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو"۔ لوگوں نے دریافت کیا جنت کی کیاریاں کیا ہیں تو ارشاد فرمایا "ذکر کے حلقے"۔ (بہ روایت حضرت انسؓ) [۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ (مکرمہ) کی راہ میں جا رہے تھے آپ ایک پہاڑ پر گذرے جس کو جمدان کہتے تھے، حضور انورؐ نے فرمایا کہ "چلو یہ جمدان ہے آگے بڑھ گئے مفرد" لوگوں نے عرض کیا یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مفرد کون ہیں؟ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ "جو مرد اللہ کی بہت یاد کرتے ہیں اور جو عورتیں اللہ کی بہت یاد کرتی ہیں"۔ (بروایت حضرت ابوہریرہؓ) [۱۰]

---

(۱) بخاری، کتاب الدعوات، باب ٦٦، حدیث نمبر ٦٤٠٧ (۲) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۸، حدیث نمبر ٦٨٣٩ (۳) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب ٢٧، حدیث نمبر ٤٨٤٨ (۴) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ١١، حدیث نمبر ٦٨٥٥ (۵) بخاری، کتاب التوحید، باب ١٥، حدیث نمبر ٧٤٠٥، مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ١، حدیث نمبر ٦٨٠٥، ترمذی، کتاب الدعوات، باب ١٣١، حدیث نمبر ٣٦٠٣ (٦) شرح نووی ترجمہ وحیدی (٧) مراۃ ج٣ (٨) مسند احمد (٩) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ٨٦/٠٠٠، حدیث نمبر ٣٥١٠ (١٠) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ١، حدیث نمبر ٦٨٠٨

دوکلمہ جوزبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان الی الرحمن: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دوکلمہ ہیں جوزبان پر ہلکے ہیں اور (قیامت کے دن) میزان میں بھاری ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں (اور وہ یہ ہیں) '' **سبحان الله بحمده سبحان الله العظیم** ''۔(بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جوشخص کہے **''لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر''** ایک دن میں سوبار، تو اس کو اتنا ثواب ہوگا جیسے دس غلام آزاد کئے اور سونیکیاں اس کی لکھی جائیں گی اور سو برائیاں اس کی مٹادی جائیں گی اور شیطان سے اس کا بچاؤ رہے گا۔ دن بھر شام تک اور کوئی شخص اس دن اس سے بہتر عمل نہ لائے گا، مگر جو اس سے زیادہ عمل کرے'' (یعنی یہی تسبیح سو سے زیادہ پڑھے یا اور اعمال خیر زیادہ کرے)۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جوشخص **''سبحان الله وبحمده''** دن میں سو

بار کہے اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں''۔[۳]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اگر میں کہوں ''**سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر**'' تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے ان تمام چیزوں سے جن پر آفتاب نکلتا ہے''۔[۴]

ایک شخص کے معروضہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کہا کرو کہ ''**لا اله الا الله وحده لا شريك له الله اكبر كبيرا والحمد لله كثيرا ، سبحان الله رب العالمين لا حول ولا قوة الا بالله العزيز الحكيم**''۔ (بہ روایت حضرت سعیدؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! دولت مند لوگ تو درجات اور نعمتوں میں بڑھ گئے''۔ آپ نے فرمایا ''کیوں کر؟''۔ انہوں نے عرض کی ''وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں جس طرح ہم جہاد کرتے ہیں اور اپنا بچا ہوا مال بھی (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پاس مال نہیں''۔ آپ نے فرمایا ''کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلا دوں، جس کے ذریعہ تم ان کے برابر ہو جاؤ، جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور ان سے بڑھ جاؤ جو تمہارے بعد آئیں گے اور کوئی شخص تمہارے برابر نہیں ہوگا مگر وہ جو پڑھ لے اس کو ہر نماز کے بعد دس بار ''**سبحان الله**'' اور دس بار ''**الحمد لله**'' اور دس بار ''**الله اکبر**''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۶]

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا کہ ۳۳ بار ''سبحان اللہ''، ۳۳ بار ''الحمد للہ'' اور ۳۴ بار ''اللہ اکبر'' ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت پڑھ لیا کرو۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک میں ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو ذکر الٰہی کرتے ہوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے چار غلام آزاد کروں۔ اور اگر میں عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو

ذکرالٰہی کرتے ہوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ چار غلام آزاد کروں‘‘۔(بروایت حضرت انسؓ)[۸]

نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر اور نماز مغرب کے درمیان بزرگان دین کے مشاغل اذکار کی دلیل یہی حدیث شریف معلوم ہوتی ہے۔

(۱) بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب ۱۹، حدیث نمبر۶۶۸۲ (۲) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۶۴، حدیث نمبر ۶۴۰۳ (۳) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۶۱/۵۹ حدیث نمبر ۳۴۶۶ (۴ تا ۵) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۱۰، حدیث نمبر ۶۸۴۷، ۶۸۴۸ (۶) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۱۸، حدیث نمبر ۶۳۲۹ (۷) بخاری، کتاب النفقات، باب ۶، حدیث نمبر ۵۳۶۱ (۸) ابوداؤد، کتاب العلم، باب ۱۳، حدیث نمبر ۳۶۶۴

فرمان حق تعالیٰ ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

یقول الله عز و جل: انا عند ظن عبدی بی، و انا معه حین یذکرنی، ان ذکرنی فی نفسه، ذکرته فی نفسی، وان ذکرنی فی ملاء، ذکرته فی ملاء هم خیر منهم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے خیال کے پاس ہوں (بخشش سے اور قبول سے اس کے ساتھ ہوں) اور میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں (رحمت و توفیق اور ہدایت وحفاظت سے) جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اگر وہ مجھ کو اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع میں مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس مجمع میں یاد کرتا ہوں جو اس کے مجمع سے بہتر ہے (یعنی فرشتوں کے مجمع میں)۔“ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

یہ درحقیقت اس قرآنی فرمان کی تفسیر مبارک ہے جس میں رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا“۔ (ق سورہ ۲/آیت ۱۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”ہر چیز کی صیقل (زنگ دور کرنے والی چیز) ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے۔“[2]

اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی عظمت اور فیضانِ خاص سے متعلق حقیقت معلوم ہوئی۔ ذکر اللہ دلوں کی سیاہی، تاریکی، کدورت، میل کچیل، زنگ اور اس سے پیدا ہونے والی تمام خرابیوں اور آلودگیوں کو صاف و طاہر کر کے محبتِ الٰہی، نورِ ہدایت، پاکیزگی، جذبہ عبدیت، اطاعت و فرمانبرداری اور تسلیم و رضا کی نعمتوں سے مالا مال کر دینے کا عظیم الشان وسیلہ ہے۔

ظاہر ہے جو ذکر اللہ کے ذریعہ قلبی صفائی اور تقربِ الٰہی کی ایسی منزل پر پہنچ جائے تو ان تمام خوبیوں سے متصف ہو جاتا ہے۔ جو اہلِ صدق و صفا، یقین و اخلاص، مودب و نیک خو، عبادت و ریاضت، صبر و رضا، تقویٰ و پرہیزگاری، توکل و قناعت، طلبِ حق و راستی اور خوف و خشیت والے منتخب لوگوں کا خاصہ ہے۔

اصطلاحِ تصوف میں ایسے مقربانِ بارگاہِ الٰہی بندوں کو ''ولی'' کہا جاتا ہے کہ جن کے قلوب ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہیں جو شب و روز تسبیح و تہلیل میں مصروف اور جن کے دل محبتِ الٰہی سے لبریز رہیں کہ کسی غیر کی وہاں گنجائش ہی نہ ہو وہ اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو محض اللہ کے لئے اور اگر کسی سے نفرت کرتے ہیں تو صرف اللہ کے لئے۔ ایسی ہی حالت کو فناء فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب اجر و انعام ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ مقرب بندے اپنی کسی خاص وضع قطع سے مخصوص نہیں وہ ظاہری طور پر مختلف حال و ہیئت کے حامل ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت میں کئی ایسے بکھرے غبار آلود بالوں والے اشخاص موجود ہیں کہ اگر وہ کسی معاملے میں اللہ پر قسم کھا جائیں تو وہ ان کو اس کی قسم میں سچا فرما دے گا''۔[۳]

ذکر و عبادت کے ذریعہ بندگانِ خاص منزلِ قرب تک مرحلہ بہ مرحلہ درجات طئے کرتے ہوئے رفعت پاتے جاتے ہیں۔ اور پھر تقربِ حق تعالیٰ کے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ہر کس و ناکس کا گزر نہیں۔

مقربانِ الٰہی کو جو وسیلہ منزلِ قرب تک پہنچاتا ہے اور دولت قربِ الٰہی نصیب ہو جانے کے بعد جو عطاو نوازش ہوتی ہے اس کے بارے میں یہ ارشاد حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۴]

یہ حقیقت تابندہ ہے کہ اس قربِ محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طائرِ ہمت جہاں محوِ پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی جان نہیں سکتا سوائے اس ذاتِ بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب بندے کو یہ ہمتیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔ (علامہ کرم شاہ ازہریؒ)

خدا جانے خود اس سرکار کا کیا مرتبہ ہوگا　　　　غلام بارگہ جن کے کہیں ''ما اعظم شانی''

ذکر اللہ کی برکتیں اور فیضانِ خاص قلب ونظر، ظاہر و باطن سبھی کی صفائی کا ذریعہ اور جادہ حق پر گامزن رکھ کر اطاعت وفرمانبرداری پر قائم رکھنے کا حیلہ اور مرتبہ قرب سے بہرہ مند کر دینے کا وسیلہ خاص ہے کہ ذاکرین صلحاء، اولیاء، مقربین اور محبوبین میں شامل کر لئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو آسمانوں کے فرشتے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو طلب کر کے فرماتا ہے میں محبت کرتا ہوں فلاں بندے سے تو بھی اس سے محبت کر۔ پھر

جبرئیل علیہ السلام محبت کرتے ہیں اس سے اور آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے فلاں سے تم بھی محبت کرو اس سے پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں اور بعد اس کے زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول ہوجاتا ہے۔" [5]

اللہ تعالیٰ جن سے محبت کرے اور جبرئیل اطاعت الٰہی میں جنھیں چاہیں آسمان کے فرشتے جن نفوس قدسیہ کو محبوب رکھیں اور زمین والوں کے دلوں میں جن کی محبت پیدا ہوجائے انھیں قرآن نے "اولیاء اللہ" سے خطاب فرمایا ہے جن کا اللہ تعالیٰ ناصر و حامی، معین و مددگار رہوتا ہے۔

ذکر اللہ، اولیاء اللہ کو صفا عطا کر کے انھیں منزل قرب الٰہی تک پہنچاتا ہے۔ وہ لطف حق تعالیٰ سے مالا مال اور بندگان الٰہی میں محبوب و مقبول ہوجاتے ہیں۔

---

(۱) مسلم ،کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ والاستغفار، باب ا، حدیث نمبر ۶۸۰۵ (۲) بیہقی (۳) ترمذی، کتاب المناقب، باب۵۴، ۱۲۸/۵۴، حدیث نمبر۳۸۵۴ (۴) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۳۸، حدیث نمبر۶۵۰۲ (۵) بخاری، کتاب الادب، باب ۴۱، حدیث نمبر۶۰۴۰

شب بیداری کفارہ عصیاں ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

علیکم بقیام اللیل فأنه دأب الصالحین قبلکم وان قیام اللیل قربة الی الله و منهاة عن الاثام وتکفیر للسیئات و مطردة للداء عن الجسد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم پر شب بیداری لازم ہے اس لئے کہ تم سے قبل جو نیک لوگ تھے ان کا یہ طریقہ ہے اور تمہارے پروردگار کی قربت کا باعث ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور جسم سے بیماری کو دفع اور دور کرنے والی ہے''۔ (بہ روایت حضرت بلال رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے راتوں میں اٹھنے کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوتی ہے کہ یہ امم سابقہ کے نیکوکاروں کا طریقہ ہے اپنے خالق ورازق سے تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ راتوں کے بیدار رہنے والے یعنی نماز تہجد ادا کرنے والے گناہوں سے بری ہو جاتے ہیں اور آئندہ گناہوں سے ان کی حفاظت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص دس آیتیں (تہجد کی نماز میں) کھڑے ہو کر پڑھے گا وہ غفلت کرنے والوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جو شخص سو آیت (تہجد) میں کھڑے ہو کر پڑھے گا وہ بہت ثواب جمع کرنے والوں میں لکھا جائے گا......''۔ (بروایت ابن عمرو بن العاصؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص سوجاتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہ لگادیتا ہے اور ہر ایک گرہ پر پھونک دیتا ہے کہ اپنی جگہ پڑے رہو ابھی رات بہت ہے پھر اس کو سلادیتا ہے پھر اگر وہ اٹھ گیا اور خدا کو یاد کیا تو ایک گرہ کھل گئی پھر اگر وضواء کیا تو دوسری گرہ کھل گئی پھر اگر نماز پڑھی تو سب گرہیں کھل گئیں پھر وہ صبح کو خوش مزاج اور بشاش اُٹھتا ہے ورنہ نہایت بدمزاج اور سست اٹھتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ) [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ شخص سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور نماز کے لئے نہ اُٹھا تو حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''یہ ایسا شخص ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کردیا۔'' (بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص (ہمیشہ) رات کو (تہجد) کی نماز پڑھا کرتا ہو پھر ایک شب اس پر نیند غالب آجائے (اور اُٹھ نہ سکے) تو خدائے تعالیٰ اس کو نماز کا ثواب عطاء فرمائے گا اور اس کی نینداس پر صدقہ ہوجائے گی (خدائے تعالیٰ نیند کو معاف فرمادے گا)۔

(بہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ) [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایسا کوئی شخص نہیں جو رات گزارے ذکر الٰہی پر پاک رہ کر پھر رات کو اُٹھے اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے وہ دے دیتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت معاذ بن جبلؓ) [6]

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں اٹھتے نماز شروع کرتے (یعنی نماز تہجد کی تکبیر تحریمہ سے پہلے فرماتے) تو کہتے ''اے اللہ! اے جبرئیل اے میکائیل اے اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! چھپے کھلے کے جاننے والے! تو ہی

اپنے بندوں کا ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ جھگڑتے ہیں مجھے اپنے کرم سے اس حق کی ہدایت دے۔[7]

یہ دعا ہماری تعلیم کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرح کی ہدایت ازل میں ہی دے چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو رات کو جاگے تو کہے کہ: اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے پاک ہے اللہ کی حمد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ بڑا ہے، اللہ کے بغیر طاقت وقوت نہیں۔ پھر کہے: اے رب! مجھے بخش دے'' یا فرمایا کہ ''پھر دعا مانگے تو اس کی دعا قبول ہوگئی پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوگئی۔'' (بہ روایت حضرت عبادہ بن صامتؓ)[8]

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ کہتے ہیں کہ میں رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کے پاس سے گزرتا تھا تو میں آپ کو سنتا تھا کہ جب آپ رات میں اٹھتے تو بہت دیر تک کہتے ''جہانوں کا پیدا کرنے والا پاک ہے''۔ پھر بہت دیر تک کہتے ''اللہ پاک ہے اس کی حمد ہے''۔[9]

---

(۱) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۱۲/۰، حدیث نمبر ۳/۳۵۴۹ (۲) ابوداؤد، کتاب شھر رمضان، باب ۹، حدیث نمبر ۱۳۹۵ (۳) بخاری، کتاب التھجد، باب ۱۲، حدیث نمبر ۱۱۴۲ (۴) بخاری، کتاب التھجد، باب ۱۳، حدیث نمبر ۱۱۴۴ (۵) ابوداؤد، کتاب التطوع، باب ۲۰، حدیث نمبر ۱۳۱۰ (۶) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۹۶، حدیث نمبر ۵۰۳۴ (۷) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۲۶، حدیث نمبر ۱۸۱۱ (۸) بخاری، کتاب التھجد، باب ۲۱، حدیث نمبر ۱۱۵۴ (۹) سنن نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار، باب ۹، حدیث نمبر ۱۶۱۷

ہر رات پچھلے پہر دعاؤں کی قبولیت اور نوید بخشش

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ینزل ربنا تبارک و تعالی کل لیلۃ الی السمآء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یقول من یدعونی فأستجیب لہ من یسألنی فأعطیہ من یستغفرنی فأغفر لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر رات جب آخری تہائی رات رہتی ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالیٰ دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رات دن سے افضل ہے کیوں کہ قبولیت کی ساعت ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ میں آتی ہے اور وہ ساعت بھی پوشیدہ رہتی ہے مگر ہر رات میں قبولیت کی کئی ساعتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مانگنے والے پر توجہ کرم فرماتا ہے، رحمتیں مائل بہ عطا رہتی ہیں۔ دنیا کے جس حصہ میں جب رات کی آخری تہائی ہوگی اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا گوہر مقصود پائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''رب تبارک وتعالیٰ بندے سے آخری رات کے

وسط میں بہت قریب ہوتا ہے۔ اگر تم یہ کر سکو کہ اس وقت اللہ کے ذاکرین میں سے بنو تو بن جاؤ''۔

(بہ روایت عمرو بن عبسہؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت جابرؓ نے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ''رات میں ایک ساعت ہے نہیں پاتا اسے کوئی مسلمان کہ اللہ تعالیٰ سے اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگے مگر رب تبارک وتعالیٰ اسے دیتا ہے اور یہ ساعت ہر رات میں ہے''۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ قوم جب کہ نماز میں صف باندھیں، آدمی جب رات میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اور وہ شخص جو جنگ کرے (دشمن دین کے خلاف) لشکر کے پیچھے (یعنی لشکر بھاگ جانے کے بعد بھی)''۔

(بہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[4]

قبولیت دعا کے وقت کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ''یا رسول اللہؐ! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟''۔ تو حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''آخری رات کے درمیان کی اور فرض نمازوں کے پیچھے''۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جنت میں ایسے دریچے ہیں کہ جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے دیکھا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنائے جو اچھا کلام کرے، کھانا کھلائیں اور متواتر روزے رکھیں اور جب لوگ سوتے ہوں تو رات میں نماز پڑھیں''۔[6]

رات کو بیدار ہو کر عبادت و ذکر الٰہی کی بڑی فضیلت و برکت ہے۔ جو راتوں کو نیند سے جاگ کر اچھی طرح وضو کر کے حمد باری تعالیٰ کرے دعائیں مانگیں اور نماز ادا کرے بڑا سعادت پانے والا بندہ ہے۔ رات

کواٹھ کرعبادت وریاضت، توبہ واستغفار اور طلب رحمت ومغفرت کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے رشاد فرمایا کہ ''اے عبداللہ ! فلاں کی طرح نہ ہونا جو رات کو اٹھتا تھا پھر رات کا اٹھنا چھوڑ دیا''۔[7]

رات میں جو عبادت کی جاتی ہے جو نمازیں پڑھی جائیں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''فرائض کے بعد بہترین نماز درمیانی رات کی ہے''۔[8]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! فلاں شخص رات میں تو نماز پڑھتا ہے جب صبح ہوتی ہے چوری کرتا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اسے نماز اس چیز سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[9]

رات کی عبادت دن کی برائیوں اور جرائم سے روکتی ہے۔ رات کی عبادت کرنے والے ذکر کرنے والوں اور تقرب حق تعالیٰ کی دولت سے مالا مال ہو جانے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کوئی شخص رات میں اپنے گھر والوں کو جگائے پھر وہ دونوں دو رکعتیں پڑھ لے تو وہ ذکر کرنے والوں یا والیوں میں لکھے جائیں گے''۔

(بہ روایت حضرت ابو سعیدؓ)[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''میری امت کے بہترین لوگ قرآن اٹھانے والے (حافظ قرآن) اور شب بیداری کرنے والے ہیں''۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)[11]

ان ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں رات کو نیند سے بیدار ہو کر عبادت کرنے، نماز پڑھنے،

ذکر الٰہی کرنے استغفار کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کی فضیلتوں سے متعلق بشارتیں ملتی ہیں۔ اس میں اعتدال کی تعلیم بھی مضمر ہے یعنی سونا اور آرام لینا بھی ہے اور جاگنا عبادت کرنا بھی ہے اسی لئے بارہا اشارے ملتے ہیں کہ نیند سے جاگنا اور اپنے اہل وعیال گھر والوں کو نیند سے جگا کر نماز پڑھنا ہے اور نماز کی ترغیب دینا ہے۔ اس میں استقلال ودوام کی اہمیت ہے ☆ کچھ دن رات کو اٹھ کر عبادت کرنا پھر اس سلسلہ کو ترک کر دینا ایسا کرنا پسندیدہ نہیں بلکہ جو کام کیا جائے اولوالعزمی اور مستقل مزاجی اور پابندی سے کریں اگرچہ کہ وہ عمل قلیل ہو۔ اس سلسلہ میں اس ارشاد سے دائمی عمل کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو دائمی عمل پیارا ہے اگرچہ کہ تھوڑا ہو''۔

(بہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ)[۱۲]

---

(۱) بخاری، کتاب التھجد، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۱۴۵ (۲) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۱۸/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۵۷۹
(۳) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۲۳، حدیث نمبر ۱۷۷۰ (۴) ابن ماجہ، مقدمۃ المؤلف، باب ۱۳، حدیث نمبر ۲۰۰
(۵) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۷۸/۷۹، حدیث نمبر ۳۴۹۹ (۶) ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۲۵۲۷
(۷) مسلم، کتاب الصیام، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۷۳۳ (۸) مسلم، کتاب الصیام، باب ۳۸، حدیث نمبر ۲۷۵۵ (۹) احمد/مشکوٰۃ
(۱۰) ابوداؤد، کتاب الوتر، باب ۱۳، حدیث نمبر ۱۴۴۸ (۱۱) بیہقی (۱۲) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۱۸، حدیث نمبر ۶۴۶۴

توبہ کی اہمیت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

اللہ افرح بتوبۃ عبدہ من احدکم، سقط علی بعیرہ، و قد اضلہ فی ارض فلاۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالی اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کا جنگل میں کھویا ہوا اونٹ اسے پھر دوبارہ مل جائے''۔

(بہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''البتہ اللہ تعالی اپنے بندہ مومن کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص ایک میدان میں (جہاں نہ سایہ ہو نہ پانی) جو ہلاک کرنے والا ہو سو جائے اور اس کے ساتھ اس کا اونٹ ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی ہو جب وہ جاگے تو اپنا اونٹ نہ پائے پھر اس کو ڈھونڈے یہاں تک کہ پیاسا ہو جائے۔ پھر کہے میں لوٹ جاؤں جہاں تھا اور سوتے سوتے مر جاؤں، پھر اپنا سر اپنے بازو پر رکھے مرنے کے لئے، پھر جو جاگے تو اپنا اونٹ اپنے پاس پائے، اس پر اس کا توشہ ہو کھانا بھی اور پانی بھی، تو اللہ تعالی کو مومن بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جتنی اس شخص کو اپنے اونٹ اور توشہ ملنے سے ہوتی ہے''۔[2]

حضرت امام نوویؒ نے توبہ کی تشریح یوں کی ہے توبہ کے تین رکن ہیں۔ایک گناہ سے باز آنا، دوسرے کئے پر شرمندہ ہونا، تیسرے قصد کرنا کہ اب نہ کروں گا اور جو گناہ حق العباد ہو، تو ایک رکن اور ہے کہ اس حق سے چھٹنا اور توبہ تمام گناہوں سے واجب ہے۔فی الفور خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور ایک گناہ سے توبہ صحیح ہے، اگرچہ دوسرے گناہوں پر اصرار کرتا ہو اور توبہ کے بعد اگر پھر گناہ کرے، تو دوسرا گناہ لکھا جائے گا اور توبہ باطل نہ ہوگی۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرے گا، جب تک اس کو غرغرہ نہ لگا ہو۔'' [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ اس غرض سے کھول دیتا ہے کہ دن کے برے کام کرنے والے توبہ کریں اور دن کو اس غرض سے ہاتھ کھول دیتا ہے کہ رات کے برے کام کرنے والے توبہ کریں، اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع نہ ہو۔'' [۵] (اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے مراد اس کی عطا اور فضل ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم سے قبل جو لوگ تھے ان میں ایک آدمی تھا جس نے ننانوے (۹۹) آدمی قتل کئے تھے پس اس نے یہ دریافت کیا کہ موجودہ اشخاص میں سب سے بڑا عالم کون ہے تو لوگوں نے ایک راہب کو بتایا تو وہ شخص اس کے پاس آ کر بیان کرنے لگا کہ اس نے اب تک ننانوے (۹۹) خون کئے ہیں اس کے لئے کوئی توبہ ممکن ہے؟۔راہب نے جواب دیا کہ نہیں۔اس نے راہب کو بھی مار ڈالا اور اس طرح اس نے سو خون پورے کر لئے پھر دریافت کیا اب دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟۔ پھر لوگوں نے ایک عالم کو بتایا۔یہ اس شخص کے پاس جا کر کہنے لگا کہ اس نے سو خون کئے ہیں کیا اس کے لئے توبہ ہو سکتی ہے؟، تو عالم نے کہا ''ہاں ہو سکتی ہے'' ایسا کون شخص ہے جو تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان

حائل ہو سکے، تم فلاں ملک میں چلے جاؤ، اس لئے کہ وہاں ایسے لوگ رہتے ہیں جو ہمیشہ اللہ کی عبادت کیا کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کیا کرو اور پھر کبھی اپنے ملک میں واپس مت آنا، اس لئے کہ یہ بری جگہ ہے۔ پھر وہ شخص اسی ملک میں جانے لگا، تا آنکہ وہ آدھا راستہ طے کر چکا تھا کہ یکا یک ملک الموت اس کے پاس آیا۔ پھر اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے آپس میں تکرار شروع کی، رحمت کے فرشتے نے کہا یہ شخص توبہ کر کے خالص دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوا ہے اور عذاب کے فرشتے نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی نیکی کی ہی نہیں پھر ان کے پاس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا انھوں نے اس کو اس تصفیہ کی غرض سے سرپنچ (حکم) مقرر کیا، تو اس نے کہا کہ دونوں مقام کے مابین خیال کرو، لہٰذا یہ شخص جس مقام سے قریب ہو اس کا سمجھنا چاہئے۔ تب انھوں نے دونوں مقام کو ناپا تو اس مقام کو جہاں جانے کے ارادہ سے یہ نکلا تھا ایک بالشت دوسرے مقام سے قریب پایا گیا اس وجہ سے رحمت کے فرشتے اس پر قابض ہو گئے۔

(بہ روایت ابو سعیدؓ) [٦]

---

(۱) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۴، حدیث نمبر ۶۳۰۹ (۲) ترمذی، کتاب صفۃ القیامہ والرقائق والورع، باب ۱۱۴/۴۹، حدیث نمبر ۲۴۹۸ (۳) ترجمہ وحیدی (۴) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۰۳، حدیث نمبر ۳۵۳۷ (۵) مسلم، کتاب التوبہ، باب ۵، حدیث نمبر ۶۹۸۹ (۶) مسلم، کتاب التوبہ، باب ۸، حدیث نمبر ۷۰۰۸

سب سے بہتر استغفار

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

سید الاستغفار ان تقول: اللھم انت ربی لا الہ الا انت، خلقتنی و انا عبدک و انا علی عھدک ووعدک مااستطعت، اعوذ بک من شر ما صنعت، ابوء لک بنعمتک علی و ابوء لک بذنبی فاغفرلی، فأنہ لا یغفر الذنوب الا انت. قال: و من قالھا من النھار موقنا بھا، فمات من یومہ قبل ان یمسی، فھو من اھل الجنۃ، ومن قالھا من اللیل و ھو موقن بھا فمات قبل ان یصبح، فھو من اھل الجنۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”سید الاستغفار یہ ہے کہ تو کہے اے میرے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور تیرا ہی میں بندہ ہوں اور میں تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر ہوں جتنا ممکن ہے جو کچھ میں کیا اس کی برائی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور ان نعمتوں کا میں اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کی ہیں اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں، مجھے بخش دے تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں ہے“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”جس نے یہ کلمات صدق دل سے کہے اور شام ہونے سے پہلے اسی دن مر گیا تو وہ جنتی ہے۔ اور جس نے یہ کلمات صدق دل سے رات میں کہے اور صبح ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ جنتی ہے“۔

(بہ روایت حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ)[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''کیا میں تجھ کو بتلاؤں ایک کلمہ جنت کے خزانوں میں ایک یا ایک خزانہ جنت کے خزانوں میں سے''۔ میں نے عرض کیا۔'' بتلائیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' تب حضور انورؐ نے فرمایا کہ '' **لا حول ولا قوۃ الا باللہ**''۔[۲] (یہ کلمہ تفویض کا ہے اور اس میں اقرار ہے کہ اور کسی کو نہ طاقت ہے نہ قدرت، اس وجہ سے خدائے تعالیٰ کو بہت پسند ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایک دعا سکھلایئے جس کو میں پڑھا کروں اپنی نماز میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''یہ کہا کرو ''**اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم**'' یعنی'' اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا سوائے تیرے، تو بخش دے مجھے اپنے پاس کی بخشش سے اور رحم کر مجھ پر، تو بخشنے والا مہربان ہے''۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خولہ بنت حکیم سلمیہؓ نے سنا آپ فرماتے کہ ''جو شخص کسی منزل میں اترے پھر کہے ''**اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق**'' یعنی پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کے پورے کلموں کی برائی سے اس کے جو اللہ نے پیدا کیا تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ کوچ کرے اس منزل سے''۔[۴]

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا'' یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل رات بچھو نے مجھے کاٹا جس سے مجھے بڑی تکلیف پہنچی''۔ آپ نے فرمایا'' اگر شام کو یہ کہہ لیتا ''**اعوذ**

بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق" تو تجھے ضرر نہ کرتا اور نہ کاٹتا تو تکلیف نہ ہوتی"۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[5]

اسماء بن الحکم فزاری کہتی ہیں کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تھا تو اس سے خدا کو جتنا منظور ہوتا تھا مجھے نفع دیتا تھا اور جب کوئی شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتا تھا تو میں اس کو قسم دیتا تھا جب وہ قسم کھا لیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا اور مجھ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حدیث بیان کی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سچ کہا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ "جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرے پھر وہ اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اور دو رکعت نماز پڑھے اور خدا سے مغفرت چاہے تو خدا اس کو بخش دیتا ہے پھر یہ آیت پڑھی: ● جن لوگوں نے کوئی برا کام کیا و را اپنے نفس پر زیادتی کی (تو پھر) اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں مغفرت چاہیں (تو اللہ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے) اور اللہ کے سوا کون گناہ بخش سکتا ہے۔ اور جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں"۔[6]

اگر کسی سے کوئی کبیرہ یا صغیرہ گناہ سرزد ہو، تو توبہ کریں اور گناہ سے باز آئیں اور آئندہ اس سے باز رہنے کا عزم پختہ کر لیں کہ یہ توبہ مقبولہ کے شرائط میں سے ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲، حدیث نمبر ۶۳۰۶ (۲) مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب ۱۳، حدیث نمبر ۶۸۶۸ (۳) بخاری، کتاب الآذان، باب ۱۴۹، حدیث نمبر ۸۳۴ (۴) مسلم، کتاب الذکر، والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۱۶، حدیث نمبر ۶۸۷۸ (۵) مسلم، کتاب الذکر، والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۱۶، حدیث نمبر ۶۸۷۹ (۶) ترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب ۳/۴، حدیث نمبر ۳۰۰۶

دعا بھی عبادت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

الدعاء ہو العبادۃ ثم قرأ **وقال ربکم ادعونی استجب لکم**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’دعاء بھی عبادت ہے‘‘، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ’’اور تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعاء کرو، میں قبول کروں گا‘‘۔(بہ روایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جس شخص کے لئے دعاء کا دروازہ کھل گیا، تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اللہ تعالیٰ کو عافیت طلبی کے سوال سے بڑھ کر کوئی سوال محبوب نہیں۔ نازل شدہ بلا اور وہ بلا جو ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ نازل ہونے والی ہے ان کے لئے بھی دعاء مفید اور نافع ہے، لہٰذا تم کو لازم ہے کہ دعاء کیا کرو‘‘۔ (بروایت حضرت ابن عمر)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’ دعاء ہی ایسی چیز ہے جو قضاء پھیر سکتی ہے‘‘۔[3]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف کے وقت یہ دعا کرتے تھے

’’لاالہ الااللہ العظیم الحلیم لاالہ الا اللہ رب السموات والارض ورب العرش العظیم‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں، جو بہت بڑے حوصلے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں، جو

آسمانوں اور زمین کا رب ہے (اور) عرش عظیم کا رب ہے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مصیبت سے اور بدبختی کے پانے اور بری تقدیر اور دشمنوں کے طعنے سے پناہ مانگتے تھے۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[5]

حضرت ابوموسیٰؓ نے بیان کیا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا.......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے برکت کی دعاء فرمائی۔[6]

حضرت سائبؓ سے مروی ہے کہ ''میری خالہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ! میرا یہ بھانجہ بیمار ہے۔ آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعاء فرمائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوء کیا تو میں نے آپ کے وضوء کا بچا ہوا پانی پیا''۔[7]

حضرت ابوعقیلؒ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دادا عبداللہ بن ہشام بازار لے جاتے اور وہاں سے غلہ خریدتے۔ ان سے ابن زبیرؓ اور ابن عمرؓ ملتے تو کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے لئے برکت کی دعاء کی ہے۔ (یہ ان کو شریک کرلیتے) اور اکثر ایسا ہوتا کہ سواری پر لدا ہوا غلہ جوں کا توں سالم گھر پر آتا ۔[8]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے اور آپ ان کے لئے دعاء کرتے تھے۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی چیز دعاء سے زیادہ مکرم نہیں''۔[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کیا، اللہ تعالیٰ اس پر غصہ

ہوگا‘‘۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’الحمدللہ، سب دعاؤں میں افضل ہے‘‘۔[12]

حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کو یاد کرکے اس کے لئے دعاء کرتے، تو پہلے اپنے لئے دعاء کرتے۔[13]

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعاء کے لئے ہاتھ اُٹھاتے، تو جب تک اپنے منہ (روئے انور) پر پھیر نہ لیتے نہیں چھوڑتے۔[14]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے ’’**اللھم انی اعوذبك من شر ماعلمت ومن شر مالم اعمل**‘‘۔ (بہ روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ)[15]

---

(۱) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۲، حدیث نمبر ۳۳۷۲، ابوداؤد، کتاب الوتر، باب ۲۳، حدیث نمبر ۱۴۷۶ (۲) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۱۲/۰، حدیث نمبر ۳۵۴۸ (۳) ترمذی، کتاب القدر، باب، ۶، حدیث نمبر ۲۱۳۹ (۴) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲۷، حدیث نمبر ۶۳۴۵ (۵) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲۸، حدیث نمبر ۶۳۴۷ (۶) بخاری، کتاب العقیقۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۵۴۶۷ (۷تا۹) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۳۱، حدیث نمبر ۶۳۵۲، ۶۳۵۳، ۶۳۵۵ (۱۰) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱، حدیث نمبر ۳۳۷۰ (۱۱) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۳/۲، حدیث نمبر ۳۳۷۳ (۱۲) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹، حدیث نمبر ۳۳۸۳ (۱۳) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۰، حدیث نمبر ۳۳۸۵ (۱۴) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۱، حدیث نمبر ۳۳۸۶ (۱۵) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۱۸، حدیث نمبر ۶۸۹۵

دعائیں قبول ہوتی ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ما علی الارض مسلم یدعو اللہ تعالیٰ بدعوۃ الا اتاہ اللہ ایاھا

اوصرف عنہ من السوء مثلھا مالم یدع بأثم اوقطیعۃ رحم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دنیا میں جتنے مسلمان دعاء مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اوران کو وہی چیز دیتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں یا اس کے برابران کو کسی گناہ سے باز رکھتا ہے تاوقتیکہ انسان کسی گناہ یا ناتا توڑنے کی دعاء نہ کرے۔'' (بہ روایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) [1]

دعاء عبادت ہے، بندوں کو اپنے خالق ومعبود سے ہروقت ہرامر میں دعاء مانگتے رہنا چاہئے کیونکہ حکم رب تعالیٰ ہے کہ ''مجھ سے دعاء کرو میں قبول کروں گا''۔ اور مسلمان جو دعاء مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تمام دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ اپنے مانگنے والے بندے کی طلب اور خواہش کے موافق عطا فرماتا ہے اور اگر کسی وجہ سے اس دعاء کا بظاہر اثر محسوس یا معلوم نہ ہو تو بندوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوگا کہ اس بندے کو اس دعاء کی برکت سے کسی ایسے گناہ سے محفوظ رکھا جائے جو گناہ برائی

میں اس دعاء کی بھلائی کے برابر تھا۔ یہ بات خود بھی ارحم الراحمین کے فضل وکرم عنایات بے پایاں اور لطف و مہربانی کی روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے بندوں کی بھلائی پسند فرماتا ہے۔ دعاء قبول فرما کر یا دعاء کو محفوظ فرما کر اسے گناہ کے مٹانے یا مصیبت کو ٹالنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

دعاء مانگنا تقاضۂ بندگی ہے، اللہ تعالیٰ کو دعاء مانگنے والا بندہ پسند ہے ہر طرح بندہ اپنے مولیٰ تعالیٰ سے رجوع رہے اپنی ہر طلب، ہر امید ہر خواہش ہر تمنا ہر آرزو اپنے رب سے رکھے وہی بندہ کو نوازتا ہے اس کی ہر امید کو برلاتا ہے ہر دعاء قبول فرماتا ہے۔ دعاء کرتے وقت بندہ اس یقین سے لبریز رہے کہ اس کے ہاتھ خالی لوٹائے نہیں جائیں گے کیونکہ بارگاہ خدائے قدوس میں طلب کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ کبھی خالی نہیں رہا کرتے۔ بندہ دعاء میں اپنے خالق ومعبود قادر مطلق کی شان کبریائی قدرت کاملہ اور فضل وعطاء کا ذکر کرتا رہتا ہے جس کا وہ ثمرہ پاتا ہے۔ ذکر الٰہی کے افضال واکرام کے متعلق اور خوف الٰہی کے ضمن میں یہ ارشاد حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''(قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ایسے شخص کو دوزخ سے نکال لو جس نے ایک دن بھی میرا ذکر کیا ہو یا، جس نے کبھی کسی مقام پر مجھ سے خوف کیا ہو''۔

(بہ روایت حضرت انسؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہمارا پروردگار ہر رات کو جب رات کا اخیر ثلث حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے (سامان دنیا سے سے مراد جس پر اہل دنیا کی نظر پڑتی ہے) اور ارشاد فرماتا ہے کہ ''.....کون شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو دوں، کون شخص ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس کو بخش دوں''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''....جب رات کا پہلا ثلث حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال کے بعد فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، کون شخص ہے کہ مجھ سے دعاء کرے کہ میں قبول کروں.....الخ''۔[4]

نزول اجلال یعنی نزول باری سے نزول رحمت حق تعالیٰ اور الطاف الٰہی مراد ہے۔

ابو مالک اشجعیؒ نے اپنے والد سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ جو کوئی مسلمان ہوتا تو اس کو یہ سکھلاتے ''اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی''۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا کرتے ''ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[6]

یقیناً یہ دعا مختصر اور جامع ہے۔ دنیا وآخرت سے اور دونوں کی خوبیوں سے متعلق طلب وسوال اس میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''دعا میں قافیہ آرائی سے بچو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام اس سے اجتناب ہی کیا کرتے تھے''۔[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو یقین کے ساتھ دعا مانگے، یہ نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو مجھ کو دے دے، اس لئے کہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے''۔

(بہ روایت حضرت انسؓ)[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے ہر شخص کی دعا مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے (اس لئے یہ نہ کہے) میں نے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی''۔[9]

دعا میں ہاتھ اٹھانے کے سلسلے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اور آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ [10]

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ ہم لوگوں پر بارش ہو''۔ تب رسول اللہؐ نے بارش کے لئے دعا کی تو آسمان ابر آلود ہو گیا اور بارش ہونے لگی، یہاں تک کہ لوگ اپنے گھروں کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی تو وہی شخص یا دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسولؐ اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ بارش کو ہم سے پھیر دے، ہم لوگ تو ڈوب گئے۔ آپ نے دعا کی ''یااللہ! ہمارے اردگرد برسا ہم پر نہ برسا''۔ چنانچہ بدلی مدینہ کے اردگرد منتشر ہونے لگی (اور وہیں بارش ہوتی رہی، لیکن) مدینہ میں بارش نہیں ہو رہی تھی۔ [11]

---

(۱) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۱۵/۱۲۵، حدیث نمبر ۳۵۷۳ (۲) ترمذی، کتاب صفۃ جھنم، باب ۹، حدیث نمبر ۲۵۹۴ (۳) بخاری، کتاب التھجد، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۱۴۵ (۴) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ۲۴، حدیث نمبر ۱۷۷۳ (۵) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۱۰، حدیث نمبر ۶۸۵۰ (۶) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۵۵، حدیث نمبر ۶۳۸۹ (۷) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲۰، حدیث نمبر ۶۳۳۷ (۸) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲۱، حدیث نمبر ۶۳۳۸ (۹) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲۲، حدیث نمبر ۶۳۴۰ (۱۰) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۴۹، حدیث نمبر ۶۳۸۳ (۱۱) بخاری، کتاب الدعوات، باب ۲۴، حدیث نمبر ۶۳۴۲

دعا مغز عبادت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

الدعآء مخ العبادۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دعا عبادت کا مغز ہے''۔

(بہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)[1]

دعا عبادت کا رکن اعلیٰ ہے جیسے مغز کے بغیر ہڈی کی، گودے کے بغیر چھلکے کی کوئی قدر نہیں ایسے ہی دعا سے خالی عبادت کی کوئی قدر نہیں۔ رب تعالیٰ مانگنے کو پسند فرماتا ہے۔ عبادت نام ہے اپنی انتہائی عاجزی، رب تعالیٰ کی انتہائی عظمت کے اظہار کا۔ دعا میں یہ دونوں چیزیں اعلیٰ طریقہ سے موجود ہیں کہ اس میں بندہ اقرار کرتا ہے کہ میں کچھ نہیں اے اللہ! آپ کریم ہیں غنی ہیں اس لئے میں آپ کے دروازہ پر ہاتھ پھیلائے آیا ہوں۔ احادیث شریفہ میں دعا کی اہمیت فضیلت ضرورت کے بارے میں حقائق اور دعا کے طریقہ سے متعلق روشن ہدایات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان کی دعا اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی پس پشت ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس کے سر کے پاس فرشتہ مقرر رہوتا ہے کہ وہ جب اپنے بھائی کے لئے دعائے

خیر کرتا ہے تو مقرر فرشتہ کہتا ہے ”آمین“ اور تجھے بھی ایسا ہی ملے“۔ (بروایت حضرت ابوالدرداء)[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”دعا قبول کی جاتی ہے تم میں سے ہر کسی کی جب تلک کہ وہ جلدی نہ کرے اور یہ نہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی“۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۳]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے اور اس کے ماسواء دعائیں چھوڑ دیتے تھے۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”بہت جلد قبول ہونے والی دعا غائب کی غائب کے لئے ہے“۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزہ دار کی دعا جب افطار کر رہا ہو۔ انصاف والے حاکم کی دعا اور مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگر چہ کچھ دیر بعد ہی سہی۔“[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تین دعائیں بلاشبہ مقبول ہوتی ہیں۔ باپ کی دعا، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔“ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”ہر شخص اپنے رب سے اپنی ساری حاجتیں مانگے حتیٰ کہ جب جوتہ کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس سے مانگے“۔ (بہ روایت حضرت انس)[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”نہ اپنی جانوں پر بددعاء کرو اور نہ اپنی اولاد پر اور نہ اپنے مالوں پر ایسا نہ ہو کہ اتفاقاً وہ ایسی گھڑی ہو جس میں اللہ سے جو مانگا جائے وہ ملے اور تمہاری یہی دعاء قبول

ہو جائے''۔ [9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص کوئی دعاء مانگے تو ضرور اللہ تعالی اس کی منہ مانگی مراد دیتا ہے یا اس جیسی کوئی آفت دور کر دیتا ہے، جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ کرے۔ [10]

اس سے واضح ہوا کہ قبولیت دعاء کی چند صورتیں ہیں، ایک منہ مانگی مراد کا مل جانا، دوسرے اس جیسی آفت کا ٹل جانا مثلاً کسی کے ہاں سو روپے کی چوری ہوئی تھی اس نے اللہ سے دعاء مانگی کہ اے اللہ! مجھے سو روپے عطا فرما۔ اگر اسے سو روپے نہ ملے مگر اتنی رقم کی ہونے والی چوری اس دعاء کے باعث ٹل گئی، بہر حال دعاء رائیگاں نہ گئی۔ [11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالی سے اس کا فضل مانگو کہ اللہ تعالی مانگنے کو پسند فرماتا ہے اور بہترین عبادت کشائش کا انتظار ہے۔'' (بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) [12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو چاہے کہ مصیبتوں کے وقت اللہ تعالی کی دعاء قبول کرے تو آرام کے زمانے میں دعائیں زیادہ مانگا کرے۔'' [13]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ سے دعاء کرو قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے اور جان رکھو کہ اللہ تعالی غافل اور لاپرواہ کی دعاء قبول نہیں فرماتا''۔ [14]

---

(۱) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۲/۰، حدیث نمبر ۳۳۷۱ (۲) مسلم، کتاب الذکر و الدعاء، باب ۲۳، حدیث نمبر ۶۹۲۸ (۳) مسلم، کتاب الذکر و الدعاء، باب ۲۵، حدیث نمبر ۶۹۳۴ (۴) ابو داؤد، کتاب الوتر، باب ۲۳، حدیث نمبر ۱۴۷۹ (۵) ابو داؤد، کتاب الوتر، باب ۲۹، حدیث نمبر ۱۵۳۲ (۶) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۳۱، حدیث نمبر ۳۵۹۸ (۷) ابو داؤد، کتاب الوتر، باب ۲۹، حدیث نمبر ۱۵۳۳ (۸) مشکوٰۃ (۹) مسلم، کتاب الزہد و الرقائق، باب ۱۸، حدیث نمبر ۷۵۱۵ (۱۰) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹، حدیث نمبر ۳۳۸۱ (۱۱) مرآت (۱۲) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۲۵/۱۱۵، حدیث نمبر ۳۵۷۱ (۱۳) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹، حدیث نمبر ۳۳۸۲ (۱۴) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۶۵/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۴۷۹

استخارہ کرلیا کرو

عـن جابر قال كان رسول الله صلى الله عليه و آلهٖ وسلم يعلمنا الاستخارة فى الامور كـمـا يـعـلـمـنـا الـسـورـة من القران يقول: اذا هم احدكم بالامر فليركع ركعتين من غيـرالـفـريـضة ثـم ليـقـل: الـلـهـم انـى استخيرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسألک مـن فـضـلـک الـعـظيم فانک تقدر ولا اقدر و تعلم ولا اعلم وانت علام الـغيـوب الـلـهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خيرلى فى دينى و معاشى و عاقبة امرى او قـال: عـاجـل امـرى وآجـله فاقدره لى ويسره لى ثم بارک لى فيه وان كنت تعلم ان هـذا الامـر شـر لـى فـى ديـنـى و مـعـاشى و عاقبة امرى او قال فى عاجل امرى آجله فـاصـرفه عنى واصرفنى عنه واقدر لى الخير حيث كان ثم ارضنى به قال ويسمى حجته

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں سارے کاموں میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورہ سکھاتے تھے فرماتے تھے کہ ”جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض کے سواء دو رکعتیں پڑھے پھر کہے الٰہی ! میں تیرے علم کی مدد سے تجھ سے خیریت مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلہ سے تجھ سے قدرت مانگتا ہوں اور تیرا بڑا فضل مانگتا ہوں، تو قادر ہے اور میں قادر نہیں، تو

جانتا ہے میں نہیں جانتا، تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ الٰہی اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے لئے دین و دنیا اور انجام کار میں" یا فرمایا" میرے لئے اس جہاں اور اس جہاں میں بہتر ہو تو اسے میرے لئے مقدر فرمادے اور مجھ پر آسان کردے پھر مجھے برکت دے اور اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے دین و دنیا اور انجام کار میں" یا فرمایا "کہ میرے لئے اس جہاں اور اس جہاں میں شر ہو تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے اور میرے لئے بھلائی مقدر کر جہاں ہو پھر مجھے اس پر راضی کردے" فرمایا" اور اپنی حاجت کا نام لے"۔[1]

اہل ایمان کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرلو اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو۔ استخارہ کے معنی ہیں خیر مانگنا یا کسی سے بھلائی کا مشورہ کرنا، چوں کہ اس دعا و نماز میں بندہ اللہ سے گویا مشورہ کرتا ہے کہ فلاں کام کروں یا نہ کروں اسی لئے اسے استخارہ کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ کام نہ حرام ہو نہ فرض و واجب اور نہ روزمرہ کا عادی کام۔ لہذا نماز پڑھنے حج کرنے یا کھانا کھانے پانی پینے پر استخارہ نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ اس کام کا پورا ارادہ نہ کیا ہو صرف خیال ہو جیسے کوئی کاروبار شادی بیاہ مکان کی تعمیر وغیرہ کا معمولی ارادہ ہو اور تردد ہو کہ نہ معلوم اس میں بھلائی ہوگی یا نہیں تو استخارہ کرے۔[2]

● خاص استخارہ کے لئے دن میں یا رات میں (مکروہ اوقات میں نہیں) جو دو رکعت پڑھی جائیں ان میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "**قل یا ایھا الکفرون**" پڑھے دوسری رکعت میں "**قل ھو الله احد**" پڑھے کیوں کہ یہی آسان ہے (مرقاۃ) ● "**ھذا الامر**" کی جگہ اپنے کام کا نام لے "**ھذا النکاح**" یا "**ھذہ التجارۃ**" یا "**ھذا التعمیر**" کہے (مرآت) بجائے **ھذا الامر** کے حاجت کا نام لے یا اس کے بعد۔[3]

حدیث شریف میں ہے جو استخارہ کرلیا کرے وہ نقصان میں نہ رہے گا اور جو استخارہ کرلیا کرے وہ نادم نہ

ہوگا۔[4]

اس استخارہ کے بعد پھر جدھر دل متوجہ ہو وہ کرے۔ ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔بعض عارفین وکاملین فرماتے ہیں کہ اگر سوتے وقت دو رکعتیں پڑھ کر حدیث متذکرہ بالا میں ارشاد فرمائی ہوئی دعا پڑھے پھر باوضو قبلہ رو ہوجائے تو اگر خواب میں سبزی یا سفیدی، جاری پانی یا روشنی دیکھے تو کامیابی کی علامت ہے اور اگر سیاہی یا گدلا پانی یا اندھیرا دیکھے تو ناکامی اور نامرادی کی علامت ہے۔سات روز یہ عمل کرے ان شاءاللہ اس دوران خواب میں اشارہ ہوجائے گا۔استخارہ کے اور بہت طریقے اس جگہ مرقاۃ نے بیان کئے ہیں۔[5]

- حج اور جہاد اور دیگر نیک کاموں میں نفس فعل کے لئے استخارہ نہیں ہاں تعیین وقت کے لئے کرسکتے ہیں۔[6]
- مستحب یہ ہے کہ اس دعا کے اول آخر الحمدللہ اور درود شریف پڑھے
- بہتر یہ ہے کہ سات بار استخارہ کرے کہ حضور انور ؐ نے حضرت انس ؓ سے فرمایا کہ ’’اے انس! جب تو کسی کام کا قصد کرے تو اپنے رب سے اس میں سات بار استخارہ کر پھر نظر کر تیرے دل میں کیا گذرا کہ بے شک اسی میں خیر ہے‘‘۔[7]

اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ دعائے مذکورہ پڑھ کر باطہارت قبلہ رو سو رہے اگر خواب میں سپیدی یا سبزی دیکھے تو وہ کام بہتر ہے اور سیاہی یا سرخی دیکھے تو برا ہے اس سے بچے (ردالمختار) استخارہ کا وقت اس وقت تک ہے کہ ایک طرف رائے پوری جم نہ چکی ہو۔ (بہارشریعت)

---

(۱) بخاری، کتاب التھجد، باب ۲۵، حدیث نمبر ۱۱۶۲ (۲) لمعات (۳) درالمختار (۴، ۵) مرآۃ (۶) غنیۃ (۷) مرآۃ

بیماری کے ساتھ شفا بھی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ما انزل اللہ دآء الا انزل لہ شفاء

رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہ بنائی مگر اس کے لئے شفا بھی اتاری''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر بیماری کی دوا ہے جب دوا بیماری تک پہنچا دی جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے (بیمار) اچھا ہو جاتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت جابرؓ)[2]

یعنی دوا بیماری دور کرنے میں مؤثر تو ہے لیکن مستقل مؤثر نہیں بلکہ ارادہ الٰہی کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو دوا کو مؤثر بنا دے اور اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو دوا ہرگز اثر نہیں کرتی وہ مؤثر نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بیمار کی شفاء نہیں چاہتا تو دوا اور مرض کے درمیان ایک فرشتے کے ذریعہ آڑ کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے دوا مرض پر واقع نہیں ہوتی، جب شفا کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جس سے دوا مرض پر واقع ہوتی ہے اور شفا ہو جاتی ہے۔[3]

ہر مرض کی دوا ہے اور گناہ کی دوا توبہ ہے۔ خیال ہے کہ دفع مرض کے لئے دوا کرنا مستحب ہے مگر دفع

بھوک کے لئے کھانا اور دفع پیاس کے لئے پانی پینا فرض ہے۔ لہذا اگر کوئی بیمار بغیر دوا کئے مرجائے تو گنہگار نہیں لیکن اگر کوئی بھوکا پیاسا (عمداً) بغیر کھائے پیئے مرجائے تو حرام موت مرے گا۔ کیوں کہ دوا سے شفا میں یقین نہیں مگر کھانے سے دفع بھوک میں اور پانی سے دفع پیاس میں یقین یا گمان اغلب ہے دوا کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کی قسم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! کیا ہم دوا درماں کریں؟'' حضورؐ نے فرمایا کہ ''ہاں! اے اللہ کے بندو دوا کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں فرمائی مگر اس کے لئے شفا رکھی سوا ایک بیماری۔ لوگوں نے عرض کی کہ وہ کونسی بیماری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ''بڑھاپا''۔

(بہ روایت حضرت اسامہ بن شریکؓ)[۴]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوا کرنے کا حکم دیا تا کہ معلوم ہو کہ دوا عبودیت کے خلاف نہیں بڑھاپے کو بیماری اس لئے فرمایا گیا کہ بڑھاپے کے بعد موت ہے جیسے بیماری کے بعد موت ہوتی ہے نیز بڑھاپے میں بہت بیماریاں دبا لیتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے بیماریاں اور دوائیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کے لئے دوا بنائی ہے تو تم لوگ دوا کرو اور حرام سے دوا نہ کرو''۔ (بہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ)[۵]

یعنی شراب اور (حیوانات کے) پیشاب وغیرہ حرام چیزوں سے دوا نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی''۔[۶]

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے شراب کے متعلق فرمایا کہ ''وہ دوا نہیں نری بیماری ہے''۔[۷]

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مریض کے پاس

تشریف لے جاتے یا آپ کے پاس کوئی مریض لایا جاتا تو فرماتے کہ ''اے لوگوں کے رب! تکلیف دور کردے اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے نہیں ہے شفا مگر تیری شفاء وہ شفا دے جو بیماری (کو) نہ چھوڑے''۔ [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ جاتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے۔'' [۹]

یہ ارشاد اس وقت ہوا جب کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بارے میں عرض کیا تھا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعفر کی اولاد کو نظر جلد لگ جاتی ہے''۔ (حضرت جعفر کے بچے ظاہری باطنی خوبیوں والے تھے اس لئے لوگ انھیں تعجب کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اور یہ بچے نظر کی وجہ سے بیمار ہو جاتے تھے) حضرت اسماء نے نظر بد کے زائل ہونے کی دعا پڑھ کر ان بچوں پر دم کرنے کی اجازت بھی طلب کی تھی جو انہیں مرحمت فرمادی گئی۔ (غالبًا حضرت اسماء نے نظر بد کے اثر کو زائل کرنے کی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھی تھی) مرقات میں ہے۔ نظر بد بڑی مؤثر ہوتی ہے اگر کسی چیز سے تقدیر پلٹ جاتی تو نظر سے پلٹ جاتی ۔خیال رہے غصہ کی نظر، منظور (جسے دیکھا جائے) میں ڈر پیدا کر دیتی ہے، محبت کی نظر خوشی، اسی طرح تعجب کی نظر بیماری پیدا کرسکتی ہے۔ رب تعالیٰ جس چیز میں چاہے تاثیر خاص پیدا کردے وہ قادر مطلق ہے۔ جیسے بری نظر منظور پر برا اثر ڈالے یونہی صالحین مقربین کی رحمت کی نظر منظور میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ نظر بد بیماریاں پیدا کرتی ہے تو نظر خوب بیماریاں دور کرتی ہے۔

حضرت ابوامامہ بن سہیل بن حنیف ؓ کہتے ہیں کہ عامر بن رابعہ نے سہل بن حنیف کو دیکھا جو نہار ہے

تھے تو بولے ''اللہ کی قسم میں نے آج کا سا دن دیکھا نہ ایسی محفوظ کھال (یعنی جلد)'' فوراً سہل گر گئے۔ پھر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا گیا۔ ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہل بن حنیف کہ خدا کی قسم اپنا سر بھی نہیں اٹھاتے''۔ تو فرمایا کیا تم ان کے متعلق کسی پر شبہ کرتے ہو تو عرض کیا گیا عامر بن ربیعہ پر تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامر کو بلایا اور ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے دعائے برکت کیوں نہ کی۔ اچھا اب ان کیلئے دھوؤ۔''[10]

ایک اور حدیث شریف میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''....نظر حق ہے تم اس کے لئے وضوء کرو''۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دو شفائیں اختیار کرو۔ شہد اور قرآن''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)[12]

---

(۱) بخاری، کتاب الطب، باب ۱، حدیث نمبر ۵۶۷۸ (۲) مسلم، کتاب السلام، باب ۲۶، حدیث نمبر ۵۷۴۱ (۳) مرقات (۴) ترمذی، کتاب الطب، باب ۲، حدیث نمبر ۲۰۳۸ (۵) ابوداؤد، کتاب الطب، باب ۱۱، حدیث نمبر ۳۸۶۶ (۶) طبرانی (۷) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۵۱۴۱ (۸) بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ۲۰، حدیث نمبر ۵۶۷۵ (۹) ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ۳۳، حدیث نمبر ۳۵۱۰ (۱۰) شرح سنہ (۱۱) مالک موطا (۱۲) ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ۷، حدیث نمبر ۳۴۵۲

اللہ تعالیٰ مومنوں کو (دنیا و آخرت میں) مضبوط بات پر قائم رکھتا ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

اذا مـات احدکم فانه یعرض علیه مقعده بالغداة و العشی فأن کان من اهـل الـجـنة فـمـن اهـل الـجـنـة وان کان من اهل النار فمن اهل النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا رہتا ہے اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر دوزخیوں میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ۔'' (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان سے جب قبر میں پوچھ گچھ ہوتی ہے تو وہ گواہی دے اٹھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو یہ ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **یثبت الـلـه الذین امنوا بالقول اثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة** (اللہ مومنوں کو مضبوط بات پر قائم رکھتا ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں)۔'' (بہ روایت حضرت براء بن عازبؓ)[2]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ آیت (**یثبت الـلـه الـذین امنوا بـالقول اثابت**) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی مردے سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ

اور میرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو مومن کہہ دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنا دوزخ کا ٹھکانہ دیکھ جسے اللہ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا تو وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے لیکن منافق اور کافر، اس سے کہا جاتا ہے کہ ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے وہ ہی میں کہتا تھا تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ پہچانا نہ قرآن پڑھا اور لوہے کے ہتھوڑوں سے مار ماری جاتی ہے جس سے وہ ایسی چیخیں مارتا ہے کہ سواء جن وانس تمام قریبی چیزیں سنتی ہیں۔''[4]

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''ہاں عذاب قبر حق ہے۔''[5]

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا؟۔ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے؟۔ تو وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں تجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟۔ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اسے سچا جانا یہ ہی اس آیت کی تفسیر ہے: ● ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی''

(۱۴/۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''پھر آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے لہٰذا اس کے لئے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو پس کھول دیا جاتا ہے اس تک جنت کی ہوا اور وہاں کی خوشبو آتی ہے اور تا حد نظر قبر میں فراخ کردی جاتی ہے۔'' رہا کافر، حضور علیہ السلام نے اس کی موت کا ذکر فرمایا۔ فرمایا کہ ''اس کی روح اس کے جسم (میں) لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر وہ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا تب پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ، آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے آگ کی طرف دروازہ کھول دو۔ فرمایا پھر اس تک وہاں کی گرمی اور لو آتی ہے فرمایا اس پر اس کی قبر تنگ ہوجاتی ہے حتی کہ وہاں اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں پھر اس پر اندھے بہرے فرشتے مسلط ہوتے ہیں۔ جن کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوتے ہیں۔ اگر ان سے پہاڑ کو مارا جائے تو وہ بھی مٹی ہوجائے اس سے اسے مارتے ہیں ایسی مار جس سے جن وانس کے سوا پورب پچھّم کی مخلوق سنتی ہے جس سے وہ مٹی ہوجاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔''[۶]

حضرت عثمان غنیؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی۔ عرض کیا گیا کہ آپ جنت دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے۔ اس سے روتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پا گیا تو بعد والی منزلیں اس سے آسان تر ہیں اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے سخت ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''میں نے کوئی منظر نہ دیکھا مگر قبر اس سے زیادہ وحشت ناک ہے۔''[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ دیر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو پھر اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اس سے اب سوالات ہو رہے ہیں۔[8]

---

(۱) بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ۸، حدیث نمبر ۳۲۴۰ (۲) بخاری، کتاب التفسیر، باب ۱۴/۲، حدیث نمبر ۴۶۹۹ (۳) مسلم، کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا واھلھا، باب ۱۷، حدیث نمبر ۷۲۱۹ (۴) بخاری، کتاب الجنائز، باب ۸۶، حدیث نمبر ۱۳۷۴ (۵) مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب ۲۴، حدیث نمبر ۱۳۲۱ (۶) ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب ۲۳/۲۴، حدیث نمبر ۴۷۴۰ (۷) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۵، حدیث نمبر ۲۳۰۸ (۸) ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب ۶۷/۶۹، حدیث نمبر ۳۲۱۹

قبور کی زیارت کرو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کرو“۔ (بہ روایت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ)[1]

ارشاد مبارکہ میں زیارت قبور سے متعلق قبل ازیں منع کئے جانے اور بعدہٗ اس کی اجازت سے متعلق صراحت ہے۔ ابتداء اسلام میں زیارت قبور کی ممانعت تھی کیوں کہ لوگ نئے نئے داخل اسلام ہو رہے تھے ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اسلام لانے سے قبل بت پرستی میں مبتلا اور ملوث تھے۔ اس عادت کی وجہ سے اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں قبر پرستی نہ شروع کر دیں اس وجہ سے انھیں روکا گیا تھا لیکن جب ان میں اسلام راسخ ہو گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔[2]

زیارت قبور کی اجازت اور اس کے نتیجہ و فائدہ سے متعلق پہلوؤں کی وضاحت سے متعلق یہ ارشاد نبویؐ ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب ان

کی زیارتیں کیا کرو کیوں کہ یہ دنیا میں بے رغبتی اور آخرت کی یاد پیدا کرتی ہے"۔

(بہ روایت حضرت ابن مسعودؓ) [۳]

یعنی ممانعت زیارت قبور منسوخ ہے اب اس کی اجازت ہے۔ زیارت قبور سے دل بیدار ہوتا ہے نفس مرتا ہے اور امراء و سلاطین کی ملاقاتوں سے دل غافل ہوتا ہے نفس موٹا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ (حضرت سیدہ بی بی آمنہؓ) کی مزار کی زیارت کی۔ [۴]

مرقاۃ میں لکھا ہے کہ حضرت بی بی آمنہؓ کی مزار شریف کی زیارت کا یہ واقعہ صلح حدیبیہ میں ہوا۔ حضور علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ ایک ہزار صحابہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ "قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ موت یاد دلاتی ہے"۔ [۵]

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انھیں سکھاتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہیں "**السلام علیکم اهل الديار، من المؤمنين والمسلمين، وانا انشاء الله بكم لـلاحقون اسأ ل الله لنا ولكم العافية**" (اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو! تم پر سلام ہو انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔) [۶]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ میں کچھ قبروں پر گزرے تو ان کی طرف اپنا چہرہ پاک کیا پھر فرمایا "**السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالاثر**" (اے قبر والو! تم پر سلام ہو اللہ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہمارے اگلے ہو ہم تمہارے پیچھے)۔ [۷]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ان کے ہاں شب کی باری ہوتی تو آپ آخر رات میں بقیع کی طرف نکل

جاتے اور فرماتے۔ ''اے مومن قوم کے گھر والو! تم پر سلام تم سے جس چیز کا وعدہ تھا وہ تمہیں مل گئی کل کی تمہیں مہلت ہے اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد والوں کو بخش دے''۔ [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں زیارت قبور میں کیا کروں؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یوں کہا کرو: مومنوں مسلمانوں کے گھر والوں پر سلام ہو اللہ ہمارے اگلوں پچھلوں پر رحم فرمائے اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں''۔ [۹]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو اپنے ماں باپ یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ میں زیارت کیا کرے تو اس کی بخشش کی جائے گی اور وہ بھلائی کرنے والوں میں لکھا جائے گا''۔

(بہ روایت حضرت محمد بن نعمانؓ) [۱۰]

اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے صاحب مرآت نے لکھا ہے کہ محمد بن نعمان اگرچہ تابعی ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کی مگر انھوں نے صحابی کے ذریعہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مرفوع کی لہذا حدیث مرسل ہے☆ یہاں جمعہ سے مراد یا تو جمعہ کا دن ہے یا پورا مہینہ، بہتر ہے کہ ہر جمعہ کے دن والدین کی قبور کی زیارت کیا کرے☆ ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرنے والا گویا اب بھی ان کی خدمت کر رہا ہے جو ثواب ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنے کا ہے وہی ثواب ان کی وفات کے بعد انکی قبور کی زیارت کا ہے۔ [۱۱]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے باغات میں سے (کسی باغ میں) تشریف لے گئے تو دو آدمیوں کی آواز سنی جن پر ان کی قبروں میں عذاب کیا جاتا تھا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ان دونوں پر عذاب کیا جاتا ہے لیکن کسی بڑی بات کی وجہ سے (عذاب)

نہیں کیا جارہا ہے'' پھر آپ نے فرمایا کہ ''ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھایا کرتا تھا''۔ پھر آپ نے ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے ان دونوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا کہ ''امید ہے جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں ان دونوں پر عذاب کم رہے''۔[۱۲]

اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے علماء کرام نے ان حقائق و فوائد کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر گناہ کا علاج بھی جانتے ہیں کہ قبر پر شاخیں رکھ دیں تا کہ عذاب ہلکا ہو☆ قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنا سنت سے ثابت ہے کہ اس کی تسبیح سے مردہ کو راحت ہوتی ہے☆ اگرچہ ہر خشک وتر چیز تسبیح پڑھتی ہے مگر سبزے کی تسبیح سے میت کو راحت نصیب ہوتی ہے☆ سبزہ گنہگاروں کی قبر پر عذاب ہلکا کرے گا اور صالحین کی قبروں پر ثواب اور درجہ بڑھائے گا۔[۱۳]

---

(۱) مسلم، کتاب الجنائز، باب ۳۶، حدیث نمبر ۲۲۶۰ (۲) مرقات بحوالہ مرآت ج ۲ (۳) ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ۴۷، حدیث نمبر ۱۵۷۱ (۴) مسلم، کتاب الجنائز، باب ۳۶، حدیث نمبر ۲۲۵۹ (۵) ایضاً (۶) مسلم، کتاب الجنائز، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۲۵۷ (۷) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ۵۹، حدیث نمبر ۱۰۵۳ (۸، ۹) مسلم، کتاب الجنائز، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۲۵۵، ۲۲۵۶ (۱۰) بیہقی، شعب الایمان (۱۱) مرآت ج ۲ ص ۵۲۶ (۱۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۴۹، حدیث نمبر ۶۰۵۵ (۱۳) انوار الحدیث ص ۴۹۲

جنت میں تھوڑی جگہ بھی بہت بہتر ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم

لقاب قوس فی الجنة خیر مما تطلع علیه الشمس و تغرب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بقدر کمان کے جگہ بہشت میں بہتر ہے اس سے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے''۔(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے واسطے تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں خیال گذرا''۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو ● **فلا تعلم نفس مآ اخفی لهم من قرة اعینٍ** الخ ''تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے''۔ (۳۲/۱۷۔ق)[2]

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! خلق کس چیز سے پیدا ہوئی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ''پانی سے''۔ میں نے دریافت کیا بہشت کی عمارت کس چیز سے ہے فرمایا کہ ''ایک ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک ایک اینٹ سونے کی اور اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک یعنی کستوری ہے اور اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران یعنی

کیسر ہے اور اس میں (جو) داخل ہوگا وہ چین عیش میں رہے گا۔ غمگین اور محتاج کبھی نہ ہوگا اور زندہ رہے گا مرے گا نہیں اور ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے اور ان کی جوانی تمام نہ ہوگی یعنی سدا جوان رہیں گے بوڑھے نہ ہوں گے'' پھر فرمایا'' تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی دعا رد نہیں ہوتی۔ منصف حاکم کی اور روزے دار کی یہاں تک کہ روزہ کھولے اور مظلوم کی دعا کو اللہ بادل سے اوپر اٹھاتا ہے اور اس کے واسطے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری عزت وجلالت کی قسم البتہ میں تیری مدد کروں گا اگرچہ بعد کچھ زمانے کے''۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'' دو بہشت چاندی کے ہیں ان کے برتن اور جو چیز کہ ان میں ہے بھی سب چاندی کی ہے اور دو بہشت سونے کے ہیں ان کے برتن اور جو چیز ان میں ہے سب سونے کی ہے اور بہشتیوں کو اپنے رب کے دیدار سے کوئی آڑ سوائے جلال کی چادر کے نہیں (یعنی صفت عظمت کی کہ اس کی ذات پاک پر ہے عدن کے بہشت میں)۔ (بروایت حضرت ابوموسیٰؓ) [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' بہشت میں سو درجے ہیں دو دو درجوں میں سو سو برس کی راہ کا فرق ہے''۔ (بروایت حضرت ابوہریرہؓ) [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' بہشت میں سو درجے ہیں دو دو درجوں میں اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین میں اور فردوس سب سے اونچی بہشت ہے اور اس سے بہشت کی چار نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے لہذا جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو فردوس مانگا کرو''۔

(بروایت حضرت عبادہ بن صامتؓ) [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' بہشت میں سو درجے ہیں اگر ان میں سے ایک

درجے میں تمام عالم جمع ہو تو اس میں سما جائے''۔ (بہ روایت حضرت ابوسعیدؓ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بہشت میں ایک درخت ہے کہ اس کے سائے میں سو برس چلے گا اور اس کے سائے سے باہر نہ نکل سکے گا۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو''اور ہمیشہ کے سائے میں''۔(۳۰/۵۶) (بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بہشت میں جو درخت ہے سب کی پنڈلی یعنی نال سونے کی ہے''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں سدرۃ المنتہٰی کی طرف اٹھایا گیا تو ناگہاں وہاں چار نہریں دکھائی دیں دو نہریں ظاہر اور دو نہریں جو باطن ہیں سو وہ بہشت میں جاری ہیں''۔

(بروایت حضرت انسؓ)[10]

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ''یارسول اللہ! بھلا بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟''۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بہشت میں داخل کیا اور تو اس میں چاہے گا تو سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار کیا جائے گا اور وہ تجھ کو اڑا لے جائے گا تو جہاں چاہئے گا''اور دوسرے شخص نے دریافت کیا ''کیا بہشت میں اونٹ بھی ہوں گے؟''۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بہشت میں داخل کیا تو اس میں جو چاہے گا پائے گا اور تیری آنکھ لذت پائے گی''۔ (بروایت حضرت بریدہؓ)[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مقرر بہشت میں بازار ہوگا ہر جمعہ بہشتی لوگ وہاں آیا کریں گے سو اتر کی ہوا چلے گی تو ان کے کپڑوں اور مونہوں میں خوشبو پھیلا دے گی تو اس سے ان کی خوبی اور

خوبصورتی بڑھ جائے گی پھر اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ آئیں گے اور حالاں کہ ان کی خوبصورتی اور خوبی بڑھی ہوئی ہوگی تو ان کے گھر والے کہیں گے قسم اللہ کی البتہ ہمارے پیچھے تمہاری خوبی اور خوبصورتی بڑھ گئی تو وہ کہیں گے کہ قسم اللہ کی ہمارے پیچھے تمہاری خوبصورتی زیادہ ہوگئی۔ (بروایت حضرت انسؓ)[12]

---

(۱) بخاری، کتاب الجہاد و السیر، باب ۵، حدیث نمبر ۲۷۹۳ (۲) بخاری، کتاب التفسیر، باب ۱/۳۲، حدیث نمبر ۴۷۷۹ (۳) ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ۲، حدیث نمبر ۲۵۲۶ (۴) مسلم، کتاب الایمان، باب ۸۰، حدیث نمبر ۴۴۸ (۵، ۶، ۷) ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۲۵۲۹، ۲۵۳۱، ۲۵۳۲ (۸، ۹) ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۲۵۲۴، ۲۵۲۵ (۱۰) بخاری، کتاب الاشربۃ، باب ۱۲، حدیث نمبر ۵۶۱۰ (۱۱) ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۵۴۳ (۱۲) مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب ۵، حدیث نمبر ۱۴۶۷

جب دوزخ کھینچ کر لائی جائے گی

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

یؤتی بجهنم یومئذ لها سبعون اؤلف زمام مع کل زمام سبعون الف ملک یجرونها

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس دن دوزخ لائی جائے گی، جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچیں گے''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ)[1]

کل فرشتے جو جہنم کو کھینچ کر لائیں گے ان کی تعداد چار ارب نوے کروڑ ہوتی ہے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا تو اپنا منہ پھیر لیا اور اس سے پناہ مانگی، پھر دوزخ کا ذکر کیا اور اپنا منہ پھیر لیا اور اس سے پناہ مانگی، پھر فرمایا کہ دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو اور جس شخص کو یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی باتوں کے ذریعہ (اس سے بچے)۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تمہاری آگ جو تم جلاتے ہو ایک حصہ ہے اور دوزخ کی آگ ستر حصے ہے''۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ''قسم اللہ کی جلانے کے لئے تو یہی آگ کفایت کرتی ہے یارسول اللہؐ!''۔ آپ نے فرمایا ''وہ تو (آتش جہنم) اس سے ۶۹ حصے زیادہ گرم ہے، ہر حصہ کی گرمی اس

آ گ کی گرمی کے برابر ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۳]

ان دو احادیث شریفہ سے دوزخ کی وسعت اور اس کی آ گ کی شدت تپش کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کی ذات وصفات میں شرک کے مرتکبین، نافرمانوں، کفر میں مبتلاء لوگوں اور دنیا میں گناہ ومعصیت کے شکار بدنصیبوں کے لئے ان ارشادات میں وعید ہے۔ دوزخ کی آ گ سے بچنے کے لئے ممکنہ کوششیں کرنے کی ہدایت بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں جہنم سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بعضوں کو جہنم کی آ گ ٹخنوں تک پکڑے گی، بعضوں کو گھٹنوں تک، بعضوں کو کمر بند تک اور بعضوں کو ہنسلی تک''۔ (بہ روایت حضرت سمرہؓ) [۴]

دوزخ کی صفت سے متعلق متعدد روایتیں ہیں، جن کے منجملہ چند یہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آ گ اول ہزار سال جلائی گئی، یہاں تک کہ سرخ ہوگئی، پھر ہزار سال جلائی گئی یہاں تک کہ سفید ہوگئی، پھر ہزار برس جلائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی۔ سو وہ اندھیری تاریک ہے''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آ گ کے خیمے کی چار دیواریں ہیں، ہر دیوار چالیس برس کی راہ ہوئی''۔ (بہ روایت حضرت خدریؓ) [۶]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''البتہ ایک بڑا پتھر دوزخ کے کنارے سے اس میں ڈالا جائے گا تو وہ ستر برس نیچے کو چلتا رہے گا اور اپنے قرار گاہ تک نہ پہنچے گا''۔ (بہ روایت حضرت حسنؓ) [۷]

حضرت عمرؓ بن خطاب کہتے تھے کہ دوزخ کو بہت یاد کیا کرو، اس واسطے کہ اس کی گرمی سخت ہے اور اس کا گھیراؤ دور ہے اور اس کی گرزیں لوہے کی ہیں۔ [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جنت اور دوزخ نے جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا مجھ میں بڑے بڑے زورآور مقرر آئیں گے اور جنت نے کہا مجھ میں ناتواں مسکین لوگ آئیں گے۔ اللہ جل جلالہ نے دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے، میں جس کو چاہوں گا تجھ سے عذاب کروں گا اور جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں جس پر چاہوں گا تجھ سے رحم کروں گا اور تم دونوں بھری جاؤ گی“۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”ہمیشہ جہنم میں لوگ ڈالے جائیں گے اور وہ یہی کہے گی اور کچھ ہے، یہاں تک کہ پروردگار عزت والا اپنا قدم اس میں رکھ دے گا تب وہ سمٹ کر ایک رہ جائے گی اور کہنے لگے گی بس بس۔ قسم تیری عزت اور کرم کی اور ہمیشہ جنت میں خالی جگہ رہے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالی اس کے لئے ایک مخلوق کو پیدا فرمائے گا اور اس کو اس جگہ میں رکھے گا۔“ (بہ روایت حضرت انس بن مالکؓ)[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب جنت والے جنت میں جائیں گے اور دوزخ والے دوزخ میں تو موت لائی جائے گی اور جنت و دوزخ کے بیچ میں ذبح کی جاوے گی۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا ”اے جنت والو اب موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو اب موت نہیں“۔ جنت والوں کو یہ سن کر خوشی پر خوشی ہوگی اور دوزخ والوں کو رنج پر رنج زیادہ ہوگا“۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر)[11]

اہل خیر کا دائماً جنت میں رہنا اور اہل شر کا دوزخ میں دائمی جلنا فیصلہ حق ہے۔ ان حقائق وارشادات کی روشنی میں اہل جنت میں شمولیت کے لئے خلوص دل کے ساتھ سعی و جدوجہد سعادت عظیم ہے۔

---

(۱) مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب ۱۲، حدیث نمبر ۷۱۶۴ (۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۳۴، حدیث نمبر ۶۰۲۳ (۳،۴) مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واہلھا، باب ۱۲، حدیث نمبر ۷۱۶۵، ۷۱۷۰ (۵) ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، باب ۸، حدیث نمبر ۲۵۹۱/۱ (۶) ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، باب ۴، حدیث نمبر ۲۵۸۴ (۷) ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، باب ۲، حدیث نمبر ۲۵۷۵ (۸) ایضاً (۹، ۱۰، ۱۱) مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واہلھا، باب ۱۳، حدیث نمبر ۷۱۷۲، ۷۱۷۹، ۷۱۸۴

اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آلہٖ و سلم

بنی الاسلام علی خمس: شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدارسول الله، وأقام الصلوة، و أیتاء الزکاة، والحج، و صوم رمضان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اسلام بنایا گیا ہے پانچ چیزوں پر ایک تو گواہی دینا اس بات کی کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ (تعالیٰ) کے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے حج کرنا (خانہ کعبہ کا) اور پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

یہ حدیث شریف دو طرح سے مروی ہے ایک بار بتقدیم حج اور ایک بار بتقدیم صوم۔ یعنی ایک روایت میں پہلے حج کا ذکر ہے اور رمضان کے روزوں کا بعد میں اور دوسری روایت میں پہلے روزوں کا ذکر ہے اور بعد میں حج کا۔

پہلی اصل ایمان ہے، ایمان کے فیض و انعام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکالا جائے گا''۔

(بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص یہ الفاظ کہے رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسو ل اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) رسولا ''یعنی میں اللہ کے پروردگار ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہونے پر راضی ہوں تو ایسے شخص پر جنت واجب ہو جائے گی''۔ (بروایت حضرت ابو سعید خدریؓ) [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (بروایت حضرت معاذ بن جبلؓ) [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دو طریقہ واجب کرنے والے ہیں'' تو کسی شخص نے کہا کہ ''یا رسول اللہؐ! کس چیز کو واجب کرنے والے ہیں؟''۔ آپ نے فرمایا کہ ''جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک سمجھتا تھا تو ایسا شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور جو ایسی حالت میں مر گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا تھا تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا''۔ (بروایت حضرت جابر بن عبداللہؓ) [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا زیادہ تر مستحق کون شخص ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حدیث کی جانب میں نے تمہارے شوق کو دیکھا تو یہی خیال کیا کہ تم سے پہلے مجھ سے اور کوئی یہ سوال نہ کرے گا قیامت کے دن زیادہ تر مستحق میری شفاعت کا وہی شخص ہوگا جو خلوص قلب سے لا الہ الا اللہ کہے گا۔ [۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے، ایک تو یہ کہ اس بات کی گواہی دے کہ بجز اللہ کے اور کوئی معبود برحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول

ہوں اس نے مجھے برحق مبعوث فرمایا ہے، دوسرے یہ کہ موت پر ایمان لائے (کہ ضرور آنے والی ہے)، تیسرے یہ کہ موت کے بعد مبعوث ہونے پر (یعنی دوبارہ جلائے جانے پر) ایمان لائے، چوتھے یہ کہ تقدیر پر ایمان لائے۔ (بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت شرید بن سوید ثقفیؓ نے ایک باندی کے آزاد کرنے کے متعلق دریافت کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اس کو بلاؤ''۔ اور جب وہ آئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے مخاطب ہوکر دریافت فرمایا کہ ''تیرا پروردگار کون ہے؟''۔ اس نے عرض کیا ''اللہ'' پھر دریافت فرمایا کہ ''میں کون ہوں؟'' اس نے جواباً عرض کیا کہ ''آپ اللہ کے رسول ہیں''۔ یہ سن کر سرکار دوعالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اسے آزاد کردو اس لئے کہ یہ مسلمان ہے''۔[8]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲، حدیث نمبر ۸ (۲) ترمذی، کتاب صفۃ جھنم، باب ۱۰، حدیث نمبر ۲۵۹۸ (۳) ابوداؤد، کتاب الوتر، باب ۲۶، حدیث نمبر ۱۵۲۶ (۴) ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب ۱۵، ۱۶، حدیث نمبر ۳۱۱۴ (۵) مسلم، کتاب الایمان، باب ۴۰، حدیث نمبر ۲۶۹ (۶) بخاری، کتاب العلم، باب ۳۳، حدیث نمبر ۹۹ (۷) ترمذی، کتاب القدر، باب ۱۰، حدیث نمبر ۲۱۴۵ (۸) سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب ۸، حدیث نمبر ۳۶۵۵

بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب
اور بہترین طریقہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الهدی هدی محمد (ﷺ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حمد وصلوٰۃ کے بعد یقیناً بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا طریقہ ہے''۔

(بہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑتا ہوں جن میں پہلی تو اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑو (پھر کتاب اللہ پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی)''۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''اور میرے اہل بیت، میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں''۔ (بہ روایت حضرت زید بن ارقمؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے جس نے اس کی اتباع کی

(تھامے رہا) وہ ہدایت پر رہا جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوا''۔ (بہ روایت ایضاً)[3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے فرمایا کہ ''میں نے تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے۔ ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک تو کتاب الٰہی (قرآن مجید) اور دوسری اس کے رسول کی سنت (حدیث شریف) ہے''۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''امانت آسمان سے لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں نازل کی گئی ہے اور قرآن نازل ہوا، چنانچہ لوگوں نے قرآن پڑھا اور سنت کا علم حاصل کیا''۔

(بہ روایت حضرت حذیفہؓ)[5]

حضرت زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا کہ ''میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کردوں گا''۔[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جو انکار کرے''۔ لوگوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! کون انکار کرے گا؟''۔ حضور نورؐ نے فرمایا کہ ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[7]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے حج میں عرفہ کے دن دیکھا جب کہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار خطبہ پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ ''اے لوگوں! میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت''۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہو تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے اللہ کی کتاب جو آسمان سے زمین تک دراز رسی ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت یہ دونوں جدا نہ ہوں گے حتی کہ میرے پاس حوض (کوثر) پر آ جاویں۔ تو غور کرو تم ان دونوں سے میرے بعد کیا کرتے ہو''۔ (بہ روایت حضرت زید بن ارقمؓ) [9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ پرہیزگار بنو اور اللہ سے ڈرو اور سنو اور اطاعت کرو (حاکم وقت کی) اگرچہ حبشی غلام ہو اس لئے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سخت اختلاف دیکھے گا۔ پس ایسی حالت میں تم میری اور میرے خلفائے راشدین کے طریقہ کی اطاعت کو اپنے اوپر واجب ضرور کر لو اور اس کو خوب مضبوط پکڑ لو اور ایسے امور سے جو دین میں نئے پیدا کئے جائیں بچتے رہو''۔ (بہ روایت حضرت عرباض بن ساریہؓ) [10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آیا کوئی شخص جس کو میری حدیث پہنچی ہو چھپر کھٹ پر تکیہ لگائے پڑا ہوا یہ خیال کر سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے اور تمہارے مابین اللہ کی کتاب ہے یعنی جس شے کو اس میں حلال پایا ہم نے اس کو حلال قرار دے لیا اور جس کو حرام پایا اس کو حرام قرار دے لیا، حالانکہ جس چیز کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) حرام کیا ہے اس کی حرمت ویسی ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہو''۔ (بہ روایت حضرت مقدام بن معدیکربؓ) [11]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب پڑھے اور اس پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہی سے دنیا میں راستے پر لائے گا اور آخرت میں مضر حساب سے محفوظ رکھے گا۔ [12]

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ اشخاص جو قابل اقتداء ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں

جو اس امت میں ہر طرح فضیلت رکھتے تھے جن کے قلوب نہایت ہی نیک تھے، جن کا علم نہایت عمیق اور گہرا تھا اور جن میں تکلف و تصنع بالکل نہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین پر قائم کرنے کے لئے پسند کیا تھا۔ پس تم لوگ ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے قدم بہ قدم چلو اور حتی الامکان ان کے اخلاق وعادات کی پیروی کرنے کی کوشش کرو، اس لئے کہ وہ نہایت ہی سیدھے راستے پر تھے۔[۱۳]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تم لوگ ایک ایسی کشادہ راہ پر چھوڑ دیئے گئے ہو جو ام الکتاب کی راہ ہے۔ (مجموعہ صحاح)

(۱) مسلم، کتاب الجمعہ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۲۰۰۵ (۲، ۳) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۶۲۲۵، ۶۲۲۸ (۴) موطا امام مالک، مشکوٰۃ (۵، ۶، ۷) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ۲، حدیث نمبر ۷۲۷۶، ۷۲۷۸/۷۲۷۹، ۷۲۸۰ (۸، ۹) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۰۵/۳۱، حدیث نمبر ۳۷۸۶، ۳۷۸۸ (۱۰) ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب ۵، حدیث نمبر ۴۵۹۶ (۱۱) ترمذی، کتاب العلم، باب ۱۰، حدیث نمبر ۲۶۶۴ (۱۲، ۱۳) مشکوٰۃ

دین آسان ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم

ان الدین یسر ،و لن یشاد الدین احد الا غلبه فسددوا

وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوة والروحة وشئ من الدلجة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا، وہ اس پر غالب آ جائے گا، تم لوگ میانہ روی کرو اور (اعتدال سے) قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے دینی قوت حاصل کرو“۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

یہ حدیث شریف سنن نسائی میں بھی کتاب الایمان وارکان موجود ہے[2]، علاوہ ازیں مسند احمد بن حنبلؒ اور مسند الطیالسی میں بھی ہے۔

دین کا آسان ہونا یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، ترجمہ نسائی میں مفہوم حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ”جو شخص دین میں سختی کرے گا، تو دین اس پر غالب ہوگا (یعنی دین اسے تھکائے گا اور عاجز کر دے گا) تو تم سیدھی راہ پر چلو، اگر راستہ سیدھا نہ ہو، تو تم سیدھے راستہ کے نزدیک رہو اور عوام کو خوش خبریاں سناؤ، ان کے لئے آسانیاں

پیدا کرو اور صبح وشام کچھ دیر چلنے سے مدد چاہو، جیسے اگر مسافر سارا دن اور ساری رات چلے، تو وہ تھک کر کمزور ہو جائے گا، بلکہ اس امر کا احتمال ہے کہ وہ ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے، اسی لئے صبح وشام اور رات کو عبادت کر لیا کرو، مقصود اس سے نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ہے۔ یہ پانچ نمازیں ہمیشہ اور باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا افضل و بہتر ہے، اس سے کہ چند دنوں تک صبح وشام اور رات دن (مسلسل) عبادت کرے اور پھر بالکل چھوڑ دے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''نیکی کے بہترین کام وہ ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ کئے جائیں، اگرچہ کہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں''۔[3]

بخاری میں ''اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جو ہمیشہ کیا جائے'' کے زیر عنوان یہ حدیث ملتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے پاس تشریف لائے (اس وقت) کوئی عورت (بیٹھی ہوئی) تھی۔ آپ نے پوچھا۔ ''یہ کون ہیں؟''۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا۔ ''یہ فلاں عورت ہے (اور اس کے نماز کی کثرت) کا حال بیان کرنے لگیں'' آپ نے فرمایا کہ ''ٹھہرو (دیکھو) تم اتنے اعمال کی ذمہ داری اپنے اوپر لو جن کی ہمیشہ کرنے کی تم میں طاقت ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں تھکتا تاوقتیکہ تم (عبادت کرنے سے) تھک جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ دین (کا کام) ہے جس کو کرنے والا ہمیشہ کر سکے''۔[4]

اس ارشاد مبارکہ میں اعتدال کی تعلیم ہے یعنی تمام امور میں میانہ روی احسن ہے یہاں تک کہ وہ عبادت پسندیدہ اور مقبول بارگاہ رب العزت ہوتی ہے۔ جو اعتدال سے کی جائے اور ہمیشہ کی جائے۔ یہ نہیں کہ چند روز کی اور پھر چھوڑ دی۔ عبادت میں بھی اعتدال کی تعلیم درحقیقت ہمیشگی، خشوع وخضوع، اور دوامی برکات کی ضمانت کے حصول کی کلید ہے اگر اعتدال برقرار نہ رکھا جائے تو یہ خطرہ لگا رہتا کہ تھک کر یکدم غافل ہو جائے اور بندگی کی سعادتوں سے

محرومی ہو۔اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ نے جب سارا وقت عبادات میں گذارنا شروع کیا یعنی راتوں کو قیام اور دن میں روزے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ایسا کرنے سے روکا اور اعتدال کی تاکید فرمائی اور ارشاد کیا کہ ''تمہارے ذمہ اور بھی حق ہیں''۔[۵]

اعتدال اور میانہ روی کے ذریعہ جہاں عبادات واحکام کی بجا آوری میں سہولت اور رغبت کی برقراری یقینی ہوتی ہے، وہیں حقوق کی ادائیگی کے ضمن میں تمام ذمہ داریاں بحسن وخوبی پوری ہوتی ہیں۔دین کی آسانی دراصل اسی حکم اعتدال وتوسط کے ساتھ ہے۔دوسروں کے افراط وتفریط کے درمیان دین اسلام کی تعلیمات اپنے اعتدال کے باعث بلاشبہ منفرد خصوصیات کی حامل ہیں۔عبادات، معاملات، فرائض وحقوق ہر پہلو اس خصوصیت سے مملو ہے۔انتہا یہ کہ چلنے پھرنے سے متعلق بھی ہدایت ملتی ہے کہ ''درمیانی چال چلو'' یعنی نہ اتنی تیز کہ متانت ووقار کے منافی ہو اور نہ اتنی دھیمی کہ ریا ونمائش کی غماز ہو۔اسی طرح سخاوت وفیاضی میں بھی اعتدال کی تعلیم دی ہے۔یعنی دوسروں کو اتنا نہ دیدے کہ خود محتاج ہو جائے۔فضول خرچی واسراف نہ کرے کہ تنگی کا شکار ہو جائیں اور نہ بخل کریں۔بلکہ میانہ روی اور توسط اختیار کریں۔

یوں ہی اعمال کے ضمن میں بھی اعتدال سے متعلق بخاری کی اس حدیث شریف ''اتنا ہی عمل کا التزام کرو جتنا تم کرسکو''۔کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اس سے مراد نماز اور روزہ وغیرہ عبادتیں ہیں''۔یعنی فرائض کے بعد نوافل کا اتنا ہی بوجھ اٹھاؤ، جس کو تم آسانی سے اٹھا سکو اور آخر دم تک نبھا سکو''۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''دولت مندی محتاجی اور عبادت میں درمیانگی کتنی اچھی ہے''۔ (بہ روایت حضرت حذیفہؓ)[۶]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۹، حدیث نمبر ۳۹ (۲) سنن نسائی کتاب ایمان وارکان، باب ۲۸، حدیث نمبر ۵۰۴۹
(۳) بخاری شریف کتاب الرقاق، باب ۱۸، حدیث نمبر ۶۴۶۴ (۴) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳۲، حدیث نمبر ۴۳
(۵) بحوالہ سیرۃ النبی ج ۶ (۶) کنز العمال

اعتدال ومیانہ روی

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

سددوا و قاربوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''میانہ روی (اختیار) کرو اور جو میانہ روی نہ ہو سکے تو اس کے نزدیک رہو''۔ (بہ روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا)[۱]

یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دین و دنیا کے جملہ امور یعنی عبادات و معاملات کے سلسلہ میں بلکہ ہر اعتبار سے اساسی اہمیت کا حامل ہے۔ ہر کام میں اعتدال و توسط موجب خیر و سلامتی ہے۔ افراط و تفریط، شدت و سستی، جوش و سرد مہری ہر جہت اور ہر لحاظ سے غیر موزوں اور افادہ و راحت کے مغائر ہوتے ہیں جب کہ میانہ روی، درمیانی چال اور اعتدال پسندی میں موزونیت، افادیت، راحت و بھلائی اور دوامی برکات مضمر ہیں۔ دین و دنیا کا کوئی کام ہو اگر جوش و خروش، شدومد اور شدت و تیزی کے ساتھ شروع کیا جائے تو بس چند دن، ہفتے یا مہینے ہی یہ کیفیت برقرار رہ سکتی ہے کیوں کہ زیادہ جوش کا نتیجہ تھکن اور بہت جلد اکتاہٹ کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بہت زیادہ سستی، کاہلی اور غفلت اصل کام سے بے تعلقی، بیزارگی اور دوری پیدا کر دیتی ہے جس کے باعث تکمیل مقصد اور اس کے خاطر خواہ ثمرات کا پانا ممکن نہیں رہتا۔ ہر دو

صورتوں میں بہتر، دوررس اور فائدہ بخش نتائج کی توقع کم ہو جاتی ہے جب کہ اعتدال ومیانہ روی اپنا پورا اثر اور فائدہ دکھاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت ہر ایک کے لئے ہر امر میں عام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر شے کے لئے ایک جوش کا زمانہ ہے اور ہر ایک ایسے زمانے کے ساتھ سستی ہے پس جو شخص میانہ روی اختیار کرے تو تم اس کی امید کرو (کہ وہ منزل مقرر تک پہنچ جائے اور حد سے زیادہ عبادت کرنے والا تھک کر راستہ میں رہ جائے گا) اور اگر اس کے جوشیلے پن کی وجہ سے لوگ اس کی جانب اشارہ کرنے لگیں تو تم اس کو کسی حساب میں شمار مت کرو''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے نفس کو اور لوگوں کو دین کے باب میں مہلت اور آسانی دو اور مشکل میں نہ ڈالو اور خوش خبری دو''[3] اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ''تسکین و تشفی دو نفرت نہ دلاؤ''۔[4]

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بوریا تھا جس کو موڑ کر رات کو آپ حجرہ کی وضع پر بنا لیتے تھے اور اسی میں نماز پڑھا کرتے تھے اور دن کو اسی کو بچھا کر اس پر تشریف رکھتے تھے پس لوگوں نے یکے بعد دیگرے آنا شروع کیا اور آپ کے ساتھ مقتدی بن کر نماز پڑھنے لگے تا آنکہ لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی پس آپ نے ان کی جانب متوجہ ہو کر یہ فرمایا کہ ''لوگوں اعمال کا وہی حصہ اختیار کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ خدا تعالیٰ ثواب دینے سے ملول نہیں ہوتا تا آنکہ تم عمل سے ملول ہو جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے پاس وہی کام زیادہ پیارا ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ بہت تھوڑا ہو'' اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کوئی کام کرتے تھے تو ہمیشہ اس پر ثابت قدم رہتے تھے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو یکایک ایک رسی پر نگاہِ اقدس پڑی جو دو ستونوں کے مابین بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ''یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ یہ زینب کی رسی ہے جبکہ وہ نماز

پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کھول ڈالنے کا حکم دے کر یہ فرمایا کہ ”ہر شخص کو اسی وقت تک نماز پڑھنی چاہئے جب تک اس کو شوق ہو اور خوش رہے اور جب تھک جائے اور غنودگی کی وجہ سے سست ہو جائے تو اس کو بیٹھ جانا چاہئے“۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[6]

---

(۱) مسلم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب ۱۷، حدیث نمبر ۷۱۲۲ (۲) ترمذی، کتاب القیامة والرقائق، باب ۲۱، حدیث نمبر ۲۴۵۳ (۳، ۴) بخاری، کتاب الادب، باب ۸۰، حدیث نمبر ۶۱۲۴، ۶۱۲۵ (۵) مسلم، کتاب الصلاة المسافرین وقصرها، باب ۳۰، حدیث نمبر ۱۸۲۷ (۶) مسلم، کتاب الصلاة المسافرین وقصرها، باب ۳۱، حدیث نمبر ۱۸۳۱

دین خیر خواہی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

الدین النصیحة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دین خلوص وخیر خواہی ہے''۔

(بہ روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ) [1]

اس حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کس کی خیر خواہی؟۔تب حضور علیہ السلام نے فرمایا''**للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتھم**''۔'' اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور سب مسلمانوں کی''۔

یہ حدیث مبارک سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن دارمی اور مسند احمد بن حنبلؒ میں بھی موجود ہے۔[2] امام نوویؒ نے فرمایا ہے ''یہ حدیث عظیم الشان ہے اس پر اسلام کا دارومدار ہے۔ یہ حدیث مسلم کے افراد میں سے ہے۔ تمیم داری سے بخاری میں کوئی روایت نہیں اور نہ مسلم میں اس کے سواء اور کوئی روایت ہے۔ بقول امام ابوسلیمان خطابیؒ ''نصیحت'' ایک جامع لفظ ہے، اس کے معنی سب بھلائیوں کا اکٹھا کرنا

جس کے لئے نصیحت کی جائے۔ایسے ہی فلاح کا لفظ ہے جو دنیا وآخرت سب قسم کی بھلائیوں کو جامع ہے۔

اس حدیث شریف کی شرح میں علماء کرام نے فرمایا ہے ”لله“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ جتنے صفات کمال اور جمال کے ہیں وہ سب اس کے لئے ثابت کرے اور اس کو پاک سمجھے تمام عیبوں اور نقصانات سے،اس کی عبادت کے لئے مستعد رہے،اس کی نافرمانی سے بچتا رہے،اسی کے لئے دوستی رکھے اور اسی کے لئے دشمنی۔ جو شخص اللہ کا فرماں بردار ہو اس سے محبت رکھے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے اس سے دشمنی رکھے۔ جو شخص اللہ کا انکار کرے اس سے جہاد کرے، اللہ کے احسان کا اقرار کرے اور اس کا شکر گزار رہے۔تمام کاموں میں سچا اور مخلص رہے۔تمام حق باتوں کی طرف لوگوں کو دعوت وترغیب دے۔

” لکتبہ “ یعنی کتاب کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر یقین کرے کہ قرآن کلام اللہ ہے، جسے اللہ تعالی نے نازل فرمایا ہے۔کسی مخلوق کا کلام نہ اس کی مثل ہوسکتا ہے اور نہ اس کی مثل بنایا جاسکتا ہے۔قرآن کی عظمت کا احساس دل میں رکھے،اس کی تلاوت کرے،جیسا کہ تلاوت کا حق ہے خوش آوازی ،دردورقت کے ساتھ پڑھے اس کے حروف اچھی طرح ادا کرے۔تحریف اور تاویل کرنے والوں کا رد کرے ۔اعتراض اور طعنہ کرنے والوں کو جواب دے۔ مضامین قرآن کی تصدیق کرے، احکام قرآن سے باخبر رہے،قرآنی علوم اور مثالوں کو سمجھے،نصائح پر غور کرے،عجائب وغرائب پر غور وخوض ہو اس میں جو آیتیں محکم ہیں (حلال وحرام اور آیات احکام) ان پر عمل کرے اور جو متشابہ آیتیں ہیں ان کو مانے۔قرآن کے عموم و خصوص اور ناسخ ومنسوخ کو پہچانے،قرآنی علوم کو پھیلائے اور قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

”لرسولہ“ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا بھیجا ہوا رسول سمجھے اور

ان پر یقین رکھے آپ کی لائی ہوئی تمام باتوں پر ایمان لائے۔ آپ کے حکم کو مانے جن باتوں سے آپ نے منع کیا ہے ان سے باز رہے۔ جو شخص آپ کا دشمن ہو اس سے دشمنی رکھے اور جو آپ کا دوست ہو اس سے دوستی رکھے۔ آپ کا درجہ بڑا سمجھے آپ کے حق کی توقیر کرے۔ آپ کی سنتوں کو اختیار کرے اور آپ کی دعوت پھیلائے۔ آپ کی شریعت کے علم کو پھیلائے۔ مضامین شریعت پر غور کرے لوگوں کو پابندی شریعت کی طرف ترغیب دے۔ علوم شریعت کے سیکھنے سکھانے کی کوشش کرے۔ اس کی تعظیم کرے، بغیر جانے بوجھے شریعت میں گفتگو نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اختیار کرے۔ آپ کی ذات اطہر واقدس اور آپ کے اہل بیت اور اصحاب سے محبت رکھے۔ جو شخص آپ کے آل یا اصحاب سے بغض رکھے اس سے جدا رہے۔ شریعت کو بدلنے والوں اور بدعتی سے علیحدہ رہے۔

"**لائمة**" سے مقصود ہے کہ مسلمان حاکموں سے حق بات کے سلسلے میں تعاون کرے، ان کو حق بات بتائیں اور ان کے واسطے نیکی کی دعاء کرے۔ ان کے پیچھے نماز ادا کریں اور جہاد کریں۔ جھوٹی خوشامد نہ کریں۔ یہاں ائمہ سے مراد خلفاء لیا گیا ہے اگر علمائے دین مراد ہوں تو ان کی باتوں کو ماننا جو قرآن وسنت کے مطابق ہوں مطلب لیا جائے گا۔

"**عامتهم**" یعنی مسلمانوں کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ انھیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی بات بتانا ہے۔ مسلمانوں کو ایذا نہ دے، دین سکھائے، زبان، ہاتھ اور اپنی ذات سے ان کی مدد کرے ان کے عیبوں کو چھپائے اور ان سے ضرر دور کرے۔ ان کے فائدے کی کوشش کرے، نیک بات کا حکم کرے اور بری باتوں سے نرمی وملائمت سے روکے۔ بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرے۔ مسلمانوں سے فریب، دھوکہ اور حسد نہ کرے، ان کے لئے وہی چاہے جو خود کے لئے پسند کرتا ہے اور ان کے لئے بھی وہ برا جانے

جو اپنے لئے برا سمجھتا ہے۔ ان کے مال، عزت اور ناموس کی محافظت کرے۔[۳]

اس مفہوم کی متعدد احادیث شریفہ ہیں، جن پر اہل ایمان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اللہ کے لئے دوستی رکھے اور اللہ کے واسطے دشمنی کرے اور اللہ کے واسطے خرچ کرے اور اللہ کے واسطے خرچ کرنے سے باز رہے، ایسے شخص نے اپنا ایمان پورا کرلیا"۔[۴]

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۳، حدیث نمبر ۱۹۶ (۲) مفتاح کنوز السنہ (۳) شرح نووی ترجمہ علامہ وحید الزماں (۴) ابو داؤد کتاب السنہ، باب ۱۵، حدیث نمبر ۴۶۶۸

حقیقت احسان

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

ان تعبداللہ کأنك تراہ، فأن لم تکن تراہ، فأنہ یراك

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''.....اللہ تعالیٰ کی عبادت تم اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے......''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد عمر بن خطابؓ نے کہا کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں ایک شخص آن پہنچا جس کے کپڑے نہایت سفید تھے اور بال نہایت کالے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے اور کوئی ہم میں سے اس کو پہچانتا نہ تھا وہ بیٹھ گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر اور اپنے زانو حضور اقدس کے زانوں شریف سے ملا دیئے اور دونوں ہاتھ اپنے رانوں پر رکھے (جیسے شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے) پھر بولا ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بتلایئے مجھ کو اسلام کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے (یعنی زبان سے کہے اور دل سے یقین کرے) اس بات کی کہ کوئی معبود سچا نہیں سوائے اللہ کے اور محمد (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) اس کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو اور روزے رکھے رمضان کے اور حج کرے خانہ کعبہ کا اگر تجھ سے ہو سکے (یعنی راہ کا خرچ اور راستے میں خوف نہ ہو) وہ بولا ''سچ کہا آپ نے''۔ ہم کو تعجب ہوا کہ آپ ہی پوچھتا ہے پھر آپ ہی کہتا ہے کہ ''سچ کہا''۔ (حالانکہ پوچھنے والا لاعلم ہوتا ہے اور تصدیق کرنے والا وہ ہوتا ہے، جس کو علم ہو، تو یہ دونوں کام ایک شخص کیوں کر کرے گا)۔ پھر وہ شخص بولا ''مجھ کو بتلائیے ! ایمان کیا ہے؟''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایمان یہ ہے کہ تو یقین کرے (دل سے) اللہ پر، اس کے فرشتوں پر (کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاک بندے ہیں اور اس کا حکم بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی طاقت دی ہے) اور اس کے پیغمبروں پر (جن کو اس نے بھیجا خلق کو راہ بتلانے کے لئے) اور پچھلے دن پر (یعنی قیامت کے دن پر جس روز حساب کتاب ہوگا اور اچھے اور برے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی) اور یقین کرے تو تقدیر پر کہ برا اور اچھا سب خدا پاک کی طرف سے ہے (یعنی سب کا خالق وہی ہے)۔ وہ شخص بولا ''سچ کہا آپ نے''۔ پھر اس شخص نے پوچھا۔ ''مجھ کو بتلائیے احسان کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کرے اس طرح دل لگا کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر اتنا نہ ہو تو یہی سہی کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے'' (اس حدیث شریف میں آگے علامات قیامت کا بیان بھی ہے اس کے بعد) راوی نے کہا پھر وہ شخص چلا گیا۔ میں بڑی دیر تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے عمرؓ! تم جانتے ہو یہ پوچھنے والا کون تھا؟'' میں نے عرض کی ''اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا ''وہ جبرئیل (علیہ السلام) تھے تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے''۔[۲]

بخاری میں یہی حدیث شریف تھوڑے سے تغیر کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔[۳]

اس ارشاد مبارکہ کی اس طرح تشریح فرمائی گئی ہے کہ اس سے دین پاک کے تین درجات واضح ہوتے ہیں ایک ابتدائی، دوسرا متوسط اور تیسرا اعلیٰ جو علی الترتیب اسلام، ایمان اور احسان ہے۔ اسلام کے لغوی معنی اطاعت اور سرتسلیم کے خم کردینے کے ہیں لہذا اسلام کی تعریف یہ ہوئی کہ احکام الٰہی و رسول پر گردن جھکانا اور ان کو تسلیم کر لینا اس درجہ میں پانچ چیزیں ہیں جن کے بغیر دین کا اطلاق درست نہیں۔

(۱) اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود برحق یعنی لائق عبادت نہیں اور حضور اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول برحق ہیں (۲) نماز پنجگانہ کی بہ پابندی ادائیگی (۳) زکوٰۃ دینا (۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا (۵) بشرط استطاعت عمر بھر میں ایکبار حج بیت اللہ ادا کرنا۔

ایمان لغت عربی میں دلی تصدیق اور یقین کو کہتے ہیں اور اس کے چھ امور ہیں جن پر دل سے یقین کرنا ضروری ہے۔ (۱) اللہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے (۲) اس کے فرشتے برحق ہیں (۳) اس کے سب رسول و پیغمبر برحق ہیں، (۴)۔ اس کی نازل کردہ کتابیں اور صحف سب حق ہیں (۵) قیامت حق ہے (۶) تقدیر کا معاملہ بالکل برحق ہے۔

احسان کے معنیٰ نیکوکاری اور اچھا کام ہیں۔ معرفت حق ہے سب سے اول ہے۔ یاد الٰہی، خیال مع اللہ، اصلاح نیت اور اخلاص عمل کو درجہ احسان مانا جاتا ہے۔ عبادات و اعمال میں اخلاص کی تربیت اس طرح کی گئی ہے کہ یہ یوں کہے جائیں کہ اللہ حاضر و ناظر ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہر کام میں ہر آن اس حضوری اور رابطہ قلبی مع اللہ کا پیدا کرنا اصلی غایت اس دین پاک کی ہے اور یہی منزل مقصود صوفی اور سالک کی ہے۔

صوفیہ کرام خالص دین اسلام کے پابند اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بہ قدم اور پیرو

ہیں۔ وہ ہردم خدائے تعالیٰ کی یاد میں دل سے مشغول رہتے ہیں وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ ذریعہ قرب ووصال یزدی محض تقویٰ ہے جو اللہ سے ڈرنے اور اس کو ہر وقت حاضر وناظر سمجھنے کا نام ہے۔

تقویٰ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تقویٰ یہاں ہے'' اور دل کی طرف اشارہ کیا۔[۴]

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ا، حدیث ۹۳ (۲) ایضاً (۳) بخاری، کتاب التفسیر، باب ۲/۳۱، حدیث نمبر ۴۷۷۷

(۴) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۰، حدیث نمبر ۶۵۴۱

لذت ایمان

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

ثلاث من کن فیه وجد حلاوۃ الایمان: من کان الله و رسوله احب الیه مما سواهما ومن احب عبدا لا یحبه الا لله ومن یکره ان یعود فی الکفر بعد اذ انقذه الله کما یکره ان یلقی فی النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تین باتیں جس میں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ ایک یہ کہ تمام ماسواء سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب رکھے، دوسری یہ کہ کسی شخص سے بھی صرف اللہ کے لئے ربط ومحبت رکھے، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے نجات دیدی پھر اس کے بعد کفر میں دوبارہ لوٹنا ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا تصور کیا جاتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)[1]

بخاری اور مسلم[2] میں موجود اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق امام نووی کا کہنا ہے کہ یہ اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے۔ اس میں ایمان کی حلاوت سے متعلق حقائق بیان ہوئے ہیں۔ حلاوت کے معنی میٹھا ہونا، لذیذ، پھل کا پکنا[3] مٹھاس، شیرینی، لذت، مزہ، ذائقہ اور راحت، آرام، سکھ، چین۔[4] حلاوت ایمان کے معنی یہ ہوں گے ''عبادت میں اور تکلیف اٹھانے میں خدا اور رسول کی رضامندی

کے لئے لذت اور مزہ پیدا ہوا اور دنیا کے فوائد اور نفع پر خدا اور رسول کی رضا مندی کو مقدم رکھے۔ خدا کی محبت یہ ہے کہ اس کا حکم مانے اور اس کی مخالفت کو ترک کرے۔ ایسی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے[۵] اس سلسلہ میں یہ حقیقت عیاں ہے کہ ایمان والے محبت الٰہی میں سرشار رہا کرتے ہیں، ان کے قلوب میں محبت خداوندی سے ہٹ کر کسی اور کی محبت نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے ''اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں''۔[۶] علماء کرام اور بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی یکتائی و قدرت، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور دین اسلام کے ساتھ راضی ہوا حدیث شریف کی روشنی میں اسی نے ایمان کا مزہ چکھا۔ جس کا یقین پختہ، دل مطمئن، سینہ کشادہ اور ایمان جس کے رگ و پے میں اثر کر گیا ہو وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اخلاص اور سچائی کے ساتھ چاہے گا اور محبت کرے گا تو اس کا ہر عمل اسی کے مطابق ہوگا''۔

حضرت قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ ''یہ حدیث اسی مطلب کی ہے''۔ بعضوں نے کہا اللہ کی محبت یہ ہے کہ اپنے دل کو موافق کر دیوے اللہ کی مرضی کے جو اللہ کو پسند ہے وہی اس کو بھی پسند ہوا اور جو اللہ کو ناپسند ہے اس کو بھی ناپسند ہو۔ اور اس باب میں متکلمین کی عبارتیں مختلف ہیں لیکن مطلب ایک ہی ہے اور حاصل یہ ہے کہ محبت ایک میل اور خواہش ہے پھر یہ میل کبھی تو ان چیزوں کی طرف ہوتا ہے جو بالطبع انسان کو مرغوب ہیں جیسے خوبصورتی، خوش آوازی، کھانے کا ذائقہ اور کبھی ان چیزوں کی طرف جن کا حسن عقل سے معلوم ہوا ہے جیسے محبت صالحین و علماء و اہل فضل۔ اور کبھی یہ میل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کسی نے اس پر احسان کیا ہو یا مصیبت سے بچایا ہو۔ اور یہ سب باتیں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہیں کیوں کہ تمام کمالات ظاہری اور باطنی آپ میں جمع ہیں اور تمام فضائل و محاسن اخلاق آپ میں موجود ہیں اور آپ کا

احسان اور فیض تو اتنا عام ہے کہ سب مسلمانوں کی گردن پر ہے ان کو ہمیشہ ہمیشہ کا آرام دلایا اور جہنم کے عذاب سے بچایا۔ پھر خداوند کریم کا احسان تو سب سے زیادہ ہے کیوں کہ اسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا۔ پھر رسول اعظم خاتم النبیین رحمتہ للعلمین بنا کر ہمارے پاس بھیجا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی محبت اصل الاصول ہے۔

محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہلبیت اطہار، صحابہ کرام، صالحین، اولیاء اللہ اور ائمہ دین راجع ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف تو اللہ تعالیٰ کی محبت بالذات ہے باقی سب کی بالعرض یعنی اللہ کی محبت کے ذیل میں ہے۔[۷]

اس حدیث شریف کی شرح میں یہ پہلو بھی بیان ہوئے ہیں کہ ''جس طرح جسمانی غذاؤں میں مختلف لذتیں ہیں، اسی طرح روحانی غذاؤں میں یعنی ایمان واعمال میں بھی مختلف مزے ہیں، جیسے ان غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کرسکتا ہے جس کے حواس ظاہری درست ہوں ایسے ہی ایمانی غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کرسکتا ہے جس کی روح درست ہو۔ ظاہری حواس کی درستگی کے لئے جیسی دوائیں ہیں ایسی ہی ان حواس کے درست کرنے والی روحانی دوائیں ہیں جن کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے۔ جو ایمان کی حلاوت پالیتا ہے وہ بڑی بڑی مشقتیں خوشی سے جھیل لیتا ہے۔ جاڑوں کی نماز، جہاد وغیرہ۔ یہ لذت ہی ہر مشکل کو آسان کردیتی ہے اسی سے رضا بالقضاء نصیب ہوتی ہے''۔[۸]

ماسواء اللہ یعنی جان، مال، اہل، عیال، اقرباء، احباب وآسائش وغیرہ ہر ایک سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہونی چاہئے۔ حدیث شریف میں اللہ ورسول کی محبت کو ایمان کی خصلت اولین فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر کسی فرد بشر سے محبت ہو تو وہ بھی محض اللہ

تعالیٰ کی محبت کے سبب ہو تا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا باعث ہو جائے۔کسی سے بھی محبت کی وجہ دنیوی اغراض ،فوائداور اپنی ذاتی دلچسپی نہ ہو بلکہ دنیوی رشتوں اور تعلقات کے ضمن میں بھی رضامندی حق تعالیٰ پیش نظر رہے۔حدیث شریف میں اس پہلو کو نمایاں طور پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایمان واسلام کی دولت سے نواز دیا ہے اور ہر نقصان ،معصیت ،آلودگی ،فکر وتردد اور بے یقینی سے نجات عطا کی ہے اس صاحب ایمان کو چاہئے کہ نعمت ایمان کے حصول کے بعد دوبارہ پھر کفر وضلالت کی طرف لوٹنے کو ایسا خیال کرے جیسے کہ کسی کو آگ میں جھونکا جاتا ہے۔یہی احساس ایمان کی خصلتوں میں شامل ہے مؤمن ایمان سے کفر کی طرف نہیں پلٹتا اور اسلام کے بعد کفر کو اتنا برا جانتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحت ہے۔اسی بناء پر ایمان کی تین خصلتوں میں کفر وارتداد سے بیزاری ونفرت کو خصلت ایمان کے طور پر نمایاں فرمایا گیا ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۱۴، حدیث نمبر ۲۱ (۲) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۵، حدیث نمبر ۱۶۵ (۳) المنجد (۴) فرہنگ آصفیہ (۵) شرح نووی (۶) سورہ ۲ آیت ۱۶۵ (۷) مسلم، شرح نووی ترجمہ وحیدی (۸) ذوالمرات

ایمان کی شاخیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الایمان بضع و سبعون ،او بضع و ستون شعبة، فأ فضلها قول لا الہ الا اللہ و أدناھا اماطة الاذی عن الطریق، والحیا شعبة من الایمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایمان کی ستر پر کئی یا ساٹھ پر کئی شاخیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹانا بھی اور حیا بھی ایمان کی شاخ ہے''۔(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد نبوی کے تحت قاضی عیاضؒ کی یہ تشریح ملتی ہے۔''ایمان لغت میں یقین کرنے کو کہتے ہیں اور شرع میں دل سے یقین کرنے کو اور زبان سے اقرار کرنے کو اور شرع کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اعمال کو کہتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خصلت ایمان کی کلمہ توحید پر یقین کرنا ہے اور سب سے کمتر راہ میں سے ایذا دینے والی چیز ہٹا دینا ہے۔کمال ایمان کا اعمال سے اور اتمام ایمان کا عبادات سے ہے اور عبادات کا کرنا اور ان سب شاخوں کا ملانا تصدیق کا تتمہ ہے اور دلیل ہے تصدیق کی۔ اور یہ خصلتیں ان ہی کی ہیں جو تصدیق رکھتے ہیں تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہیں نہ ایمان شرعی سے نہ لغوی

سے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو بتلایا کہ افضل ان سب خصلتوں میں توحید ہے جو ہر شخص پر واجب ہے اور کوئی شاخ بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی گویا یہ جڑ ہے اور سب سے کمتر خصلت یہ ہے کہ جس چیز سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کا گمان ہو جیسے کانٹا وغیرہ کا راہ سے ہٹا دینا۔اور ان دونوں کے بیچ میں بہت سی خصلتیں ہیں جو کوشش کرنے سے معلوم ہوسکتی ہیں☆اصول وفروع ایمان کی سب معلوم ومحقق ہوچکی ہیں۔

حافظ ابن حبان نے کہا کہ میں نے اس حدیث میں ایک مدت تک غور کیا اور عبادات واطاعات کا شمار کیا تو وہ ستر پر کئی سے بہت زیادہ ہیں۔پھر میں نے اس حدیثوں کی طرف رجوع کیا اور جن عبادتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان میں شمار کیا ہے،ان کو جوڑا تو ستر پر کئی سے کم ہوتی ہے۔آخر میں رجوع ہوا کتاب اللہ کی طرف اور اسکو غور سے پڑھا اور جن عبادتوں کو اللہ نے ایمان میں داخل کیا ہے ان کو جوڑا تو وہ بھی ستر پر کئی سے کم ہوتی ہیں۔پھر میں قرآن حدیث کو ملایا اور جو عبادتیں مکرر ملیں ان کو نکال ڈالا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کی ہوئی عبادتیں ملا کر ستر پر نو ہوئیں نہ زیادہ نہ کم جب میں نے یقین کیا کہ مراد آپ کی یہ عبادتیں ہیں۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے عرض کیا یا رسولؐ! آپ مجھ سے باب اسلام میں ایک ایسی بات بتلایئے کہ پھر وہ بات کسی سے نہ پوچھوں۔آپ نے فرمایا تم یہ کہو کہ ''میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اسی پر جمے رہو''۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں جانے کا عادی دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو (کہ وہ مسلمان ہے) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتا ہے''۔ (حضرت ابوسعید خدریؓ)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ کے واسطے دوستی رکھے اللہ کے واسطے دشمنی رکھے اور اللہ کے واسطے خرچ کرے اور اللہ کے واسطے خرچ کرنے سے باز رہے ایسے شخص نے اپنا ایمان پورا کرلیا''۔ (بروایت ابوامامہؓ)[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں، جو شخص **لا الـــہ الا اللہ** کہے اس کو نہ ستاؤ، نہ کسی گناہ کی وجہ سے سے اس کو کافر کہو نہ کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے محروم کرو۔ (بروایت حضرت انسؓ)[6]

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۲، حدیث نمبر ۱۵۳ (۲) شرح نووی ترجمہ وحیدی (۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۳، حدیث نمبر ۱۵۹ (۴) ترمذی، کتاب الایمان، باب ۸، حدیث نمبر ۲۶۱۷ (۵) ابو داؤد، کتاب السنہ، باب ۱۵، حدیث نمبر ۴۶۶۸ (۶) ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب ۳۳، حدیث نمبر ۲۵۲۹

جس نے شہادت دی آگ اس پر حرام ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

من شهد ان لا اله الا الله، وان محمدا رسول الله، حرم الله علیه النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کرے گا۔“ (بہ روایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ)[1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے ایسے کام کی ہدایت فرمایئے کہ میں وہ کروں تو جنتی ہو جاؤں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو، زکوٰۃ فرض دو، رمضان کے روزے رکھو“۔ وہ شخص بولا قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کبھی اس سے کچھ گھٹاؤں بڑھاؤں گا نہیں۔ پھر جب وہ چل دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو جنتی مرد کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[2]

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھ سے اس بات

پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، نہ چوری کرنا اور نہ زنا، نہ اپنی اولاد کو قتل کرنا نہ اپنے سامنے گھڑا ہوا بہتان لگانا اور کسی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرنا۔ تم میں سے جو وفائے عہد کرلے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمے کرم پر ہے اور جو ان میں سے کچھ کر بیٹھے اور دنیا میں سزا پالے وہ سزا کفارہ ہے اور جو ان میں سے کچھ کرلے پھر رب تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے تو وہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے معافی دیدے چاہے سزا دے"۔ لہذا ہم نے اس پر آپ سے بیعت کی۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے ایسا کام بتایئے جو مجھے جنت میں داخل اور دوزخ سے دور کردے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "تم نے جو چیز پوچھی! ہاں جس پر اللہ تعالیٰ آسان کرے اسے آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ جانو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، کعبہ کا حج کرو"، پھر فرمایا کیا "میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتادوں۔ روزہ ڈھال ہے۔ خیرات گناہوں کو ایسا بجھاتی ہے جیسے پانی آگ کو اور درمیانی رات میں انسان کا نماز پڑھنا" پھر یہ تلاوت کی کہ "ان کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں"۔ پھر فرمایا کہ "میں تمہیں ساری چیزوں کا سرستون کوہان کی بلندی نہ بتادوں؟"۔ میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہؐ! فرمایا "تمام چیزوں کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز اور کوہان کی بلندی جہاد ہے۔" پھر فرمایا کہ "میں تمہیں ان سب کے اصل کی خبر نہ دیدوں؟"۔ میں نے عرض کیا ہاں یا نبی اللہؐ! پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا "اسے روکو"۔ میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہؐ! کیا زبانی گفتگو پر بھی ہماری پکڑ ہوگی۔ فرمایا "تمہیں تمہاری ماں روئے اے معاذ! لوگوں کو اوندھے منہ آگ میں نہیں گراتی مگر زبانوں کی کٹوتی"۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے محبت وعداوت کرے اور اللہ تعالیٰ کے لئے دے اور روکے اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ (بروایت حضرت ابوامامہؓ)[۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بہترین عمل اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوذرؓ)[۶]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ بہت کم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں اس کے بغیر وعظ فرمائیں کہ ''جو امین نہیں اس کا ایمان نہیں۔ جو پابند وعدہ نہیں اس کا دین نہیں''۔[۷]

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۰، حدیث نمبر ۱۴۲ (۲) مسلم، کتاب الایمان، باب ۴، حدیث نمبر ۱۰۷ (۳) بخاری، کتاب الاحکام، باب ۴۹، حدیث نمبر ۷۲۱۳ (۴) ترمذی، کتاب الایمان، باب ۸، حدیث نمبر ۲۶۱۶ (۵) ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب ۱۵، حدیث نمبر ۴۶۶۸ (۶) ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب ۲، حدیث نمبر ۴۵۸۸ (۷) بیہقی

ایمان اور حیا

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

الحیاء من الایمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حیا ایمان میں سے ہے''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) [1]

یہ ارشاد مبارک دراصل اس وقت ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (ایک مرتبہ) کسی انصاری مرد کی طرف گزرے اور ان کو دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو حیاء کے بارے میں نصیحت کر رہے تھے، یعنی وہ اپنے بیٹے سے کہہ رہے تھے کہ تو اس قدر شرم وحیاء نہ کیا کر (ان کے بیٹے غالباً بہت شرمگیں ہوں گے) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ (حیاء کے بارے میں) اس کو (نصیحت کرنا) چھوڑ دو، اس لئے کہ ''حیاء ایمان میں سے ہے''۔

بخاری میں اس تفصیل کے ساتھ یہ حدیث شریف مروی ہے۔ مسلم میں ایمان کی شاخوں سے متعلق باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت شدہ دو احادیث ہیں، جن میں ایمان کی زائد از ستر شاخوں میں ''حیاء کو ایمان کی ایک شاخ'' فرمایا گیا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں سے ایک روایت میں ساٹھ سے زائد شاخوں کا

بیان بھی ہے۔[۲] البتہ بخاری شریف کی ایک اورروایت میں ساٹھ پرکئی کا ذکر ہے[۳] اور ترمذی نے ستر پرکئی بغیر شک کے روایت کی ہیں۔[۴] ترمذی شریف کی ایک اور روایت میں ایمان کے ۴۶ دروازے منقول ہیں۔[۵] حضرت قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں صحیح ساٹھ پرکئی شاخیں ہیں، انہی کا ارشاد ہے کہ ایمان لغت میں یقین کرنے کو کہتے ہیں اور شرع میں دل سے یقین اور زبان سے اقرار کرنے کو، دلائل شرع سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اعمال کو کہتے ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خصلت ایمان کی کلمہ توحید پر یقین کرنا ہے اور سب سے کم تر راہ میں سے ایذا دینے والی چیز ہٹا دینا ہے۔[۶] حیاء سے بھلائی ہوتی ہے، حیاء بالکل خیر ہے۔

حضرت واحدیؒ نے کہا ہے کہ حیاء اور استحیاء دونوں حیات سے نکلتے ہیں اور حیاء انسان کی قوت حیات ہے تو جس کا احساس لطیف اور حیات قوی ہے اسی کو حیاء ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حیاء نعمتوں کا دیکھنا اور اپنے قصوروں پر نظر کرنا ہے یعنی خدا کے احسانات اور اپنی تقصیرات پر غور کرنا، اس سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے جس کو حیاء کہتے ہیں۔ اخلاق میں فضائل نفس تین ہیں، عفت، شجاعت اور عدالت۔ پھر حیاء عفت کا ایک شعبہ ہے۔ حضرت ابوعلی بن مکسویہؒ نے کتاب الطہارۃ میں کہا کہ حیاء نفس کا بری باتوں سے رک جانا ہے اور برائی سے پرہیز کرنا ہے۔ حضرت قاضی عیاضؒ نے کہا کہ حیاء تو ایک خلقی صفت ہے پھر اس کو ایمان میں داخل کیا اس لئے کہ کبھی حیاء پیدا ہوتی ہے ریاضت اور کسب سے جیسے اخلاق حسنہ ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی خلقی ہوتی ہے لیکن حیاء کا استعمال قانون شرع کے موافق محتاج ہوتا ہے۔ کسب، نیت اور علم کی طرف تو وہ ایمان میں ہے اور دوسرے یہ کہ حیاء نیک کام کراتی ہے اور گناہوں سے باز رکھتی ہے لیکن یہ جو فرمایا کہ حیاء بالکل خیر ہے اور نہیں ہوتی اس سے مگر خیر تو اس میں اشکال

یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت حیاء کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے رک جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرتا ہے اور کبھی حیاء کی وجہ سے اس کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں تو خیر محض کیونکر ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیاء نہیں ہے یہ تو عجز اور ناتوانی ہے اس کو حیاء بعضوں نے مجازاً کہا ہے لیکن حقیقتاً حیاء اس خلق کا نام ہے جو بری بات سے روکتی ہے اور اچھی بات کی طرف بلاتی ہے اور کسی حقدار کے حق میں قصور کرنے سے منع کرتی ہے اور حضرت جنید بغدادیؒ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔[7] ''غیرت سے ایمانی غیرت مراد ہے جو گناہوں سے روک دے۔ بندہ مخلوق سے، اللہ کے رسول سے، فرشتوں سے اور اللہ تعالیٰ سے شرم کرے۔ گناہ نہ چھپ کر کرے کہ اللہ، رسول اور فرشتے دیکھتے ہیں نہ علانیہ کرے کہ مسلمان بھی دیکھ رہے ہیں۔ نفسانی یا شیطانی غیرت مراد نہیں جیسے نماز یا غسل سے شرماتا ہے۔[8] ''عفت و پاکبازی کا دامن اسی کے بدولت ہر داغ سے پاک رہتا ہے سائل کو محروم نہ کرنا، مروت اور چشم پوشی اور گناہوں سے پرہیز اسی وصف حیاء کی برکت ہے۔ ایک دفعہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں تین صاحبین آئے صحابہ کے حلقہ میں ایک کو ذرا سی جگہ ملی وہ بیٹھ گئے دوسرے شرما کر پیچھے بیٹھ گئے اور تیسرے چلے گئے۔ تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو حلقہ کی ذرا سی جگہ میں آکر بیٹھا وہ اللہ کی پناہ میں آیا، جو پیچھے جا کر بیٹھا وہ شرمایا تو اس سے اللہ نے بھی شرم کی (یعنی معاف کیا) اور جو چلا گیا اس نے خدا سے منہ پھیرا تو خدا نے بھی اس سے منہ پھیرا۔[9] قرآن حکیم میں آیا ہے ''اللہ کوئی مثال بیان کرنے سے شرماتا نہیں''۔[10] اسی طرح یہ ارشاد قرآنی بھی ملتا ہے کہ ''اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا''۔[11] اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حق کے اظہار سے شرماتا نہیں''۔[12] اس سے معلوم ہوا کہ جو بات حق کے خلاف ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف خدا کی غیرت و حیاء کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ''اللہ سب سے

زیادہ غیرت مند ہے اور اسی لئے اس نے بدکاریوں کو حرام کیا ہے''۔[۱۳]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۱۶، حدیث نمبر ۲۴ (۲) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۲، حدیث نمبر ۱۵۳،۱۵۲ (۳) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳، حدیث نمبر ۹ (۴،۵) ترمذی، کتاب الایمان، باب ۶، حدیث نمبر ۲۶۱۴ (۶) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۲، حدیث نمبر ۱۵۳ (۷) ترجمہ وحیدی (۸) ذوالمرات (۹) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ۸۴، حدیث نمبر ۴۷۴ (۱۰) سورہ ۲ آیت ۲۶ (۱۱) سورہ ۳۳ آیت ۵۳ (۱۲) بخاری ، کتاب الادب، باب ۶۸، حدیث نمبر ۶۰۹۱ (۱۳) مسلم، کتاب التوبۃ، باب ۶، حدیث نمبر ۶۹۹۱

پاکی نصف ایمان ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

الطهور شطر الایمان والحمد لله تملأ المیزان و سبحان الله والحمد لله تملان او تملأ مابین السماوات والارض والصلاة نور والصدقة برهان والصبر ضیآء والقران حجة لک او علیک کل الناس یغدو فبایع نفسه فمعتقها او موبقها

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''پاکی نصف ایمان ہے اور ''الحمدللہ'' ترازو بھروے گی اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں اور نماز روشنی ہے خیرات دلیل ہے صبر چمک ہے قرآن تیری یا تجھ پر حجت ہے ہر شخص صبح پاتا ہے تو اپنا نفس بیچتا ہے تو یا نفس کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک۔ (بہ روایت حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ)[1]

اس حدیث شریف سے طہارت یعنی گندگی اور ناپاکی دور کرنے کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ طہارت ایمان کے آدھے ثواب کے برابر ہے۔ جس طرح ایمان، ایمان سے پہلے کئے گئے تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے اسی طرح ''طہارت (پاکی)'' وضو کا حال ہے کیوں کہ وضو بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوتا اور جب وضو ایمان پر موقوف ہوا تو آدھے ایمان کے برابر ہوا۔ بعض شارحین کا کہنا ہے کہ ایمان سے اس حدیث میں

نماز مراد ہے......اور طہارت شرط ہے نماز کی اس لئے آدھی نماز کے برابر ہوئی اور حدیث میں شطر کا لفظ ہے اور شطر میں یہ ضرور نہیں کہ برابر آدھوں آدھ ہوں اور یہ سب قولوں میں اچھا ہے اور احتمال ہے کہ مراد حدیث سے یہ ہو کہ ایمان کے دو جزو ہیں ایک دل سے یقین کرنا دوسرا ظاہر میں اطاعت کرنا اور طہارت مقدمہ ہے نماز کا اور نماز اطاعت ہے اس لئے طہارت شطر ایمان ٹھہری واللہ اعلم۔[2]

جو شخص ہر حال میں الحمدللہ کہا کرے تو قیامت میں میزان عمل کے نیکی کا پلڑا اس سے بھر جائے گا اور ایک حمد تمام گناہوں پر بھاری ہوگی۔ ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' ان دو کلموں کا ثواب اگر دنیا میں پھیلایا جائے تو اتنا ہے کہ اسی سے سارا جہاں بھر جائے یا مطلب یہ ہے کہ سبحان اللہ میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اور الحمدللہ میں اسی کے تمام کمالات کا اظہار اور یہ دو چیزیں وہ ہیں کہ جن کے دلائل سے دنیا بھری ہوئی ہے کہ ہر ذرہ اور ہر قطرہ رب کی تسبیح وحمد کر رہا ہے۔[3]

نماز نور ہے اس وجہ سے کہ نماز پڑھنے سے طرح طرح کے معارف اور مکاشفات حاصل ہوتے ہیں اس لئے کہ دل اس وقت فارغ ہوتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا مدد چاہو صبر اور نماز سے بعضوں نے کہا کہ نماز پڑھنے والوں کے چہرے پر ایک نور ہوگا قیامت کے دن اور دنیا میں بھی نمازی کے چہرے پر نور ہوتا ہے۔ نماز روکتی ہے گناہوں سے اور باز رکھتی ہے برائیوں سے اور لے جاتی ہے ثواب اور نیکی کی طرف جیسے نور سے یہ باتیں حاصل ہوتی ہیں۔

- صدقہ دینے والے کی نجات کے لئے قیامت کے دن صدقہ دلیل ہوگا اس لئے کہ منافق صدقہ نہیں دیتا اور نہ صدقہ میں کوئی فائدہ خیال کرتا ہے۔
- وہ صبر جو شرعاً محبوب ہے وہ کیا ہے صبر کرنا اللہ کی اطاعت پر اور صبر کرنا گناہوں سے بچنے کے لئے اور صبر

کرنا مصیبتوں پر اور دنیا کی تکلیفوں پر اور غرض یہ ہے کہ صبر عمدہ چیز ہے اور جو شخص صابر ہے وہ ہدایت اور روشنی کی راہ پر ہے۔

حضرت ابراہیم خواصؒ نے فرمایا کہ صبر کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جمے رہنے کا نام ہے۔ اسی طرح یہ اقوال بھی مشہور ہیں کہ بلا کے وقت اپنی زبان کو تھامے رہنا ادب کے ساتھ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو لکھ دیا ہے اس پر اعتراض نہ کرنا صبر ہے البتہ (خاص حالات میں) اپنی مصیبت کا اظہار صبر کے خلاف نہیں کیوں کہ حضرت ایوب علیہ السلام صابر تھے اور انھوں نے یہ کہا تھا مجھے دکھ اور بیماری ہے۔[۴]

- قرآن مجید کے ارشادات و احکام پر عمل پیرائی سعادت عظیم ہے اور دلیل ایمان ہے
- روز آنہ صبح کے وقت ہر شخص اپنی زندگی کی دکان کھولتا ہے اور سانسیں صرف کر کے اعمال کماتا ہے اگر اچھے اعمال میں سانسیں گزریں تو سودا نفع کا رہا نفس جہنم سے بچ گیا اور اگر برے کام کئے تو سودا گھاٹے کا رہا نفس کو ہلاک کر دیا نفس سے مراد ذات، دل اور سانسیں سب کچھ ہو سکتے ہیں۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں مٹا دے درجے بلند کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا ''ہاں یا رسول اللہؐ!''۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''وضوء پورا کرنا مشقتوں میں، مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا، نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔ یہ ہے سرحد کی حفاظت''۔

(بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۶]

اس ارشاد مبارکہ میں خطاؤں کو محو کرنے سے مراد صغیرہ گناہوں کو بخش دینا نامہ اعمال سے مٹا دینا ہے، درجوں سے مراد جنت کے درجے یا دنیا میں درجات ایمان ☆ وضوء پورے کرنے سے اعضائے وضوء کامل

دھونا اور تین بار دھونا اور وضو کی سنتوں کا پورا کرنا ہے مشقت سے مراد سردی یا بیماری یا پانی کی گرانی کا زمانہ ہے یعنی جب وضوء مکمل کرنا بھاری ہو تب مکمل کرنا ☆ مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا یعنی ہر وقت گھر سے چل کر مسجد جانا اور ہر نماز مسجد میں ادا کرنا ☆ ایک وقت کی نماز ادا کر کے دوسری نماز کا انتظار کرتے رہنا خواہ مسجد میں بیٹھ کر یا گھر، دفتر، دکان وغیرہ جہاں کہیں ہو کان اذان کی طرف دل نماز ادا کرنے کے انتظار میں لگا ہو۔[7]

(۱) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب ا، حدیث نمبر ۵۳۴ (۲) نووی (۳) مرآۃ ج ا (۴) نووی (۵) مرآت ج ا (۶) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب ۱۴، حدیث نمبر ۵۸۷ (۷) مرآت

نیت اور اعمال

قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم

انما الاعمال بالنیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں''۔

(بہ روایت حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ) [۱]

حضرت علقمہ بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو منبر پر فرماتے ہوئے سماعت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں'' ۔اسی ارشاد مبارکہ کے تسلسل میں آگے آیا ہے ''اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی نیت کی ہو چنانچہ جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ وہ اسے پالے یا کسی عورت کے لئے ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار ہوگی جس کے لئے ہجرت کی ہو۔'' [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور ارشاد میں ''اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی نیت کی ہو'' کے بعد ''تو جس کی ہجرت اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہوگی'' ۔کے الفاظ مبارکہ بھی شامل ہیں۔ [۳]

نیت عربی زبان کا وسیع مفہوم والا لفظ ہے۔ یہ دلی ارادہ، دلی منشا، اصل مقصد، منصوبہ، مراد، عہد، خیال اور دھیان کے معنوں میں مستعمل ہے اس کی جمع نیات ہے۔ اسی طرح عمل کے معنٰی کام، فعل، کار، تعمیل، کاروائی، برتاؤ، استعمال، عادت، معمول، قاعدہ، اثر، تاثیر، حکومت، حدود، قبضہ، وقت، سماء اور سحر کے نکلتے ہیں۔ اس کی جمع اعمال ہے۔ ان مفاہیم کی روشنی میں اس حدیث شریف کے معنی بے حد وسیع اور ہمہ گیر ہیں۔ اس ارشاد مبارکہ میں لفظ ہجرت بھی آیا ہے۔ اللہ عزوجل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف یا دنیا کی طرف ہجرت کا ذکر ہے۔ ہجرت کے معانی ترک وطن، قطع تعلق، نقل مقام، جدائی، گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ بس جانا ہیں۔ ربط مضمون کے لحاظ سے مفہوم واضح ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے یا دنیا کے لئے سب کچھ چھوڑ دینا اور اپنے مطلوب کی طرف یکسوئی سے رجوع ہو جانا اور اس کے حصول کے لئے اقدام کرنا۔ جیسی نیت ہوگی ویسا عمل ہوگا اور عمل کے موافق نتیجہ برآمد ہوگا۔ اسی لئے نیت پر نتیجہ کا انحصار فرمایا گیا ہے۔

نیت ارادہ عمل کے ساتھ ساتھ اخلاص کے لئے بھی مستعمل ہے گویا اعمال کا اجر اخلاص سے ہے عبادات و معاملات میں اخلاص کی اہمیت ہے اور اسی پر اجر و ثواب کا دارومدار ہے۔ نیت خیر اور اخلاص کے بغیر عبادات محض عادات بن جاتی ہیں اور نیت و اخلاص کی برکت سے اعمال اعتبار پا لیتے ہیں۔ اخلاص کو دل کی سچائی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جسے دلی ارادہ یا نیت کہہ سکتے ہیں اسی پر اعمال اور ان کے اجر و ثواب اور رد وقبول کا انحصار ہوتا ہے۔ جب تک عمل دلی منشاء یا نیت کی صحیح ترجمانی نہ کر سکے اخلاص نہیں۔ [۴]

''ارکان اسلام یعنی کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج میں نیت یعنی ارادہ فعل فرض ہے باقی جہاد، ہجرت، وضو وغیرہ میں یہ نیت فرض نہیں ہاں اخلاص کے بغیر ان میں ثواب نہ ملے گا''۔ [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس تعلیمات میں نیت اور باطنی ارادہ کو اعمال کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ''نماز سے بڑھ کر کوئی نیک کام کیا ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ (بجائے اخلاص واطاعت الٰہی کے) بھی فخر، نمائش، ریا اور دکھاوے کی خاطر سے کیا جائے تو وہ ثواب کے بجائے الٹا عذاب کا باعث ہوگا اسی طرح آپ اگر کسی معذور کی امداد اس لئے کریں کہ لوگ آپ کی تعریف کریں گے تو اسلام میں یہ نیکی کا کام شمار نہ ہوگا۔ الغرض عمل کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت اور ارادہ پر موقوف ہے۔[6]

(۱) بخاری، کتاب بدء الوحی، باب ا، حدیث نمبر ا (۲) ایضاً (۳) مسلم، کتاب الامارہ، باب ۴۵، حدیث نمبر ۴۹۲۷ (۴) حاشیہ مرآۃ، جلد ا۔ (۵) مرقات بحوالہ ایضاً (۶) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جلد ۶ صفحہ ۴۶

امید مغفرت وخوف عصیاں

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل الا أن سلعة الله غالية الا أن سلعة الله الجنة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خوف کیا اس نے اول ہی رات سے سفر شروع کردیا اور جس نے اول ہی رات سے چلنا شروع کیا وہ منزل (مقصود) کو پہنچ گیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا سامان بہت ہے بیش قیمت ہے۔ آگاہ ہو کہ اللہ کا سامان جنت ہے۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

مطلب یہ ہے کہ جس نے اللہ کا خوف کیا اس نے اپنے اعمال شروع کردیئے اور جس نے اچھے اعمال کئے وہ جنت میں داخل ہوا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے جو سکرات میں تھا۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''کیوں تمہاری کیا حالت ہے؟''۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے اللہ سے (مغفرت کی) امید ہے اور مجھے اپنے گناہوں کا خوف ہے''۔ تو حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کبھی یہ دونوں باتیں کسی بندہ (مؤمن کے) دل میں جمع ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز عطا فرماتا

ہے جس کی اس کو امید تھی (یعنی مغفرت عطا فرماتا ہے) اور جس چیز سے وہ خوف کرتا تھا اس سے اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھتا ہے (یعنی گناہوں کے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے)''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان بوجھ کے مارے چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا حق بجانب ہے۔ اس میں چار انگل کوئی ایسی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اللہ کے سجدہ کے لئے اپنی پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ اللہ کی قسم جو باتیں میں جانتا ہوں اگر تم ان باتوں کو جانتے تو تم لوگ بہت ہی کم ہنستے اور ہر دم روتے ہی رہتے اور کبھی بستروں پر راحت نہ پاتے اور (گناہوں سے مغفرت کے لئے) جنگلوں میں اللہ سے فریاد وزاری کرتے ہوئے اور چیختے ہوئے نکل جاتے۔'' (بروایت حضرت ابوذرؓ)[3]

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ کاش کہ میں ایک درخت ہوتا اور لوگ مجھے کاٹ ڈالتے (اس میں میرے ذمہ کسی گناہ کی باز پرس نہ ہوتی۔ عذاب الٰہی سے ڈر کر ایسا فرمایا)۔[4]

''اطت السماء'' جو حدیث میں آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے اس میں زیادہ وزن پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے اس میں چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوگئی۔ اور یہ ایک فرشتوں کی کثرت کی مثال ہے اور ایذان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر مسلمان کو وہ عذاب معلوم ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ہے تو وہ کبھی جنت کی ہوس نہ کرے اور اگر کافر کو وہ رحمت معلوم ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ہے تو کبھی وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' (مطلب یہ کہ اللہ کے عذاب اور رحمت دونوں کی مقدار بڑھی ہوئی ہے)۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[5]

حضرت ابو بردہ عامر بن ابو موسیٰؓ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا کہ ''اے ابو موسیٰ! کیا تم کو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور آپ کی شرکت میں ہمارا جہاد کرنا اور ایسے کل افعال جو ہم نے آپ کی موجودگی میں کیئے ہیں وہ سب بجائے خود ہمارے لئے ثابت اور قائم رہیں اور جو اعمال کہ ہم نے آپ کے بعد کیئے ہیں اس سے برابر چوکتے ہوے ہماری (عذاب الٰہی سے) نجات ہو جائے''۔ تو تمہارے والد نے ہمارے والد سے کہا کہ ''خدا کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا ہم نے آپ کے بعد جہاد کیئے ہیں ، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور کثرت سے نیک کام کیئے ہیں اور ہمارے ہاتھوں پر بہت سے لوگ مسلمان ہوے ہیں، ہم کو تو ان سب اعمال کی بابت ثواب پانے کی امید ہے''۔ تو پھر اس کے بعد میرے والد (حضرت عمرؓ) نے کہا کہ لیکن میں تو، قسم اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے، یہی چاہتا ہوں کہ جو اعمال کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیئے ہیں بجائے خود ہمارے لئے قائم اور ثابت رہیں اور جو اعمال ہم نے آپ کے بعد کیئے ہیں برابر ان کی وجہ سے برابر چوکتے ہوئے ہماری نجات ہو جائے (تو غنیمت ہے)''۔ تو میں (حضرت ابو بردہؓ) نے کہا کہ ''آپ کے والد اللہ کی قسم! میرے والد سے بہتر تھے''۔[٦]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابر گھرا ہوا دیکھتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا تو میں نے عرض کرتی کہ یا رسول اللہؐ! لوگ جب ابر گھرا ہوا دیکھتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں اس امید سے کہ اس میں پانی ہوگا اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ جب ابر گھرا ہوا دیکھتے ہیں تو آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا ہے؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ ''اے عائشہ! کون سی چیز ایسی ہے جس سے مجھے اس امر کا اطمینان ہو کہ اس میں عذاب نہ ہو، ایک قوم کو ہوا کے ذریعہ عذاب پہنچایا گیا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ ابر سیاہ ہے یہ ضرور ہم پر پانی برسائے گا''۔[۷]

---

(۱) ترمذی، کتاب صفت القیامۃ والرقائق والورع، باب ۸۳/۱۸، حدیث نمبر ۲۴۵۰ (۲) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ۱۱، حدیث نمبر ۹۸۳ (۳) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۹، حدیث نمبر ۲۳۱۲ (۴) ایضاً (۵) مسلم، کتاب التوبۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۶۹۷۹ (۶) بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ۴۵، حدیث نمبر ۳۹۱۵ (۷) بخاری، کتاب التفسیر، باب ۲/۴۶، حدیث نمبر ۴۸۲۹

اللہ نے علم سے ابتداء فرمائی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

ان من الشجر شجرة لا یسقط و رقها، وانها مثل المسلم، فحد ثونی ما هی؟ فوقع الناس فی شجر البوادی، قال عبد الله: فوقع فی نفسی انها النخلة فاستحییت، ثم قالو: حدثنا ما هی یا رسول الله ؟ قل: هی النخلة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مومن کی مثل ہے۔تو تم مجھ سے بیان کرو کہ وہ کون درخت ہے؟‘‘ تو لوگ جنگلی درختوں کے خیال میں پڑ گئے۔عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں آ گیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے،مگر میں شرما گیا۔بالآخر صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ آپ ہی ہم سے بیان فرمایئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا’’رشک (جائز) نہیں مگر دو (شخصوں) کی عادتوں پر۔اس شخص (کی عادت) پر جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس مال پر ان لوگوں کو قدرت دے جو اسے (راہ) حق

میں صرف کریں اور اس شخص (کی عادت) پر جس کو اللہ نے علم عنایت کیا ہو اور وہ اس کے ذریعہ سے حکم کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس کی تعلیم دیتا ہو"۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)[2]

قول اور عمل سے پہلے علم کے بیان میں ہے کہ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فاعلم انه' لااله الا الله** (۱۹/۴۷) اس لئے کہ اللہ نے علم سے ابتداء فرمائی ہے اور علماء ہی انبیا کے وارث ہیں۔ انہوں نے بڑی دولت حاصل کی اور جو شخص کسی راستے پر تحصیل علم کے لئے قدم رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ "جس کے ساتھ اللہ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عنایت کرتا ہے۔"[3]

علم تو سیکھنے ہی سے (آتا) ہے اور حضرت ابوذرؓ نے (ایک مرتبہ) اپنی گردن کی اشارہ کیا اور فرمایا اگر تم اس پر تلوار رکھ دو لیکن پھر بھی میں سمجھوں کہ اس سے پہلے تم میرے اوپر (تلوار) چلاؤ ایک کلمہ جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہہ سکوں گا تو ضرور اس کو کہہ دوں گا۔[4] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان "**لیبلغ الشاھد الغائب**" بھی علم کے ظاہر کرنے کا حکم دے رہا ہے۔[5]

حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ "**کونوا ربانیین**"۔ یہاں ربانیین سے حکماء اور علماء فقہاء (مراد ہیں) اور بیان کیا جاتا ہے کہ ربانی وہ شخص ہے جو لوگوں کو علم کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی بڑی باتوں سے پہلے تعلیم کرے۔[6]

تعلیم کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد مبارکہ ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں نصیحت کرنے کے لئے کچھ دن مقرر کر دیئے تھے، ہمارے پریشان حال ہونے کی وجہ سے (ہر روز وعظ نہ فرماتے تھے)۔[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''(دین میں) آسانی کرو اور سختی نہ کرو لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور (زیادہ تر ڈرا ڈرا کر انہیں) متنفر نہ کرو''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ) [۸]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو پنجشنبہ کے دن وعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ سنایا کریں وہ بولے کہ (روز روز کے وعظ سے) مجھے صرف یہ امر مانع ہے کہ کہیں تم رنجیدہ نہ ہو جاؤ اور میں تمہاری نصیحت کے لئے اسی طرح وقت معین رکھتا ہوں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو نصیحت کے لئے وقت مقرر رکھتے تھے ہماری پریشانی کے خوف سے (ہر روز وعظ نہ کہتے تھے)۔ [۹]

ان ارشادات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں سمجھ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا ہے، جو کسی بھی شخص کی عزت، مرتبہ اور وقار میں گونا اضافہ کا باعث ہے۔ عالم کو محض فہم کی بناء پر امتیاز و شرف حاصل ہوتا ہے کوئی جاہل ان کے برابر نہیں علم کے سلسلے رشک کو جائز قرار دیا گیا ہے یعنی وہ عالم قابل رشک ہوتا ہے جو اپنے علم کے ذریعے لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دیا کرتا ہے۔ قول وعمل سے پہلے علم کے لئے قرآنی دلیل موجود ہے۔ یعنی خالق کونین نے علم سے ابتداء فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کو حقیقی معنوں میں انبیا کا وارث بنایا گیا ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب العلم، باب ۴، حدیث نمبر ۶۱ (۲) بخاری، کتاب العلم، باب ۱۵، حدیث نمبر ۷۳ (۳) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب وسنہ، باب ۱۰، حدیث نمبر ۷۳۱۲ (۴) سنن دارمی (۵) بخاری، کتاب العلم باب ۳۷، حدیث نمبر ۱۰۴ (۶) بخاری، کتاب العلم، باب ۱۰ (۷) بخاری، کتاب العلم، باب ۱۱، حدیث نمبر ۶۸ (۸) بخاری، کتاب العلم، باب ۱۱، حدیث نمبر ۶۹ (۹) مسلم، کتاب صفات القیامہ والجنہ والنار، باب ۱۹، حدیث نمبر ۷۱۲۹

اللہ دیتا ہے میں بانٹتا ہوں

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

من یرد الله بہٖ خیرا یفقهه فی الدین والله المعطی و انا قاسم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ اللہ دیتا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔“ (بہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) [1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ ”دینی سمجھ“ سب سے بڑی بھلائی اور نعمت ہے۔ علم دین فہم دین، حکمت ودانائی اللہ کی عطاء خاص ہے۔ قرآن وحدیث کا پڑھنا اور ان کا سمجھنا ہی علم دین ہے۔ قرآن وحدیث کا سمجھنا کمال ہے۔ عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ ورسول کا فرمان ہو اور دل میں ان کا فیضان، اس حدیث شریف سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ دین ودنیا کی ساری نعمتیں علم، ایمان، مال اور اولاد وغیرہ۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان ساری نعمتوں کو بانٹتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”جو علم اور ہدایت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے، جو زور کے ساتھ زمین پر برسے، جو زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی پی لیتی ہے اور بہت گھاس اور سبزہ اگاتی ہے۔ اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے پھر اللہ

تعالیٰ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اس کو پیتے ہیں اور (اپنے جانوروں کو) پلاتے ہیں اور زراعت کرتے ہیں۔ اور کچھ مینہ (زمین کے) دوسرے حصہ کو پہنچا جو بالکل چٹیل میدان ہے نہ پانی کو روکتا ہے نہ سبزی اگاتا ہے۔ پس یہی مثال ہے اس شخص کی جو اللہ کے دین میں فقیہہ ہو جائے اور اس کو پڑھے اور پڑھائے اور مثال ہے اس شخص کی جس کی طرف سر (تک) نہ اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں قبول نہ کیا''۔ (بہ روایت حضرت ابوموسیٰؓ)[۲]

یعنی جو علم وحکمت مجھے عطا کیا گیا ہے وہ رحمت پروردگار ہے اور اس کے قبول کرنے میں بنی نوع آدم کی مثال زمین کے ان تین حصوں کی طرح ہے جو زمین کا حصہ سرسبز وشاداب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس بارش سے سرسبز ہوتا ہے، خود بھی بھلا معلوم ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور جس حصہ میں سرسبز ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ صرف پانی کو اپنے اندر ٹھہرانے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ پانی کو روک لیتا ہے اور جھیل وتالاب کی شکل ہو کر دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اگرچہ خود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا لیکن ایک وہ حصہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں صلاحیتیں نہیں رکھتا وہ اس نعمت سے محروم رہ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں اس عمدہ اور موثر مثال کے ذریعہ علم کی فضیلت اور اس کے فوائد سے متعلق تشریح فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سب سے عظیم اور بابرکت نعمت علم دین اور حکمت ہے جس کی فضیلت اس ارشاد سے ظاہر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر''۔ (بروایت حضرت ابوامامہ باہلی)[۳]

اہل علم پر لوگوں کی تعلیم اور صحیح رہبری کی ذمہ داری ہے کیوں کہ لوگ علماء کرام کی ہدایات اور رہنمائی

کے موافق عمل کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہل علم کو حکم سرفراز فرمایا کہ ''لوگ تمہارے تابع ہیں اور بہت لوگ اطراف زمین سے تمہارے پاس دینی فقہ سیکھنے آئیں گے جب وہ آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرو۔''

(بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[4]

ایک عالم دین اور فقیہ بہت اعلیٰ مقام و مرتبہ رکھتا ہے۔ علم و تفقہ کی بنا پر اس کی شان و جلالت اور قوت و ہیبت کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہزار عابد مل کر بھی وہ اثر دکھا نہیں سکتے جو ایک فقیہ کا دبدبہ علم و حکمت دکھایا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ایک فقیہ، شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)[5]

طلب و حصول علم کی اہمیت و ضرورت سے کس باشعور کو انکار ہوگا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علوم و حکمت کو حاصل کرنے کی بطور خاص تاکید فرمائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''علمی بات عالم کی اپنی گمشدہ چیز ہے جہاں پالے وہ ہی اس کا حق دار ہے۔'' (بروایت حضرت ابوہریرہؓ)[6]

اس ضمن میں یہ حکم بہت معروف و مشہور اور نہایت ہی اہم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے''۔[7]

یہاں ضروریات شرعی کے علم کی فرضیت مراد ہے جیسے فرائض دین اور ان کے متعلقہ مسائل وغیرہ۔ یہ تو ہر مسلمان مرد اور ایک روایت کی روشنی میں مسلمان مرد کے ساتھ ہر مسلمان عورت پر فرض ہے البتہ پورا علم تنہا فرض کفایہ ہے۔ علم حاصل کرنے کے لئے سعی کرنے والا یا طلب علم میں سفر کرنے والا بڑی فضیلت

رکھتا ہے اور اس کی یہ مبارک سرگرمیاں رضائے حق تعالیٰ کا سبب بنتی ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جو تلاش علم میں نکلا وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے''۔

(بہ روایت حضرت انسؓ)[8]

علم دین کو پھیلانے اور دوسروں کو استفادہ کا موقع فراہم کرنے والے دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعائے خاص ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ اسے ہرا بھرا رکھے جو ہم سے کچھ سنے پھر جب سنے ویسا ہی پہنچادے کیوں کہ بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں''۔[9]

حضرت کثیر بن قیسؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ اے ابودرداءؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ سے آپ کے پاس صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں، مجھے خبر لگی ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وہ روایت فرماتے ہیں۔ اس کے سوا اور کسی کام کے لئے نہ آیا۔ حضرت ابودرداءؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو تلاش علم کرتے ہوئے کوئی راہ طے کرے تو اللہ اسے بہشت کی راہوں سے کوئی راہ چلائے گا اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے پر بچھاتے ہیں۔ یقیناً عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی چیزیں اور پانی میں مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب یا چاند کی فضیلت سارے تاروں پر اور علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ پیغمبروں

نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہ بنایا انھوں نے حرف علم کا وارث بنایا تو جس نے علم اختیار کیا اس نے پورا حصہ لیا۔''[10]

طلب علم کی فضیلت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ''رات میں ایک گھڑی علم دین کا پڑھنا پڑھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے''۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص میری امت تک پہنچانے کے لئے دینی امور کی چالیس حدیثیں یاد کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عالم دین کی حیثیت سے اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں اور اس کے حق میں گواہ رہوں گا''۔

(بروایت حضرت ابوالدرداءؓ)[12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے ایسے علم کو سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے۔(مگر) اس نے صرف اس لئے سیکھا کہ اس علم سے متاع دنیا حاصل کرے تو قیامت کے دن اس کو جنت کی خوشبو تک میسر نہ ہوگی۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[13]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن خیر کے سننے سے کبھی سیر نہ ہوگا تا آنکہ اس کی انتہا جنت ہو جائے''۔ (بہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[14]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس سے علمی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہے پھر اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی''۔ (روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[15]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قرآن اور علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[16]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''آگاہ ہو جاؤ بروں میں سب سے بدترین علمائے سو ہیں اور اچھوں میں سب سے بہتر علمائے حق ہیں''۔ (بہ روایت حضرت احرص بن حکیمؓ)[۱۷]

---

(۱) بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ۷، حدیث نمبر ۳۱۱۶ (۲) بخاری، کتاب العلم، باب ۲۰، حدیث ۷۹ (۳) ترمذی، کتاب العلم، باب ۱۹، حدیث نمبر ۲۶۸۵ (۴) ترمذی، کتاب العلم، باب ۴، حدیث نمبر ۲۶۵۰ (۶،۵) ترمذی، کتاب العلم، باب ۱۹، حدیث نمبر ۲۶۸۱، ۲۶۸۷ (۷) بیہقی (۸) ترمذی، کتاب العلم، باب ۲، حدیث نمبر ۲۶۴۷ (۹) ترمذی، کتاب العلم، باب ۷، حدیث نمبر ۲۶۵۷ (۱۰) ترمذی، کتاب العلم، باب ۱۹، حدیث نمبر ۲۶۸۲/۲ (۱۱) دارمی (۱۲) مشکوٰۃ (۱۳) ابو داؤد، کتاب العلم، باب ۱۲، حدیث نمبر ۳۶۶۱ (۱۴) ترمذی، کتاب العلم، باب ۱۹، حدیث نمبر ۲۶۸۶ (۱۵) ترمذی، کتاب العلم، باب ۳، حدیث نمبر ۲۶۴۹ (۱۶) ترمذی، کتاب الفرائض، باب ۲، حدیث نمبر ۲۰۹۱ (۱۷) دارمی

طلب علم

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ و سلم

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر مسلم پر علم کا طلب کرنا فرض ہے''۔

(بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ)[1]

بیہقی نے مدخل میں کہا کہ واللہ اعلم، شاید اس سے مراد یہ ہے کہ وہ علم سیکھنا فرض ہے جس کا جہل کسی بالغ کو درست یا وہ علم مراد ہے جس کی ضرورت اس مسلمان کو ہو مثلاً تاجر کو مسائل بیع وشرا کی اور غازی کو مسائل جہاد کی یا یہ کہ فرض عین ہے ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا مگر جب کچھ لوگ جن کے علم سے سب کو کفایت ہو، تحصیل میں مشغول ہوں تو باقی لوگ ترک طلب کے سبب ماخوذ نہ ہوں گے۔ حضرت ابن مبارکؒ نے فرمایا جب کسی مسلمان کو کسی مسئلہ کی ضرورت پڑے تو اس پر ضروری ہے کہ اسے پوچھ لے تا کہ علم حاصل ہو۔ بیضاوی نے کہا مراد اس سے وہ علوم ہیں جن کا حصول ہر مسلمان کو فرض ہے جیسے حقیقت نبوت، معرفت صانع اور وحدانیت، کیفیت نماز کہ اس کے تعلم وتعلیم فرض عین ہے (شرح وحیدی)۔ اساس تہذیب میں ڈاکٹر سید عبداللطیفؒ نے لکھا ہے ''طلب علم نہ صرف ہر فرد کے پیشہ کے لحاظ سے ضروری ہے بلکہ زندگی میں تمدنی وروحانی ارتقاء کے لئے بھی لازمی ہے۔ علم سے مراد نہ صرف اسلام کے اساسی اصول فرائض کا علم ہے

بلکہ زندگی کا بھی علم ہے، ان چیزوں کا بھی علم جن کا تعلق زندگی سے ہوتا ہے۔ زمین وافلاک کے ان وسائل اور ذرائع کا بھی علم ہے جن کو انسان کے نفع کے لئے حاصل کرنا ہے اور ان واقعات کا بھی علم ہے جو انسان کی زندگی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں''۔

ان ارشادات سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ علم سیکھو، اس لئے کہ وہ حلال وحرام میں تمیز سکھاتا ہے اور اہل جنت کا راستہ بتلاتا ہے وہ وحشت میں انس ومحبت پیدا کرتا ہے۔ تنہائی کا ساتھی ہے، عسرت وتنگدستی میں رہنماء ہے، دشمنوں کے مقابلے میں بہترین ہتھیار ہے، دوستوں کا نایاب ساتھی ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قوموں کو عروج عطا فرماتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ نیکیوں کے قائد ورہنماء اور امام بن جاتے ہیں کہ ان کے اعمال وافعال کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی رائے پر اعتماد کیا جاتا ہے۔[۲]

طلب علم کے سلسلہ میں متعدد احادیث شریفہ سے کتب احادیث مزین ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ جس کی خیر چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے''۔[۳]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنے حجرہ مبارکہ سے مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ دو حلقے ہیں جن میں ایک حلقہ والے قرآن پڑھتے تھے اور اللہ پاک سے دعا کرتے تھے اور دوسرے علم سیکھتے سکھاتے تھے سو آپ نے فرمایا ''دونوں گروہ نیکی کے کام میں ہیں وہ جو قرآن پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں چاہے اللہ تعالیٰ انھیں عطا کرے چاہے نہ دے اور یہ لوگ (جو) سیکھتے سکھاتے ہیں اور میں بھی علم سکھانے والا ہوں۔ اور آپ انھیں کے ساتھ تشریف فرما ہوئے''۔[۴] اس ارشاد مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فضل علم افضل ہے فضل عبادت سے اور عالم کا رتبہ عابد سے بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل بھی ختم ہوجاتے

ہیں سواء تین اعمال کے ایک دائمی خیرات یا وہ علم جس سے نفع پہنچتا رہے یا وہ نیک بچہ جو اس کے لئے دعائے خیر کرتا رہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۵]

یہی وہ چیزیں ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ سے مراد اوقاف ہے یعنی مسجد، مدرسہ یا باغ وغیرہ جن سے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ یوں ہی علم سے مراد دینی تصانیف، نیک شاگرد جن سے دینی فیضان پہنچتا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو تلاش علم کے لئے کوئی راستہ طئے کرے تو اس کی برکت سے اللہ اس پر جنت کا راستہ آسان کردے گا''۔ [۶]

یعنی جو علم دین سیکھنے یا دینی حکم حاصل کرنے کے لئے عالم کے گھر جائے سفر کرکے یا چند قدم تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر جنت کے کام آسان کرے گا۔ مرتے وقت ایمان نصیب کرے گا قبر وحشر کے حساب میں کامیابی اور پل صراط پر آسانی عطا فرمائے گا۔ جنت کے راستے میں سب چیزیں داخل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم کے لئے سفر کرنے کا بہت ثواب ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام طلب علم کے لئے خضر علیہ السلام کے پاس سفر کرکے (تشریف لے گئے)۔ حضرت جابرؓ ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کا طویل سفر طئے کرکے عبد اللہؓ بن قیس کے پاس پہنچے۔ (مراۃ المناجیح)

بخاری میں ہے کہ ''علماء کو علم پھیلانا چاہئے اور تعلیم دینے کے لئے بیٹھنا چاہئے تاکہ جو لوگ علم سے محروم ہیں ان کو تعلیم دیں جہاں علم پوشیدہ ہوا بس وہ مٹ گیا''۔ اوسط، بزار میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ''عبادت سے علم افضل ہے'' کنوز الحقائق میں ہے کہ جس عالم کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے وہ ہزار عابد سے بہتر ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ''ایک گھڑی فکر کرنا ۷۰ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ بخاری کتاب العلم میں

مجاہدؒ کا قول ہے ’’جو شخص شرم یا غرور کرے گا وہ علم حاصل نہیں کر سکتا‘‘۔ (بحوالہ اساس تہذیب)

---

(۱) سنن ابن ماجہ، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۲۴ (۲) جامع بیان العلم (۳) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب وسنہ، باب ۱۰، حدیث نمبر ۷۳۱۲ (۴) سنن ابن ماجہ، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۲۹ (۵) مسلم، کتاب الوسیہ، باب ۳، حدیث نمبر ۴۲۲۳ (۶) مسلم، کتاب ذکر و دعا و توبہ واستغفار، باب ۱۱، حدیث نمبر ۶۸۵۳

مسلمان، مسلمان کا (دینی) بھائی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

المسلم اخو المسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان، مسلمان کا (دینی) بھائی ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اسی حدیث شریف میں آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان نہ خیانت کرے دوسرے مسلمان کی اور نہ جھوٹ بولے اس سے اور نہ محروم کرے اس کو اپنی تائید اور مدد سے۔ مسلمان پر مسلمان کی سب چیز حرام ہے، عزت اس کی اور مال اس کا اور خون اس کا۔ تقویٰ یہاں ہے''۔ یعنی اشارہ فرمایا آپ نے دل کی طرف۔ ''کافی ہے آدمی کو شر سے یہ کہ (یعنی یہ شر کافی ہے کہ) حقیر سمجھے اپنے مسلمان بھائی کو''۔ [2]

یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر طرح کی ایذا مسلمان کی حرام فرما دی۔

سارے مسلمان آپس میں ایمان اسلام اخلاق ایثار مروت محبت ومودت میں ایک جسم کے مانند ہیں، وہ ایک دوسرے سے اس قدر متعلق و مربوط ہیں جس طرح کہ دیوار ہوتی ہے کہ اس کے مختلف حصے ایک دوسرے کے لئے قوت واستحکام کا باعث ہوتے ہیں۔

حضرت ابوزرعہؓ بن عمرو بن جریر کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشادات عالیہ سننے اور حکم ماننے پر بیعت کی اور یہ کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ ان کا بیان ہے کہ جب وہ کوئی چیز فروخت کرتے یا خریدتے تو کہہ دیتے جو چیز ہم نے آپ سے لی وہ ہمیں اس چیز سے زیادہ پیاری ہے جو ہم نے آپ کو دی ہے، لہذا آپ کو (لینے یا نہ لینے کا) اختیار ہے۔[۳]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے کسی مسلمان سے دنیاوی تکلیفوں میں کوئی تکلیف دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف اس سے دور کر دے گا۔ جو کسی غریب کو آسانی دے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسے آسانی میسر کرے گا، جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرنے میں رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں رہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص رد کرے اپنے بھائی کی عزت سے وہ چیز جو کہ خلل ڈالتی ہے اس کی عزت میں تو رد کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کے منہ سے آگ دوزخ کی قیامت کے دن''۔ (بہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حلال نہیں مسلمان کو کہ چھوڑ دے اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ۔ ملیں وہ دونوں راہ میں لہذا وہ رکے اس سے اور یہ رکے اس سے۔ اور ان میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے''۔ (بہ روایت حضرت ابوایوبؓ انصاری)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہؐ! اس کی مظلومیت میں تو مدد کروں گا ظالم ہونے پر اس کی مدد کیسے کروں۔ فرمایا

''اسے ظلم سے روک دو یہ اس کے حق میں تمہاری مدد ہے''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[7]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جاوے اور وہ اس کی مدد پر قادر ہو (اس طرح کہ غیبت کرنے والوں کو غیبت سے روک دے یا اس طرح کہ اس غائب شخص کے اوصاف بیان کردے اسے بدنامی سے بچا کر نیک نام کردے) پھر وہ اس کی مدد کرے تو اللہ تعالی اس کی دنیا و آخرت میں مدد کرے گا، لیکن اگر مدد پر قادر ہوتے ہوئے اس کی مدد نہ کرے تو اللہ اس جرم پر اسے دنیا و آخرت میں پکڑے گا''۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو اپنے بھائی کے گوشت سے اس کی پیٹھ پیچھے دفع کرے تو اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے آگ سے آزاد کردے۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمان آدمی جو کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے جہاں اس کی عزت گھٹائی جارہی ہو اور جس میں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو، تو اللہ اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جس میں اس کی مدد اسے محبوب ہو''۔[10]

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۱۸، حدیث نمبر ۱۹۲۷ (۲) ایضا (۳) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۵۹، حدیث نمبر ۴۹۳۷ (۴) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۶۰، حدیث نمبر ۴۹۳۸ (۵) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۲۰، حدیث نمبر ۱۹۳۱ (۶) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۲۱، حدیث نمبر ۱۹۳۲ (۷) بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب ۴، حدیث نمبر ۲۴۴۴ (۸) شرح سنہ (۹) بیہقی (۱۰) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۳۶، حدیث نمبر ۴۸۷۶

مومنین ایک جسم کی طرح ہیں

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

تـری الـمؤمنین فی تراحمهم و توادهم و تعاطفهم کمثل الجسد

اذا اشتـکی عـضـوا، تـداعـی لـه سـائر جسـده بالسهر والحمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم مومنوں کو آپس کی رحمت آپس کی محبت آپس کی مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جب ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے جسم کے اعضا بے خوابی اور بخار کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں''۔ (بہ روایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ)[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم بیمار ہو جائے اور اگر اس کا سر درد کرے تو سارا جسم بیمار ہو جاوے''۔[۲]

ان ارشادات عالیہ میں اہل ایمان کے ایک دوسرے سے تعلق خاطر کی حقیقت کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔ رشتہ ایمان نے مومنین کو ایک دوسرے سے اتنا مربوط اور وابستہ کر دیا ہے کہ وہ دوستی، اتحاد، شفقت، رحم و مروت، انس و محبت اور لطف و کرم میں باہم ایسے ہیں جیسے کہ ایک جسم کے مختلف اعضاء ایک دوسرے سے متعلق اور آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اہل ایمان کی مثال قالب کی طرح ہے یعنی سارے مومن مل

کر ایک قالب کی مانند، متحد و شفق ہیں۔ جس طرح بدن کا کوئی حصہ درد میں مبتلا ہوجاتا ہے تو سارا بدن اس درد میں شریک ہوجاتا ہے کہ اسے نیند نہیں آتی ایک عضو بدن کا درد سارے جسم کو بخار میں مبتلا کر دیتا ہے گویا سارا وجود اس درد کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے اور اسی تعلق خاطر کے نتیجہ میں نیند غائب اور بخار حاضر ہوتا ہے اہل ایمان کے باہمی انس و محبت اور ایک دوسرے سے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے جو مثال ارشاد فرمائی گئی وہ عالم و عامی، خاص و عام ہر ایک کے سمجھنے کے لئے نہایت آسان اور بے حد موثر ہے کہ اگر ایک مومن پر آفت آئے بالخصوص وہ آفتیں جو کافروں کی طرف سے پہنچیں تو لازماً اس سے سارے اہل ایمان کا متاثر ہونا فطری امر ہے اور اس جانب تلقین و تعلیم بھی ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی مومن مصائب و آرام کا شکار ہوجائے تو سارے مومنین کو اس کی تکالیف کا احساس کرنا چاہیے اور متاثرہ مومن کے لئے جذبہ خیر و یگانگت کا اظہار بھی ہونا چاہیے اور ان مصائب سے اپنے بھائی کو بچانے کے لئے ممکنہ تدابیر بھی اختیار کرنی چاہئے اور اس کے تدارک و علاج کی ممکنہ کوششیں لازمی ہوں گی۔ یہی وصف مومنین ہے یہی اہل ایمان کی پہچان اور یہی جذبہ اخوت ایمان و اسلام کی مبارک عطا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ اور بعد ہجرت مدینہ منورہ میں دو بار اہل ایمان کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمایا۔ مکہ میں اہل مکہ قریشی مسلمانوں کے بیچ آپس بھائی چارہ قائم کروایا اور دوبارہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں انصاریوں اور مہاجرین کے درمیان مواخاۃ کروائی تاکہ ساری دنیا پر واضح ہوجائے کہ حقیقت ایمان نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا اور ان کے درمیان بھائی بھائی کی طرح سچی محبت اور یگانگت پیدا کردی ہے۔ مواخاۃ کے سبب اہل ایمان انصار و مہاجرین میں ایسا مضبوط اور مستحکم رشتہ و تعلق قائم ہوا جس کی دوسری نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مواخاۃ کے باعث

مومنین انصار ومہاجرین نے ایک دوسرے کواس قدر ٹوٹ کر چاہااور آپس میں ایسالحاظ و پاس کیا، باہمی ایثار و قربانی، محبت ووابستگی کے ایسے مظاہرے ہوئے کہ اقوام عالم انگشت بدنداں رہ گئے۔

انصار اپنے مہاجر بھائی پر اپنے مال اور جائیداد اور عزیز ترین چیزوں کو نچھاور کرتے ہوئے بے پناہ مسرت و افتخار محسوس کرتے جب کہ اخلاص و وفا کے پیکر انصاری بھائیوں کی قربانیوں، ایثار اور محبت کو مہاجرین بہ نظر استحسان دیکھا کرتے انھیں دعائیں دیتے لیکن مہاجرین کی ایمانی حرارت، عزت نفس، شرافت اور خودداری انھیں اپنے دینی بھائیوں پر بوجھ بننے سے روکتی۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اخوت اسلامی کا یہ فیضان آج تک مسلمانان عالم کے درمیان کسی نہ کسی صورت میں باقی و برقرار ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

رشتہ ایمان نے اہل ایمان کوطلوع اسلام کے پہلے دن سے آپس میں جوڑ رکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک مومن، مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کوتقویت پہنچاتا ہے۔ پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہی تھے کہ ایک شخص کچھ مانگنے کے لئے آیا کسی ضرورت کے لئے تو آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ۔ ''سفارش کرو تو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ)[۳]

مسلمانوں کے درمیان باہمی ارتباط وحقوق کو واضح طور پر سمجھانے والے اس ارشاد مبارکہ اور اس میں دی گئی مثال سے یہ تاکید وہدایت بھی ملتی ہے کہ ایک مومن کو لازم ہے کہ وہ دوسرے مومن کا معین و مددگار بنے۔ ارشاد مبارکہ کے آخری حصہ میں عظمت ورفعت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت روز روشن

کی طرح نمایاں فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے محبوب ہیں کہ قادر مطلق رب العالمین اپنے حبیب کی زبان سے جو چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے۔اور یہ بھی ایک تابناک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سے کچھ نہیں فرماتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بہ صورت وحی نازل نہ ہو جائے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۲۷، حدیث نمبر ۶۰۱۱ (۲) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۷، حدیث نمبر ۶۵۸۹

(۳) بخاری، کتاب الادب، باب ۳۶، حدیث نمبر ۶۰۲۶، ۶۰۲۷

مومن پر مومن کے چھ حق ہیں

قال رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلم

للمؤمن على المؤمن ست خصال يعوده اذا مرض ويشهده اذامات ويجيبه اذا دعاه و يسلم عليه اذا لقيه ويشمته اذا عطس وينصح له اذا غاب او شهد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ’’مؤمن کے مؤمن پر چھ حق ہیں ۔(۱) جب وہ بیمار ہوتو مزاج پرسی کرے اور (۲) جب مر جائے تو جنازہ پر حاضر ہو (۳) جب دعوت دے تو قبول کرے (۴) جب اس سے ملے تو اسے سلام کرے (۵) جب چھینکے تو جواب دے اور (۶) اس کی خیرخواہی کرے (خواہ) جب وہ غائب ہو یا حاضر۔‘‘ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[۱]

اس ارشاد مبارکہ میں ان بنیادی امور کے متعلق صراحت فرمائی گئی ہے جن کا تعلق مؤمنین کے آپسی حقوق سے ہے اور جس سے دینی معاشرہ کی پہچان ہے اور جو اسلامی اقدار کے مؤثر پہلوؤں کے آئینہ دار ہیں ان میں پہلا حق جو ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر ہے وہ یہ کہ اگر بیمار ہوتو اس کی مزاج پرسی کرے۔ اس کی بڑی فضیلت اور اجر عظیم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے

وقت عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جو شام کے وقت عیادت کرتا ہے اس کے لئے ستر ہزار فرشتے صبح تک دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہے۔'' (بہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ)[۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے اچھا وضو کیا اور محض ثواب حاصل کرنے کی غرض سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اس کو ساٹھ خریف (برس) کی مسافت کے فاصلے پر دوزخ سے دور کر دیا جاتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت انسؓ)[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بہترین عیادت یہ ہے کہ مزاج پرسی کے بعد فوراً اٹھ جائے۔'' (بہ روایت حضرت سعید بؓ)[۴]

دوسرا حق یہ ہے کہ جب کوئی مؤمن بھائی مر جائے تو جنازہ پر حاضر ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جنازہ کے لئے جانے میں جلدی کرو اس لئے کہ اگر وہ نیک آدمی کا جنازہ ہے تو اسے خیر کی (منزل) کی طرف جلد پہنچانا چاہئے اور اگر بدکار کا جنازہ ہے تو برے کو اپنی گردنوں سے جلد اتار دینا چاہئے۔'' (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۵]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص ایمان کا تقاضہ سمجھ کر اور حصول ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ساتھ چلے یہاں تک کہ اس کی نماز پڑھے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ دو قیراط ثواب لے کر واپس لوٹتا ہے، جس میں ہر قیراط احد (پہاڑ) کے برابر ہے اور جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آجائے اور دفن میں شریک نہ ہو تو وہ ایک قیراط کا ثواب لے کر واپس ہوتا ہے۔

(بروایت حضرت ابوہریرہؓ)[۶]

حق مؤمن میں تیسرا حق دعوت کا قبول کرنا ہے۔اور جب مؤمن اپنے مؤمن بھائی کی دعوت قبول کر لے اوراس کا مہمان بن جائے تو دعوت دینے والے میز بان پر اپنے مہمان کا احترام واکرام ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ (بے وجہ شرعی) دعوت قبول نہ کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کی اور جو بغیر دعوت کے پہنچ جائے تو وہ چور کی طرح گیا اور ڈاکو بن کر نکلا''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)[۷]

مؤمن پر مؤمن کا چوتھا حق ''سلام'' ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''.....میں تم کو وہ چیز نہ بتلا دوں جب تم اس کو کرو تو آپس میں محبت ہو جائے ،سلام کو آپس میں رائج کرو''۔[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ ''اے بیٹے! جب تو گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کر کیوں کہ تیرا سلام تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت کا سبب ہے''۔[۹]

پانچواں حق چھینک کا جواب دینا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کسی کو چھینک آئے تو ''**الحمدلله**'' کہے اور اس کا بھائی یا ساتھ والا'' **یرحمک الله**'' کہے جب ''**یرحمک الله**'' کہہ لے تو چھینکنے والا اس کے جواب میں کہے ''**یھدیکم الله ویصلح بالکم**''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۱۰]

چھٹا حق مؤمن کا مؤمن پر یہ ہے کہ اس کی خیر خواہی کرے خواہ وہ موجود ہو یا غیر حاضر ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے نہ اسے رسواء کرے اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے گا اللہ اس کی حاجت میں رہے گا اور جو مسلمان

سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف دور کرے گا اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ)[11]

---

(۱) ترمذی، کتاب الادب، باب ۳۵/۱، حدیث نمبر ۲۷۳۷ (۲،۳) ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب ۳، حدیث نمبر ۳۰۹۶، ۳۰۹۵ (۴) بیہقی (۵) بخاری، کتاب الجنائز، باب ۵۱، حدیث نمبر ۱۳۱۵ (۶) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳۵، حدیث نمبر ۴۷ (۷) ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۳۷۳۷ (۸) مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۲، حدیث نمبر ۱۹۴ (۹) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۱۰، حدیث نمبر ۲۶۹۸ (۱۰) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۲۶، حدیث نمبر ۶۲۲۴ (۱۱) بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب ۳، حدیث نمبر ۲۴۴۲

تحفظ مسلم

قال رسول الله صلى الله علیه و آله وسلم

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں“۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”(پکا) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں“۔ حدیث شریف میں آگے ارشاد ہے کہ ”(پورا) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے“۔ [۲]

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کونسا مسلمان بہتر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ”کہ وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں“۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) [۳]

بخاری و مسلم دونوں میں اسلامی خصائل میں سب سے واضح اور افضل پہلو یعنی مسلمان کی زبان سے دوسرے مسلمانوں کا محفوظ رہنا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمان کا بچے رہنا ایک پکّے مسلمان کی حقیقی

شناخت سے متعلق اس ارشاد مبارکہ کو بطور خاص کتاب الایمان کے تحت رکھا گیا ہے۔ یہ حقیقت کہ مسلمان کی زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے یا ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ ہو خصلت ایمانی اور اخوت اسلامی کا تقاضہ ہے۔ کذب، طعنہ زنی، بہتان، الزام تراشی، درشت گوئی، دشنام طرازی، غیبت، چغلی، برائی، مضحکہ، آوازے کسنا، غلط باتیں منسوب کرنا، بے ہودہ گفتگو کرنا یا مذاق دگی کا تکلیف دہ انداز یقیناً باعث تکلیف و رنج ہوا کرتے ہیں۔ یہ کسی طرح خصائل حسنہ کے زمرہ میں شامل نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس ارشاد پاک میں اس ایذا رساں روّیہ سے روکا جا رہا ہے۔ بالخصوص ایک مسلمان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اپنی زبان سے اپنے بھائی کی تذلیل کرے اور اس کا دل دکھائے اسی طرح مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان کو تکلیف یا نقصان نہ پہنچے۔ اس میں وسعت مفہوم کے لحاظ سے زدوکوب بھی ہے اور ہاتھ کے ذریعہ ممکنہ طریقوں سے امکانی اذیت رسانی سے روکنے کے لئے حکیمانہ ہدایت ملتی ہے۔ یعنی تکلیف دہ اشارے، قلم، ہاتھ کا ہتھیار، مال و دولت، دھوکہ دہی، مار پیٹ وغیرہ جملہ ہاتھ سے متعلق امور شامل ہیں۔ یہ مسلمانوں کے درمیان آپسی حقوق کے متعلق ایک اصول ہے اس ارشاد مبارک کی جامعیت اعلیٰ اخلاقی نظام کا احاطہ کرتی ہے۔ بلا شبہ یہ ایمان کے فیضان کا ثبوت ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے لسانی اور جسمانی شر اور ایذا رسانی سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس مرحمانہ فرمان سے اخوت اسلامی کے اساسی مزاج کی وضاحت ہو جاتی ہے۔[۴]

بخاری کی روایت میں مہاجر کے متعلق یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ وہ اس وقت حقیقی معنوں میں ہجرت کا مفہوم پورا کرے گا جب ان تمام چیزوں کو ترک کر دے جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے۔ ہجرت کے ایک معنی قطع تعلق کے بھی نکلتے ہیں۔ یہاں مہاجر بمعنیٰ قطع تعلق کرنے والے کے ہیں۔ اپنی پسند، خواہش، مزاج، اور ذاتی چاہت سے قطع تعلق کر کے پوری طرح اپنے مولیٰ کی مرضی، منشاء،

ارادہ، حکم اور ارشاد کو اپنا لینے اور جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان کی بجا آوری اور جن امور سے منع کیا ہے انہیں پوری طرح چھوڑ دینے کی بنیاد پر ہی ''مہاجر'' کہلانا بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ بود و باش اختیار کرنے والے اصطلاح شریعت میں مہاجر ہیں لیکن اس ارشاد میں کمال مہاجرت کی طرف اشارہ ہے کہ ترک وطن کے ساتھ تمام ممنوعات سے اجتناب کامل مہاجر بناتا ہے۔ ایذا رسانی اور ممنوعات کو چھوڑ دینے والی ہجرت قیامت تک باقی رہے گی۔ [۵]

بخاری و مسلم دونوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت سے بیان کردہ یہ حدیث شریف اور طریقوں سے بھی آئی ہے۔ بخاری شریف میں خصائل اسلام کی فضیلت کے باب میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ [۶] سے اور مسلم میں حضرت جابرؓ سے بھی منقول ہے۔ [۷]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۴ حدیث نمبر ۱۰ (۲) ایضاً (۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۶۱ (۴) شرح نووی (۵) ذو المراءت (۶) بخاری، کتاب الایمان، باب ۵ حدیث نمبر ۱۱ (۷) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۴، حدیث نمبر ۱۶۲

جو اپنے لئے وہی اپنے بھائی کے لئے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)[1]

مسلم میں اس حدیث شریف میں ''یا ہمسایہ کے لئے'' الفاظ بھی آئے ہیں۔[2]

اس ارشاد مبارکہ میں مومن کامل کے اوصاف جمیلہ کے ایک اہم پہلو سے متعلق وضاحت فرمائی گئی ہے کہ توحید و رسالت اور فرائض و واجبات کے ساتھ مومن اخلاق حسنہ کا ایسا مرقع ہوتا ہے کہ اس سے دوسروں کو فقط نفع یا راحت ہی پہنچتی ہے۔ یہ بات اس کے شایان شان ہوتی ہے کہ وہ جس طرح اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں کے لئے نیکی و بھلائی چاہتا ہے اس خوبی کے سبب وہ اپنے ایمان و یقین کی اعلیٰ منزلت پر فائز ہوتے ہوئے اپنے نفس کی طرح دوسروں کی بھلائی کا چاہنے والا اور اپنی طرح اپنے بھائی یا ہمسایہ کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ مومن اپنے لئے زندگی کی ہر اچھائی، خوبی، بھلائی، فائدہ، عزت، نیک نامی، خوشحالی، راحت، آسائش، خوشی و مسرّت، صالحیت، تقویٰ و پرہیزگاری، فکر و عمل کی پاکیزگی، رضائے حق و

خوشنودی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جس طور پر طالب رہتا ہے اسی طرح اس پر لازم ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے ان تمام باتوں کو پسند کرے۔ انھیں ان تمام اچھائیوں، بھلائیوں افکار و اعمال کی درستگی کی نصیحت کرے اور انھیں بھی اپنی طرح راہ راست پر لانے کی مخلصانہ سعی و کاوش کرے یہی خیر خواہانہ طرز درحقیقت مومن کامل کی پہچان اور اخوت اسلامی کا تقاضہ ہے۔

حدیث شریف میں شرط خیر خواہی کو وصف مومن قرار دے کر ان حقوق کی طرف واضح رہنمائی فرمائی گئی ہے جو مومنین کے درمیان ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں۔ ایک اہم پہلو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی اپنے اوپر ظلم و زیادتی گوارا نہیں کرتا اسی طرح وہ دوسروں کو بھی ظلم و تشدد سے محفوظ رکھے جیسا کہ کتاب الایمان کی دیگر احادیث میں اس بارے میں ارشادات ملتے ہیں۔ اچھی اور خیر کی باتوں پر اپنے نفس کی طرح اپنے بھائی کو متوجہ کرنا اور حق و راستی کی ترغیب دینا بھی اس وصف کا خاصہ ہے۔ جہاں تک ہمسایہ اور پڑوسیوں کا تذکرہ ہے مندرجہ بالا تمام امور یکساں طور پر ان پر بھی منطبق ہوتے ہیں۔ ایک صالح اور باعمل معاشرہ جو پوری انسانیت کے لئے مفید، راحت رساں، اور نمونہ عمل بنتا ہے اس کے بنیادی خصائص میں یہ حکم اور اس کی اتباع شامل ہے۔ دوسرا اہم پہلو یہ نکلتا ہے کہ انسانی اخوت کے رشتہ کے ماتحت وہ ہمسایہ جو ایمان و اسلام جیسی نعمتوں سے دور ہیں اہل ایمان پر یہ ذمہ داری ہے کہ انھیں اچھے اور موثر ڈھنگ سے اس کی دعوت دیں۔ یہ خیر خواہی کا سب سے مخلصانہ اقدام ہے کہ لوگوں کو انوار اسلام سے مالا مال کرنے کے لئے ممکنہ کوششیں کی جائیں کیوں کہ نیکی، بھلائی اور حسن سلوک کی یہ سب سے اعلیٰ ترین صورت ہے کہ جس طرح دنیا و آخرت کی راحت و نجات اپنے لئے پسند کی جاتی ہے۔ رشتہ انسانیت اور برادرانہ تعلق کی اساس پر ایسا ہی دوسرے ہمسایوں کے لئے پسند کی جائے۔ شرح نووی میں لکھا ہے کہ ” (یہاں) مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی

عبادات اور نیکیاں اپنی طرح چاہے۔ بھائی کے لئے بھی نعمتوں کا حاصل ہونا اچھا جانے اگر خود کا کوئی نقصان نہ ہو اور یہ امر بہت آسان ہے قلب سلیم پر، اور دشوار ہے میلے دل والے کینہ پرور پر اور حاسد کے لئے''۔

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۷، حدیث نمبر ۱۳ (۲) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۷، حدیث نمبر ۱۷۰

درازعمر صالح اعمال خوب ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

ان الله یحب العبد التقی الغنی الخفی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گار، مستغنی اور پوشیدہ بندے کو پسند فرماتا ہے۔ (بہ روایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)[1]

جس کسی میں یہ تین صفتیں ہوں وہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں ہوجاتا ہے گناہوں اور ممنوعات سے بچنے والا اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار اور خوب اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات اور سنتوں پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والا متقی، لوگوں سے بے پرواہ کہ اطاعت الٰہی و اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسندیدہ راستہ پر گامزن رہنے کے سبب لوگ اسے کیا کہتے ہیں اس بات سے بے نیاز اور اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے والا دنیا یا دنیا والوں سے کسی طرح کی غرض و مطلب نہ رکھنے والا صرف رحمت حق تعالیٰ پر نظر رکھنے والا دوسروں کے دروازوں پر جانے سے بچنے والا غنی و نیز شہرت سے دور بندہ جو لوگوں سے الگ تھلگ خلوت پسند ہر نیکی کو چھپ کر کرنے والا کہ اسی میں عافیت اور یکسوئی ہے خفی کہلاتا ہے۔

تقوٰی، استغناء اور پوشیدگی یا خلوت پسندی جب کسی میں جمع ہوجائیں تو اس کا مقبول رب ہوجانا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ علماء کرام کا یہ فرمانا ہے کہ عابد و زاہد متقی و پرہیزگاروں کے لئے خلوت اچھی چیز ہے اور اہل علم، مصلحین اور عامتہ المسلمین کی خدمت میں مصروف لوگوں کے لئے جلوت بہتر ہے۔ آدمی کی بہتری عمر کی زیادتی اور نیک اعمال کی کثرت کے ساتھ ہے اسی طرح اس کی خرابی طوالت عمر کے باوجود گناہ و معصیت کے باعث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کون آدمی اچھا ہے؟۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کی عمر بھی لمبی ہو اور اس کے عمل بھی اچھے ہوں''۔ عرض کیا کون آدمی برا ہے؟۔ حضورؐ نے فرمایا ''جس کی عمر دراز ہو اور اس کے اعمال برے ہوں۔'' [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابو کبشہ الانماریؓ نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''تین باتیں جس پر میں قسم فرماتا ہوں وہ یہ ہیں کہ کسی بندے کا مال صدقہ سے نہیں گھٹتا اور کوئی ظلم نہیں کیا جاتا جس پر وہ صبر کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور کوئی بندہ مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اس پر اللہ تعالیٰ فقیری کے دروازے کھول دیتا ہے اور جس چیز کی میں تمہیں خبر دیتا ہوں اسے تم یاد رکھو۔ فرمایا کہ ''دنیا چار شخصوں کے لئے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ مال اور علم دونوں دے تو وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ کے لئے ان کے حق کے مطابق عمل کرتا ہے تو یہ بہترین درجوں میں ہے اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا مال نہ دیا لیکن وہ ہے سچی نیت والا کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کے لئے کام کرتا اس دونوں کا ثواب برابر ہے اور ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ مال دے اور علم نہ دے تو وہ اپنے مال میں بغیر علم خلط ملط ہی کرتا ہے اس میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا اپنے رشتہ داروں سے سلوک نہیں

کرتا اور نہ اس میں حق کے عمل کرتا ہے تو یہ خبیث ترین درجہ والا ہے۔ اور ایک بندہ وہ جسے اللہ مال نہ دے نہ علم تو وہ یہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس میں فلاں کام کرتا تو وہ اپنی نیت پر ہے اور ان دونوں کا گناہ برابر ہے۔'' [3]

اس ارشاد سے حسب ذیل فائدے ظاہر ہوتے ہیں۔ (۱) خیرات سے مال بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔ (۲) صبر سے یہاں اخلاقی صبر مراد ہے (۳) پیشہ ور بھکاریوں کے پاس مال جمع نہیں ہوتا اگر ہو بھی وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ علم سے مراد علم دین ہے۔ (۴) قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی تمام صدقات و امور خیر میں اعلیٰ و افضل ہے۔ (۵) جمع خرچ شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے (۶) نیکی کی تمنا بھی نیکی ہے۔ (۷) ناموری کے لئے خرچ بے فائدہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس سے کام لیتا ہے'' عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیسے کام لیتا ہے۔ فرمایا ''اسے موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ) [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مالداری میں ہرج نہیں اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے اور متقی کے لئے تندرستی امیری سے بہتر ہے اور دل کی خوشی نعمتوں میں سے ہے''۔ [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک اس مومن سے افضل کوئی نہیں جسے اسلام میں زیادہ عمر دی جائے اس کی تکبیر اس کی تسبیح اس کے کلمہ کی وجہ سے۔''

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن شدادؓ) [6]

زیادہ عمر اللہ کی نعمت ہے کہ اس میں ذکر اللہ عبادت اور اطاعت حق کا زیادہ موقع ملتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اگر کوئی بندہ اپنی پیدائش کے دن سے اپنے چہرے کے بل گر جاوے حتیٰ کہ اللہ کی اطاعت میں بوڑھا ہوکر مر جاوے تو اس دن اس عبادت کو حقیر سمجھے گا اور تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹا جاوے تا کہ اجر وثواب اور زیادہ کرے‘‘۔ ؎

عبادت کو حقیر سمجھنے کا مطلب ہے کہ یہ ہی کہے گا کہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں کچھ اور موقعہ ملتا تو مزید عبادت وریاضت، اطاعت حق تعالیٰ اور فرمانبرداری کر لیتا۔

---

(۱) مسلم، کتاب الزھد والرقائق، حدیث نمبر ۴۳۲۷ (۲) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۲۲، حدیث نمبر ۲۳۳۰ (۳) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۳۲۵ (۴) ترمذی، کتاب القدر، باب ۸، حدیث نمبر ۲۱۴۲ (۵) ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ۱، حدیث نمبر ۲۱۴۱ (۶) مشکوٰۃ (۷) مرات

منافق کی پہچان

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا، و من کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا: اذا اؤ تمن خان، و اذا حدث کذب، و اذ عاھد غدر، و اذا خاصم فجر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''چار باتیں جس میں ہوں گی خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک بات ہو اس میں ایک بات نفاق کی ہے تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (وہ چار باتیں یہ ہیں) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب لڑے تو بیہودہ گوئی کرے''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)[1]

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک اور حدیث شریف میں منافق کی اول الذکر تین خصلتوں کا ذکر ہے۔[2] مسلم شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت بیان ہوئی ہے جس میں چار خصلتوں کا تذکرہ ہے۔[3]
شرح نووی صحیح مسلم میں لکھا ہے مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں وہ ان خصائل میں اور اخلاق میں منافقوں کے مشابہ ہے کیوں کہ نفاق یہی ہے کہ ظاہر، باطن کے خلاف ہو اور جس میں یہ خصلتیں

ہوں گی اس کا ظاہر باطن کے خلاف ہوگا اور نفاق ان ہی لوگوں کے حق میں اثر کرے گا جن سے وہ وعدہ کرے گا یا گفتگو کرے گا یا جھگڑے گا یا امانت لے گا اور اسلام کے حق میں یہ نفاق اثر نہ کرے گا۔ کیوں کہ اسلام میں اس کا ظاہر باطن کے خلاف میں نہیں ہے اور حدیث شریف کا یہ مقصود نہیں ہے کہ ان خصلتوں کا رکھنے والا ایسا منافق ہے جو کافر ہوتا ہے جس کی سزاء ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور یہ جو فرمایا کہ وہ خالص یا نرا منافق ہوگا اس سے غرض یہ ہے کہ ان خصلتوں کے سبب سے منافق کے بہت مشابہ ہوگا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے باب میں ہے جس سے ایسی خصلتیں عموماً وقوع میں آتی ہوں، لیکن جس سے شاذ و نادر یہ باتیں ہوجائیں وہ اس میں داخل نہیں ہے اور حدیث کے معنی میں یہی مختار ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ نے علماء سے اس کے یہ معنی نقل کئے ہیں کہ حدیث سے مراد عمل کا نفاق ہے نہ (کہ) اعتقاد کا نفاق۔ ایک اور جماعت کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے وہ منافق مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور انہوں نے جھوٹ موٹ اپنا ایمان ظاہر کیا تھا اور دین کی امانت میں خیانت کی تھی اور دین کی مدد کا وعدہ کیا تھا پھر وعدہ کے خلاف کیا اور لڑائی جھگڑے میں ناحق کی پیروی کی اور یہی سعید بن جبیرؓ اور عطاء بن ابی رباحؒ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے بھی اسی طرف رجوع کیا حالاں کہ وہ پہلے اس کے خلاف تھے۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ ہمارے بہت سے امام اسی قول کی طرف ہیں اور خطابیؒ نے ایک اور قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ مقصود اس حدیث سے ڈرانا ہے کہ مسلمان ان خصلتوں کے عادی نہ ہوجائیں ورنہ خوف ہے حقیقتاً منافقت کا ہے۔ خطابی نے حکایت کی کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے ایک خاص منافق کے باب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ آپ ''فلاں منافق ہے'' نہیں فرمایا کرتے بلکہ اشارہ کرتے جیسے آپ نے فرمایا ''کیا حال ہے لوگوں کا ایسا کرتے ہیں''۔

تحفۃ الاخیار میں ہے کہ منافق کی دو قسمیں ہیں۔ایک یہ کہ دل میں کفر ہو صرف زبان سے اقرار کرے۔عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو منافق تھے وہ اسی طرح کے تھے دوسرے یہ کہ دل میں کفر نہیں بلکہ اسلام ہے لیکن سست اعتقاد اور فسق و فجور میں گرفتار سو اس حدیث میں دوسری قسم کا نفاق مراد ہے۔[۴]

ان چار خصلتوں سے بچنا ہی سعادت ہے۔اس کے لئے جذبہ اخلاص کے ساتھ ان خصائل حمیدہ کو اپنانا ہوگا جن کی برکت سے نفاق کی کوئی خصلت پنپ نہ سکے۔یعنی آپس کے لین دین میں امانت داری کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔کاروبار میں راست باز رہے اگر کسی کا کچھ دینا ہو تو وہ برابر دیدے۔اگر کوئی چیز اس کے پاس رکھائی جائے تو اس کی حفاظت کرے اور جب واپس کرنی ہو تو جوں کا توں واپس کردے۔جب گفتگو کرے تو ہمیشہ سچ بولا کرے۔صداقت کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالے۔بے تحقیق بات نہ کرے۔اگر کسی سے کسی بات کا وعدہ ہو تو اس کو پورا کرے قول و قرار اور عہد کی پابندی کرے وعدہ کر کے دغا نہ دے۔یونہی اگر کسی سے اختلاف رائے یا کسی بات پر تلخی ہو تو اپنی زبان کو بے ہودہ گوئی، فحش کلامی، گالی گلوج، الزام تراشی اور غلط باتوں سے روکے احسن طریقہ سے نرمی و ملائمت صبر و ضبط کے ساتھ معاملہ کو سلجھائے، امانت داری، سچائی، وعدہ کا پورا کرنا اور خوش کلامی ایک مومن کے شایان شان ہیں۔یہ تمام خصائل فضائل اخلاق اور اسلام کی اہم نشانیاں ہیں۔

(۱،۲) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۴، حدیث نمبر ۳۴،۳۳ (۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۵، حدیث نمبر ۲۱۰ (۴) ترجمہ وحیدی

ایک نیکی دس درجہ زیادہ لکھی جاے گی

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

اذا احسن احدکم اسلامه‘ فکل حسنة یعملها تکتب له‘ بعشر

امثالها الیٰ سبعمائة ضعف و کل سیّئة یعملها تکتب له بمثلها

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی اپنا اسلام ٹھیک کرے تو جو نیکی بھی کرے گا وہ دس درجہ (زیادہ) لکھی جاوے گی سات سو درجہ (زیادہ) تک اور ہر برائی جو کر بیٹھے گا وہ ایک گناہ ہی لکھی جاوے گی“۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

”اسلام ٹھیک کرے“ یعنی اس طرح کہ تمام عقائد اسلامیہ کا دل سے اعتقاد رکھے زبان سے اقرار کرے۔ جو ایسا سچا مسلمان ہو تو پھر اس کی ایک نیکی کا اجر و ثواب دس گنا سے سات سو گنا زیادہ عطا ہوگا اور اگر خدانخواستہ وہ کوئی برائی کر گزرے تو پھر اس کا ایک ہی گناہ شمار ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ ”یارسول اللہؐ! ایمان کیا ہے؟“۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب تمہیں اپنی نیکی خوش کرے اور برائی غمگین کرے تو تم کامل مومن ہو“۔ اس نے پھر عرض کیا ”یارسول اللہ! گناہ کیا ہے؟“۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا

کہ ''جو چیز تمہارے دل میں چبھے اسے چھوڑ دو''۔ (بروایت حضرت ابوامامہؓ)[2]

اس ارشاد مبارکہ کی تشریح کے ضمن میں علماء کرام نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ غافل، عاقل اور کامل۔ غافل گناہوں پر خوش ہوتا ہے اور نیکی پر مغموم۔ ان غافلوں میں کفار اور فاسقین ہیں اور عاقل وہ ہے جو نیکی کو اچھا سمجھے اور گناہ کو برا سمجھے لیکن عملاً لاپرواہ اور سست۔ لیکن کامل وہ ہے جس کے قلب کی کیفیت تبدیل ہوگئی ہو یعنی نیکی پر ایسا خوش اور مسرور ہو جیسے کہ بادشاہت مل گئی ہو اور گناہوں پر اتنا رنجیدہ خاطر اور غمگین ہو جیسے کہ سب کچھ تباہ و برباد ہوگیا ہو۔ یقیناً یہ بہت اعلیٰ درجہ ہے اسی لئے ایسے لوگ ہی کاملین میں سے ہیں۔ مومن کا قلب اچھائی برائی نیکی و گناہ میں فوراً فرق و امتیاز کر لیتا ہے نفس ایمانی گناہ برداشت نہیں کرتا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حضرت عمرو بن عبسہؓ حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا ''یارسول اللہؐ! اسلام میں آپ کے ساتھ کون کون ہیں؟''۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ایک آزاد ایک غلام (یعنی ہر قسم کے لوگ داخل ہیں)''۔ پھر انھوں نے عرض کیا ''اسلام کیا ہے؟''۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوا ''اچھی بات کرنا، کھانا کھلانا''۔ انھوں نے دریافت کیا ''ایمان کیا ہے؟''۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''صبر اور سخاوت''۔ انھوں نے پھر دریافت کیا ''کون مسلمان بہتر ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں''۔ انھوں نے دریافت کیا ''یارسول اللہؐ! کونسا ایمان افضل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اچھے عادات''۔ پھر دریافت کیا۔ ''نماز کونسی افضل ہے؟''۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''لمبا قیام''۔ انھوں نے دریافت کیا کہ ہجرت کونسی اچھی ہے؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''یہ کہ جو رب کو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو''۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ نے عرض کیا ''یا حبیب اللہؐ! کونسا

جہاد بہتر ہے؟''۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دئے جاویں اور اس کا خون بہا دیا جاوے''۔انھوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! گھڑی کونسی بہتر ہے؟''۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''آخری رات کا درمیانی حصہ''۔ [۴]

یہ تمام سوالات مسلمانوں کی خصلتوں اور کمال اسلام سے متعلق دریافت کیے گئے تھے۔آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کی خصوصی خصائل اور اسلامی اخلاق کی تعلیم فرمائی۔اچھی بات میں اشاعت حق وصداقت، تبلیغ دین مبین، لوگوں کو بھلائی کی ترغیب دینا اور برائیوں سے روکنا، نرمی کلامی، حق گوئی، ملائمت اور عمدہ گفتگو سب داخل ہیں ☆ مہمانوں کا اکرام اور تواضع، بھوکوں کو کھانا کھلانا، مسافروں، غریبوں اور ضرورت مندوں کی خدمت یا اہل وعیال کی کفالت وغیرہ اطعام طعام میں ہے ☆ صبر کی ان گنت قسمیں ہیں۔عبادت پر مداومت، گناہوں سے اجتناب مصائب کی برداشت، زیادتیوں کو سہنا، نامساعد حالات کا حوصلہ مندی سے سامنا وغیرہ ☆ ایثار، انفاق، عطا وبخشش وغیرہ زمرہ سخاوت میں ہیں ☆ اخلاق حسنہ بھی عطائے الٰہی ہے۔اس میں ہر خیر نیکی بھلائی عفو درگزر سب شامل ہیں ☆ طویل قیام افضل ہے ☆ ہجرت کی کئی قسمیں ہیں ☆ حرام اور مکروہات سے بچنا۔ممنوعات سے اجتناب۔جہل سے علم کی طرف، برائی سے نیکی کی طرف جانا بھی ہجرت کہلاتا ہے۔مکہ مکرمہ سے حبشہ کی جانب یا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف جانا ہجرت ہے۔کفر سے اسلام کی طرف آنا بھی اسی تعریف میں ہے ☆ جہاد میں جس قدر زیادہ مشقت ہو اتنا زیادہ اجر وثواب ملتا ہے ☆ آخری رات کے درمیانی حصہ میں رحمت الٰہی دنیا کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت معاذ بن جبلؓ نے کامل ایمان سے متعلق دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ ''تم اللہ کے لئے محبت وعداوت کرو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو''۔عرض کیا اور کیا

یارسول اللہؐ؟'' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو اوران کے لئے وہ ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو''۔[6]

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳۱، حدیث نمبر۴۲ (۲) مسند احمد، مشکوٰۃ (۳) بحوالہ مراءت ج۱ (۴) احمد (۵) بحوالہ مرات ج۱ (۶) مسند احمد

جب تک اظہار نہ ہو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

ان اللہ تجاوز لأ مّتی ماحدثت بہ انفسھا مالم یتکلموا اویعملوا بہ

''اللہ تعالی نے درگزر کی میری امت سے ان خیالوں پر (گناہ کے) جو دل میں آویں جب تک ان کو زبان سے نہ نکالیں یا ان پر عمل نہ کریں''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس حدیث شریف میں یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ جو خیالات دل میں آتے ہیں جب تک زبان اور عمل سے ان کا اظہار نہ ہو اللہ تعالی ان کو درگزر فرما دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ جل جلالہ نے فرمایا جب میرا بندہ برائی کا قصد کرے (دل میں) تو مت لکھو اس کو پھر اگر وہ برائی کرے تو ایک برائی لکھ لو اور جو نیکی کا قصد کرے لیکن کرے نہیں تو ایک نیکی اس کے لئے لکھ لو اور اگر کرے تو دس نیکیاں لکھو''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر نیکی کا قصد کر کے نیکی کرے تو اللہ تعالی اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیوں سے سات سو نیکیاں تحریر کرنے کا حکم دیتا ہے، جب کہ برائی کے قصد پر کچھ نہیں لکھا جاتا اور برائی کرنے پر ایک برائی لکھی جاتی ہے''۔[3]

شرح نووی میں لکھا ہے کہ بعض علماء سے منقول ہے کہ خیال دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جو دل میں آیا اور چلا گیا اس پر مواخذہ نہیں اور یہی خیال اس حدیث سے مقصود ہے اور ایک خیال وہ جو دل میں جم گیا اور مضبوط ہو گیا اور عقیدہ کے طور پر ہو گیا اس پر مواخذہ ہوگا اور وہ مقصود نہیں اس حدیث سے تو اس فرق کی کوئی دلیل نہیں نہ ایسی تاویل کی ضرورت ہے کیوں کہ حدیث عام ہے شامل ہے دونوں خیالوں کو اور اگر چہ خیال دل میں جم جائے پر آخر وہ خیال ہی رہے گا خارج میں اس کا وجود اعمال کی طرح نہ ہوگا پھر اس کا مواخذہ کس وجہ سے ہوگا تو اس تاویل اور تکلف کی کوئی وجہ نہیں اور کلام نبوی کے خاص کرنے کی کوئی علت نہیں اور کوئی ضرورت نہیں کہ اللہ پر وہ بات جوڑیں جو اس نے نہیں فرمائی اور بندوں پر گناہ لازم کریں اور ان پر مواخذہ رکھیں۔ اس امر سے جو شریعت کی رو سے معاف ہے اور بعض فرق کرنے والوں نے یہ کہا کہ جو خیال دل میں جم جائے اس پر عمل کیا گیا۔ اب وہ عمل کئے گئے میں داخل ہوگا جو مقصود ہے اس حدیث سے جب سچے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہم سے بیان کر دیا کہ اللہ جل جلالہ کسی خیال پر مواخذہ نہ کرے گا جب تک اس پر عمل نہ کرے تو قصد، عزم، اعتقاد اور نیت بالفرض خیال سے زیادہ ہیں جب بھی ان پر مواخذہ نہ ہوگا کیوں کہ یہ چیزیں عمل نہیں اور مواخذہ عمل ہی سے ہوتا ہے اس میں کوئی اہل لسان یا اہل شرع میں سے خلاف نہ کرے گا اور ان حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مواخذہ نہیں ہوتا مگر عمل سے اور بڑی دلیل وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ اگر قصد کرے ایک برائی کا پھر اس کو نہ کرے تو اللہ اس کے لئے ایک نیکی لکھے گا[۴] اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اگر برائی کو نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھو کیوں کہ....[۵] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر برائی کا قصد کرے اور اس پر عمل نہ کرے (تو یہ بجائے خود بھلی بات ہے) تو ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔ چہ جائے کہ قصد برائی کا مواخذہ ہو۔

بعض اہل کلام کا یہ کہنا کہ عزم پر مواخذہ وعتاب ہوگا یہ ان کا غلط گمان ہے اس پر کوئی دلیل عقلی ونقلی نہیں ہے عزم برائی کو اسے شیطانی وسوسہ کہا جائے گا۔ یہ اس وقت تک معاف ہے جب تک اس پر عمل یا تکلم نہ ہو۔ کیوں کہ عزم نہ عمل ہے نہ تکلم۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں جس خیال کو بیان نہ کرے وہ دل کا وسوسہ ہے جو معاف کیا گیا اور جس نے تاویل کی ہے اس میں وہ صواب پر نہیں۔ سابقہ امتوں پر حرج تھا کہ عزم بھی قابل مواخذہ تھا جب کہ اس امت کے لئے معاف ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال قلب پر مواخذہ ہوگا لیکن انھوں نے کہا ہے کہ یہ مواخذہ اس برائی پر نہ ہوگا جس کا قصد کیا تھا کیوں وہ برائی تو اس نے کی ہی نہیں بلکہ خود اس پر ہوگا اس لئے کہ یہ عزم خود ایک برائی ہے پھر اگر وہ اس برائی کو کرتا تو دوسرا گناہ اور لکھا جاتا اب اگر برائی کو چھوڑ دیا تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس میں برائی نہیں لکھی جاتی وہ وسوسہ ہے جو بے اختیار دل میں گذرتا ہے نہ اس کا عزم ہوتا ہے اور نہ نفس میں جمتا ہے اللہ کے خوف کے بجائے لوگوں سے شرم کر کے برائی کا چھوڑنا نیکی سے محرومی ہے برائی محض خوف الٰہی سے ترک کی جائے۔

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۵۸، حدیث نمبر ۳۳۱ (۲، ۳) مسلم، کتاب الایمان، باب ۵۹، حدیث نمبر ۳۳۴، ۳۳۵ (۴) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۳۱، حدیث نمبر ۶۴۹۱ (۵) بخاری، کتاب التوحید، باب ۳۵، حدیث نمبر ۷۵۰۱

یہ سراسر ایمان ہے

سئل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عن الوسوسة، قال " تلك محض الایمان "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے وسوسہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ تو نرا ایمان ہے"۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)[۱]

اس حدیث میں وسوسہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ صحابہ کرام میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا کہ ہمارے دلوں میں وہ وہ خیال گذرتے ہیں جن کا بیان کرنا ہم میں سے ہر ایک کو بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے (یعنی اس خیال کو کہہ نہیں سکتے کیوں کہ معاذ اللہ وہ خیال کفر یا فسق کا خیال ہے جس کا منہ سے نکالنا مشکل معلوم ہوتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا تم کو ایسے وسوسے ہوتے ہیں" لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا "یہ تو عین ایمان ہے"۔[۲]

یعنی جب تم اس وسوسے کو برا جانتے ہو اور ایسا برا کہ زبان سے اس کا نکالنا پسند نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان کامل ہے اور شیطان کا زور تم پر نہیں چلتا ورنہ اس وسوسہ کو دل میں جما دیتا اور رفتہ رفتہ زبان سے بھی اس کو نکالنے لگتے اور شیطان وسوسے اسی کے دل میں ڈالتا ہے جس کے گمراہ کرنے سے ناامید ہو جاتا ہے

اور کافر کے دل میں وسوسے ڈالنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو اس کے قابو میں ہے جس طرح چاہتا ہے اس سے کھیلتا ہے۔ تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ ''وسوسہ کا سبب ایمان ہے یا وسوسہ نشانی ہے خالص ایمان کی''۔ حضرت قاضی عیاضؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا ''ہمیشہ لوگ پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہے کوئی، اللہ نے تو سب کو پیدا کیا پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ پھر جو کوئی اس قسم کا شبہ دل میں پاوے تو کہے ایمان لایا میں اللہ پر''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۳]

دوسری روایت میں ہے ''پناہ مانگے اللہ سے اور باز رہے۔''[۴]

مطلب یہ ہے کہ اس وسواس اور شبہ کو دل سے نکال ڈالے اور اس کا خیال چھوڑ دے اور اللہ سے دعا کرے اس کے دور ہونے کے لئے۔

امام مازریؒ نے کہا کہ ظاہر حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ ایسے وسوسوں کو دور کر دیوے۔ ان کی طرف خیال چھوڑ کر اور اللہ سے پناہ مانگ کر۔ اور یہ ضروری نہیں کہ اس وسوسے کو غور و فکر اور دلیلوں سے باطل کرے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ خیالات دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو دل میں جمے نہیں یوں ہی یکا یک آ گئے ان کا علاج تو یہی ہے جو حدیث میں مذکور ہوا اور ایسے ہی خیال کو وسوسہ کہتے ہیں اور ایک وہ جو دل میں جم جاویں تو وہ فکر و نظر و استدلال سے دفع نہیں ہوتے۔ علامہ وحید الزماںؒ نے لکھا کہ جو علاج حدیث میں مذکور ہوا ہے وہی دونوں قسم کے وسوسوں کا علاج ہے اور اگر نظر اور استدلال میں پڑیں تو اور زیادہ وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں جن کا دور کرنا اخیر میں محال ہو جاتا ہے۔ کوئی دلیل کسی دعویٰ پر نقص یا معارضہ سے خالی نہیں ہوتی، الا ماشاء اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس آتا ہے پھر کہتا ہے کہ ''کس

نے آسمان پیدا کیا؟، کس نے زمین پیدا کی؟'' تو وہ کہتا ہے اللہ نے پیدا کی۔ پھر شیطان کہتا ہے ''اللہ کو کس نے پیدا کیا؟''۔ جب ایسا شبہ تم میں سے کسی کو ہو تو کہے ''میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا''۔

(بہ روایت حضرت ہشام بن عروہؒ)[5]

ایسا کہنے سے شیطان مایوس ہو کر چلا جائے گا کیوں کہ اس کے بہکانے سے کچھ نقصان نہیں ہوا۔ اگر یہ شبہ دل میں آئے تو اس کا ایک علاج اور ہے کہ اس مردود شیطان سے کہے خدا تو سب کا پیدا کرنے والا ہے اور خدا اسی کو کہتے ہیں جس کا پیدا کرنے والا کوئی نہ ہو۔ یہ پوچھنا خود نادانی و حماقت ہے۔ (شرح نووی)

وسوسوں پر عمل کرنا تو درکنار انہیں زبان پر لاتے ہوئے گھبرانا یقیناً صحابہ کا کمال ایمان تھا۔ وسوسوں کا آنا دلیل ایمان ہے۔ کیوں کہ چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے اور شیطان کو سب سے زیادہ فکر مومن کی رہتی ہے۔ اس حقیقت کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وسوسوں کو برا سمجھنا عین ایمان ہے کیوں کہ کافر تو انھیں اچھا سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔ شیطان کے ڈالے گئے وسوسوں اور سوالات کے متعلق یہ ہدایت ہے کہ اسے اَعُوذُ پڑھ کر بھگا دیا جائے کیوں کہ ہر سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔ رب نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے پر اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا ''فاخرج منها''، ''اعوذ باللہ'' دفع شیطان کے لئے اکسیر ہے۔ (ذوالمرات)

وسوسہ کے لغوی معنٰی نرم آواز ہیں اصطلاحاً برے خیالات اور فاسد فکر کو وسوسہ کہتے ہیں اور جب جب ایسے وسوسے آتے ہیں تو مومن کی یہ شان ہے کہ ان کو برا جانتا اور اللہ سے پناہ مانگتا ہے اور ان سے باز رہتا ہے۔

(۱۔۵) مسلم، کتاب الایمان، باب ۶۰، حدیث نمبر ۳۴۲، ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۴

اللہ جو سنانا دکھانا چاہے گا سنا دکھا دے گا

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آله و سلم

من سمع سمع الله به ومن یرائی یرائی الله به

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو سنانا چاہے گا اللہ اسے سنادے گا اور جو دکھانا چاہے گا اللہ اسے دکھادے گا''۔ (بہ روایت حضرت جندب رضی اللہ عنہ)[1]

یعنی جس نے شہرت کی خواہش سے کوئی کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت عطا کرے گا اور جس نے دکھاوے کی غرض سے کوئی کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی نمود کردے گا۔

اس ارشاد کی تشریح میں یوں بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص لوگوں کو اپنی نیکی سنانا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کی برائی یا اس کا عذاب لوگوں کو سنائے گا اور جو شخص دکھانے کے لئے عبادت کرے گا اللہ بھی اس کو دکھاوے گا یعنی قیامت کے دن اس کے عیب لوگوں کو دکھادے گا یا صرف ثواب دکھلا دے گا پر ملے گا کچھ نہیں تا کہ صرف حسرت ہی حسرت ہو☆ حق تعالیٰ کی عبادت میں ریا اور دکھاوا گناہ کبیرہ ہے☆ پارسا لوگوں کے لئے اس سے بڑی کوئی اور باطنی بیماری نہیں ہے کہ جب عبادت کریں تو چاہیں کہ ان کی عبادت سے لوگ مطلع ہوں تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کا اعتقاد و محبت بڑھے جب عبادت سے لوگوں کی اپنی طرف توجہ مطلوب ہو اور

لوگوں کو اپنا معتقد بنانا مقصود ہو تو اخلاص کہاں رہا۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی، اس کے حکم کے بموجب ہونی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن سب سے پہلے جو (لوگ، اللہ تعالیٰ کے حضور) بلائے جائیں گے (وہ تین اشخاص ہیں) ایک وہ شخص ہے جس نے قرآن کو جمع (حفظ) کیا اور (دوسرا) وہ شخص جو اللہ کی راہ میں مقتول ہوا اور (تیسرا) وہ شخص جو مالدار تھا تو اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے سے دریافت فرمائے گا کہ ''کیا میں نے تجھ کو وہ چیز نہیں سکھائی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی (یعنی قرآن مجید)''۔ وہ کہے گا ''ہاں، اے پروردگار''۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا ''پھر تو نے اس کو سیکھ کر کیا عمل کیا''۔ وہ کہے گا ''رات رات بھر اور دن دن بھر اس کو پڑھا کرتا تھا''۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ''تو جھوٹا ہے'' اور فرشتے بھی اس کو کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ تیرا مقصود (اس پڑھنے سے) یہ تھا کہ یہ کہا جائے (اور مشہور ہو) کہ فلاں (شخص) قرآن (بہت) پڑھتا ہے، چنانچہ ایسا ہی کہا گیا (اور تو قاری، حافظ مشہور ہو گیا)۔ پھر مالدار شخص پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ ''کیا میں نے تجھ کو اتنی وسعت (اور مقدرت) نہ دی کہ میں نے تجھ کو کسی کا محتاج نہ بنایا''۔ وہ کہے گا کہ ''ہاں، اے میرے پروردگار''۔ پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ ''تو نے میری دی ہوئی چیز میں کیا عمل کیا؟''۔ وہ کہے گا کہ ''میں رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا اور خیرات کرتا تھا''۔ اللہ عزوجل فرمائے گا کہ ''تو جھوٹا ہے'' اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ ''بلکہ تیرا ارادہ (اس خیرات وغیرہ سے) یہ تھا کہ یہ کہا جائے (اور مشہور ہو) کہ فلاں (شخص) بڑا سخی ہے، چنانچہ ایسا ہی کہا گیا (اور تو سخی مشہور ہو گیا)''۔ پھر وہ شخص پیش کیا جائے گا جو اللہ کی راہ میں مقتول ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ ''تو کس امر

میں قتل ہوا''۔ وہ کہے گا کہ ''(اے پروردگار!) تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تو میں نے جہاد کیا حتی کہ قتل ہوا ''تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ ''تو جھوٹا ہے''اور فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور اللہ جل جلالہ فرمائے گا''بلکہ نیت (اس جہاد سے) یہ تھی کہ یہ کہا جائے (اور مشہور ہو کہ) فلاں (شخص بڑا) بہادر ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا (اور تو بہادر مشہور ہو گیا)''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے ابو ہریرہ! یہ تین شخص وہ ہیں جو مخلوقات میں سب سے اول قیامت میں دوزخ میں جائیں گے''۔[3]

اس ارشاد مبارکہ سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ عبادات و اعمال ریا، دکھاوے، نمائش، نام و نمود یا شہرت کے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ کے لئے اور رضائے حق کے حصول کے لئے ہونے چاہئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''سات آدمی اس دن عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن سایہ عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا ....(۶) وہ شخص ہوگا جس نے داہنے ہاتھ سے صدقہ دیا ہو اور چاہا ہو کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اور (۷) وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں تر ہو جاے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[4]

ملائکہ نے کے سوال پر کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ قوی کیا چیز ہے تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ آدمی جو داہنے ہاتھ سے اس طرح صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو''۔[5]

حضرت امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے ہے (گویا جتا رہا ہو کہ) میں پارسا ہوں''تو فرمایا''اے ٹیڑھی گردن والے گردن سیدھی کر خشوع دل میں ہوتا ہے گردن میں نہیں۔[6]

حضرت ابو امامہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ سجدے میں پڑا ہوا مسجد میں رو رہا ہے۔ کہا کہ ''یہ جو تو مسجد

میں کرتا ہے اگر گھر میں کرتا تو کوئی تجھ سا نہ ہوتا''۔[7]

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ''ریا کار کی تین علامتیں ہیں۔ (۱) جب اکیلا ہو تو سست ہو (۲) جب لوگوں کو دیکھے تو خوشی میں آئے (۳) جب اس کی تعریف کریں تو عمل زیادہ کرے اور جب مذمت کریں تو عمل بہت کم کرے''۔[8]

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ بندہ جب ریا کرتا ہے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مجھ سے کیسی ٹھٹھول کرتا ہے۔[9]

---

(۱) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۳۶، حدیث نمبر ۶۴۹۹ (۲) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۴۸، حدیث نمبر ۲۳۸۲ (۴) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۱۶، حدیث نمبر ۱۴۲۳ (۵) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ۹۵/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۳۶۹ (۶، ۷، ۸، ۹) احیاء العلوم

دلوں اور اعمال کے احوال بھی پوشیدہ نہیں

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

ان الله لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تمہاری صرف صورتیں اور تمہارے مال ومتاع کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں تمہارے اعمال کو بھی دیکھتا ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت کے لئے اچھی صورتوں کے ساتھ اچھے دل یعنی صاف باطن اور نیک ارادوں والے مزکیٰ قلوب بھی ہونے چاہئیں۔ یہاں اہل اسلام کو یہ ہدایت ہے کہ صورت کے ساتھ سیرت اور اعمال بھی اچھے ہوں ظاہر کے ساتھ باطن بھی خوب ہو اور مال و دولت جو عطائے الٰہی ہے اس سے جہاں خود فائدہ اٹھاتے ہو وہیں ضرورتمندوں اور اہل حاجت کے لئے بھی اس میں سے صرف کیا کرو۔ بحیثیت مجموعی صدق و سخا کی تعلیم اور دکھاوے نمود و نمائش اور ریا سے بچنے کی ہدایت ہے۔ زبان اور دل کی موافقت اور قول وعمل میں ہم آہنگی لازمی ہے تاکہ نظر کرم والطاف الٰہیہ سے سرفراز ہوسکیں اور ریا کی اور دورخہ پن کی خرابیوں سے بچ سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم قیامت کے دن بہت برے لوگوں میں ان کو پاؤ گے جو دورخہ ہیں کہ یہاں آ کر ان کی سی کہتے ہیں اور وہاں جا کر ان کی سی کہتے ہیں''۔

(بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۲]

ایسے شخص کے اعمال کی حقیقت جس کے دل میں کچھ ہو اور زبان سے کچھ کہے سوائے ریا اور نمائش کے کچھ نہیں رہ جاتی۔ ان کا مقصد محض خودنمائی اور ذاتی مفادات کی حد تک محدود ہوتا ہے۔ خلوص اور للّٰہیت کا ان کے اعمال میں شائبہ تک نہیں رہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرے کہ علماء سے اس کے ساتھ مقابلہ اور فخر کرے اور سفہاء سے بحث اور مباحثہ کرے اور لوگوں کے قلوب اپنی طرف پھیرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا''۔ (بہ روایت حضرت کعب بن مالکؓ) [۳]

ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔ ریا اور دکھاوے کے اعمال کا بڑا وبال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ سے جب الحزن سے پناہ مانگو''۔ اصحاب نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! جب الحزن کیا چیز ہے؟'' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ '' جب الحزن دوزخ میں ایک وادی ہے جس سے دوزخ دن میں سو دفعہ پناہ مانگتی ہے''۔ عرض کیا گیا کہ ''یا رسول اللہؐ! اس میں کون لوگ جائیں گے؟'' تو حضورؐ نے فرمایا کہ ''قرآن پڑھنے والے جو ریا اور نمائش کی نیت سے اعمال کرتے ہیں''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آخری زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دین کے فریب سے دنیا حاصل کریں گے، دنبوں کی کھالیں لوگوں کو فریب دینے کی غرض سے پہنیں گے نرمی سے ان کی

زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم لوگ مجھ سے غرور کرتے ہو اور مجھ پر جراءت کرتے ہو لہذا میں اپنی قسم (ارشاد فرماتا ہوں) کہ ان پر ایسا فتنہ بھیجوں گا جس میں ان کا عقلمند بھی حیران رہ جائے گا۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''انسان کی شر کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا میں انگلیوں سے اشارہ کیا جاوے سواء اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[6]

اس ارشاد مبارکہ کی شارحین نے اس طرح تشریح کی ہے کہ دینی کمالات، علم، دولت، صحت، طاقت، وجاہت، عبادت، زہد، تقویٰ، ریاضت اور سخاوت وفیاضی وغیرہ میں مشہور ہونا اس لئے خطرناک اور فتنہ کی بات ہے کہ اس سے آدمی کے دل میں غرور وتکبر پیدا ہوجاتا ہے جبکہ غرور سے صرف مخلصین ہی اللہ کے کرم سے ہی محفوظ رہ سکتے ہیں، ورنہ جسے ان تمام باتوں کی شہرت کا خیال پیدا ہوجائے یا شہرت کو وہ دل سے پسند کرے تو اس کے لئے یہ چیز نہایت مضر اور فتنہ انگیز ثابت ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں سے گمنامی ہی بھلی۔ اللہ تعالیٰ جنہیں ان تمام اچھی باتوں کے باوجود اپنے فضل سے غرور وتکبر اور شہرت پر خوشی سے دور رکھتا ہے وہ گویا خوش نصیب اور سعادتوں سے مالا مال ہیں۔

---

(۱) مسلم، کتاب البر و الصلہ والآداب، باب ۱۰، حدیث نمبر ۶۵۴۳ (۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۵۲، حدیث نمبر ۶۰۵۸ (۳) ترمذی، کتاب العلم، باب ۶، حدیث نمبر ۲۶۵۴ (۴) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۴۸، حدیث نمبر ۲۳۸۳ (۵) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۵۹/۶۰، حدیث نمبر ۲۴۰۴ (۶) بیہقی شعب الایمان، مشکوٰۃ

مومن کی فوری بشارت

قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارایت الرجل یعمل العمل من الخیر، ویحمدہ الناس علیہ؟ قال رسول اللہ ﷺ تلک عاجل بشری المومن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اچھا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ''یہ مومن کی فوری بشارت ہے۔ (بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس کی نیت آخرت کمانا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی غنا اس کے دل میں ڈال دے گا اور اس کی متفرقات کو جمع کر دے گا اور اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آئے گی اور جس کی نیت دنیا طلبی ہو تو اللہ تعالیٰ فقیری اس کے آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور اس پر اس کے کام پراگندہ کر دے گا اور اس کے پاس آئے گی اتنی جتنی اس کے لئے لکھی گئی۔ (بروایت حضرت انسؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! آدمی عمل کرتا ہے اور چھپاتا ہے وہ اس عمل نیک کو پھر جب لوگوں کو اس پر اطلاع ہو جاتی ہے دوست رکھتا ہے اور اس کو یہ بات پسند آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کو دو ثواب ہیں۔ ایک ثواب نیکی کے چھپانے کا اور دوسرا اس کے ظاہر ہو جانے کا۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی عبادت کو جو وہ گھر کے گوشے میں کر رہے تھے اور اخلاص کے ساتھ تھا اپنے کرم سے ظاہر کر دیا ان کا اس بات پر خوش ہونا کہ آنے والے نے انہیں اچھے کام میں مشغول دیکھا یہ خوشی اللہ کا کرم بھی ہے اس کا شکر بھی ہے۔ غافل مال کی زیادتی پر خوش ہوتا ہے۔ اور مومن عاقل توفیق اعمال پر۔[۴]

بہر حال ریا اور اخلاص کا مدار نیت پر ہے۔

حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کی طرف گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے پاس حضرت معاذ بن جبلؓ کو بیٹھا ہوا پایا جو رو رہے تھے تو فرمایا کہ آپ کو کونسی چیز رلاتی ہے بولے مجھے وہ چیز رلاتی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ’’تھوڑی ریا کاری بھی شرک ہے اور جو اللہ کے ولی سے دشمنی کرے وہ اللہ کے سامنے جنگ کے لئے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے ان نیک پرہیز گاروں چھپے ہوؤں کو کہ جب وہ غائب ہو جاویں تو ڈھونڈے نہ جاویں اور اگر حاضر ہوں تو نہ بلائے جائیں نہ قریب کئے جاویں ان کے دل ہدایت کے چراغ ہوں ہر تاریک گرد آلود سے نکلیں۔‘‘[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جن چیزوں سے میں تم پر خوف کرتا ہوں ان سب میں خوف ناک چیز چھوٹا شرک ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ چھوٹا شرک کیا ہے فرمایا ’’ریا کاری‘‘

(بہ روایت حضرت محمود بن لبیدؓ)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اگر کوئی شخص پتھر کی چٹان میں بیٹھ کر عمل کرے جس کا کوئی روزن یا دروازہ نہ ہو تو بھی اس کا عمل لوگوں تک نکل آئے گا جو عمل بھی ہو۔‘‘

(بہ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ)[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس گھر کی جو سیرت ہوگی اچھی یا بری اللہ تعالیٰ اس کی علامت ظاہر فرمائے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ (بہ روایت حضرت عثمان بن عفانؓ) [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اس امت پر ہر اس منافق سے ڈرتا ہوں جو باتیں حکمت کی کرے گا اور عمل ظلم کے'' (بہ روایت حضرت عمر بن خطابؓ) [۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے حکمت والے کا ہر کلام قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کا ارادہ اس کی خواہش قبول کرتا ہوں تو اگر اس کا ارادہ اور اس کی خواہش میری فرمانبرداری میں ہو تو اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور وقار بنا دیتا ہوں اگرچہ کچھ نہ بولے۔''

(بہ روایت حضرت مہاجر بن حبیبؓ) [۱۰]

---

(۱) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۵۱، حدیث نمبر ۶۷۲۱ (۲) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۹۵/۳۰، حدیث نمبر ۲۴۶۵ (۳) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۴۹، حدیث نمبر ۲۳۸۴ (۴) مرقات واشعہ (۵) ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب ۱۶، حدیث نمبر ۳۹۸۹ (۶، ۷) احمد (۸، ۹) بیہقی (۱۰) دارمی

ماں کی خدمت

جاء رجل الی رسول الله ﷺ فقال:یا رسول الله، من احق الناس بحسن صحابتی؟

قال ا مك قال: ثم من؟ قال ا مك قال ثم من ؟ قال: ا مك قال ثم من ؟ قال ثم ابو ك

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول الله ! من احق بحسن صحابتی ؟ " یعنی یارسول اللہؐ میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "امك" یعنی تیری ماں۔سائل نے عرض کیا "ثم من؟" پھر کون، حضور اقدس نے فرمایا "امك" یعنی تیری ماں۔پھر کون؟ فرمایا "امك" یعنی تیری ماں۔سائل نے پھر دریافت کیا پھر کون؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا "ثم ابوك" یعنی پھر تیرا باپ ۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) [1]

مسلم میں بھی یہ ارشاد مبارک ان ہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن سلوک کے ضمن میں ماں کو مقدم کیا ہے۔اس لئے کہ ماں بچہ کے ساتھ بہت محنت کرتی ہے۔نو ماہ حمل کا بار اٹھانا، وضع حمل کے مراحل، پھر پیدائش، رضاعت کا زمانہ اور نشوونما کے ایام میں نگہداشت، دکھ بیماری میں دیکھ بھال وغیرہ کے باعث ماں کا زیادہ استحقاق ہوتا ہے۔ حارث محاسبیؒ نے کہا کہ علماء کا اجماع ہے کہ حسن سلوک کے ضمن میں باپ پر ماں مقدم ہے۔بعض علماء نے کہا

ہے کہ دونوں برابر ہیں اور صواب ماں کی تقدیم ہے۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا ''کون زیادہ حق دار ہے نیک سلوک کرنے کا؟'' تو حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ماں، پھر ماں پھر ماں پھر باپ پھر جو قریب ہو قریب ہو''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۴]

اس ارشاد اقدس کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ سلوک کرنے میں ناتے داروں کی ترتیب یہ ہے پہلے ماں پھر باپ پھر اولاد پھر دادا، نانا، دادی، نانی پھر بھائی بہن پھر اور محرم جیسے چچا پھوپھی، ماموں خالہ اور نزدیک مقدم ہے بعید پر اور حقیقی مقدم ہے علاتی اور اخیافی پر پھر وہ ناتے والا جو محرم نہیں جیسے چچا کا بیٹا بیٹی، ماموں کی اولاد پھر نکاحی رشتہ دار پھر غلام پھر ہمسائے''۔[۵]

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ماں کے تقدم کے بارے میں یہ حدیث مبارکہ تاکید مزید ہے۔ یہاں تک کہ جہاد کے لئے بھی والدین کی اجازت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ارشاد مبارک ملتا ہے۔

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''کیا میں جہاد کروں''؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا ''کیا تیرے والدین ہیں'' اس نے عرض کی ''ہاں'' تو آپ نے فرمایا ''تو ان دونوں میں جہاد کر'' (یعنی ان کی خدمت کر)۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ)[۶]

مسلم میں انہی الفاظ پر مشتمل ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے۔[۷]

اس حدیث شریف سے والدین کی خدمت کی فضیلت کا اظہار و اعلان ہوتا ہے اور یہ پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے کہ خدمت والدین جہاد پر مقدم ہے۔ علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ یہ اس حالت میں ہے جب والدین

مسلمان ہوں اور جو کافر ہوں تو جہاد کے لئے ان سے اجازت ضروری نہیں ہے۔[8]

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سرفہرست ماں کی نافرمانی کو قرار دیا اور فرمایا کہ تمہارے خدا نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے۔[9]

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے کیا میرے لئے توبہ ہے؟ فرمایا ''کیا تیری ماں زندہ ہے''؟ جواب دیا نہیں، دریافت فرمایا ''کیا خالہ ہے؟'' گذارش کی ہے، فرمایا ''تو اس کے ساتھ نیکی کر یہی اس کی توبہ بتائی''۔[10]

اسلام نے نہ صرف ماں باپ کی عزت کرنے ان سے ڈرتے رہنے کا پابند کیا ہے بلکہ ان کی خدمت، ان کی اطاعت، ان کی امداد اور ان کی دلدہی ہر چیز فرض قرار دی ہے بلکہ یہاں تک تاکید کی کہ ان کی کسی بات پر اف تک نہ کرو، ان کے سامنے ادب سے جھکے رہو، ان کی دعاؤں کو اپنے حق میں قبول سمجھو ان ہی کی خدمت انسان کا سب سے بڑا جہاد ہے بلکہ ان ہی کی خوشنودی سے خدا کی خوشنودی ہے۔[11]

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۲، حدیث نمبر ۵۹۷۱ (۲) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ا، حدیث نمبر ۶۵۰۰ (۳) بحوالہ شرح نووی (۴) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ا، حدیث نمبر ۶۵۰۱ (۵) ترجمہ وحیدی (۶) بخاری، کتاب الادب، باب ۳، حدیث نمبر ۵۹۷۲ (۷) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ا، حدیث نمبر ۶۵۰۴ (۸) شرح مسلم (۹) بخاری، کتاب الادب، باب ۶، حدیث نمبر ۵۹۷۵ (۱۰) مشکوٰۃ (۱۱) سیرۃ النبی ج ۶ صفحہ ۲۱۶ اور ۲۱۷

بچوں سے محبت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

جعل اللہ الرحمۃ فی مائۃ جزء ، فأمسک عندہ تسعۃ و تسعین جزء ا، و انزل فی الارض جزء ا واحدا، فمن ذلک الجزء یتراحم الخلق، حتی ترفع الفرس حافرھا عن ولدھا، خشیۃ ان تصیبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے ہیں جس میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ کو زمین پر اتارا۔ مخلوق جو ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے وہ اسی ایک حصہ کے سبب سے ہے یہاں تک کہ گھوڑا جو تکلیف پہنچنے کے خوف سے اپنے بچہ کے اوپر سے اپنے کھر اٹھالیتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات کو شفقت، محبت، رحم، ہمدردی، انس ولگاؤ کی جو صفات ملی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص کے سو حصوں میں سے ایک حصہ کا فیضان اثر ہے۔ تمام مخلوقات میں انسان اس نعمت سے بطور خاص مالا مال ہوا ہے اور اگر کہیں اس میں کمی کا اندیشہ ہو تو پھر اسے اس کی اہمیت کا احساس دلا کر ترغیب کی تعلیمات ملتی ہیں تا کہ کوئی اس صفت کی برکات سے محروم نہ رہ سکے اور جو اس سے

متصف ہوجائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین اجر وثواب بھی ہے۔ان اوصاف کے منجملہ بچوں سے پیار، ان پر شفقت اوران کی دلدہی بھی ہے۔ان کی اہمیت کا اندازہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں پر شفقت ومہربانی اوران سے محبت اور مرحمانہ برتاؤ کے دل پذیر واقعات سے ہوتا ہے۔

ام خالد بنت خالد بن سعیدؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی (میں کمسن تھی) میں ازاراور قمیص پہنے ہوئے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سنہ سنہ'' فرمایا (سنہ حبشی زبان میں عمدہ چیز کو کہتے ہیں) یعنی اچھا ہے۔(میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب گئی اور) خاتم نبوت سے کھیلنے لگی۔میرے والد نے مجھے اٹھالیا۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اسے کھیلنے دو''۔[۲]

بچے کے ساتھ مہربانی، اسے بوسہ دینا اور گلے لگانا کے تحت حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے صاحبزادہ) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا اور سونگھا۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ابن ابی نعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا کہ ان سے ایک شخص نے مچھر کے خون سے متعلق پوچھا تو انہوں نے دریافت کیا کہ ''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'' اس نے کہا ''عراق کا رہنے والا ہوں'' تب حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ ''اس آدمی کو دیکھو یہ مچھر کے خون کے متعلق پوچھتا ہے حالاں کہ ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے دلبند (یعنی حضرت حسینؓ) کو قتل کیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دونوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں''۔[۴]

ان احادیث مبارکہ سے بچوں کے ساتھ محبت، ان پر شفقت ومہربانی کے قابل تقلید پہلو نمایاں ہوتے ہیں اور بچوں سے محبت کی ترغیب دیتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ ایک بدوی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو نہیں چومتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا میں تیرے لئے اس کا مالک ہوں کہ اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال لیا"۔[5]

یعنی تم لوگوں کا اپنے بچوں کو نہ چومنا اس لئے ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے رحم وکرم نکال دیا ہے۔ بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت میں لڑکے، لڑکیاں سب شامل ہیں، لیکن لڑکیوں بیٹیوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کی ایک گونا خصوصیت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص دو لڑکیوں کو پالے ان کے بالغ ہونے تک (تو) قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح سے آویں گے" اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔ (یعنی میرا اس کا ساتھ ہوگا قیامت میں اس طرح سے) (بہ روایت حضرت انس بن مالکؓ)[6]

اس ارشاد کی روشنی میں دو لڑکیوں سے متعلق اتنا بڑا انعام ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن کے دو سے زائد لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی بہتر پرورش، تربیت اور اچھے سے بیاہ دیں تو ان پر الطاف واکرام حق تعالیٰ کا کیا عالم ہوگا۔

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۹، حدیث نمبر ۶۰۰۰ (۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۷، حدیث نمبر ۵۹۹۳ (۳) بخاری، کتاب الجنائز، باب ۴۳، حدیث نمبر ۱۳۰۳ (۴) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۲۲، حدیث نمبر ۳۷۵۳ (۵) مسلم، کتاب الفضائل، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۰۲۷ (۶) ترمذی، کتاب البر وصلہ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۱۹۱۴

بیویوں سے اچھا سلوک

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

واستوصوا بالنسآء خیرا ، فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شیءٍ فی الضلع اعلاہ ، فان ذھبت تقیمه کسرته ، وان ترکته لم یزل اعوج ، فاستو صوا بالنسآء خیرا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''عورتوں (بیویوں) کے متعلق کی وصیت قبول کرو کیوں کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور یقیناً پسلی کا ٹیڑھا حصہ اس کے اوپر کا ہے تو اگر اسے سیدھا کرنے لگو تو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو تو ٹیڑھا ہی رہے گا۔ لہذا عورتوں کے متعلق وصیت قبول کرو''۔[1]

یہاں عورتوں کے متعلق وصیت قبول کرو کے چند مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ''میں تم کو اپنی بیویوں سے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ تم لوگ قبول کرو ان سے اچھا برتاؤ کرو'' یا '' تم لوگ اپنی بیویوں کے متعلق اچھی وصیت کیا کرو کہ ان کے ساتھ تمہارے عزیز واقارب اچھا سلوک کریں'' یا '' تم لوگ اپنی بیویوں کے متعلق اچھی وصیت کیا کرو''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوئی مؤمن اپنی مؤمنہ بیوی کو دشمن نہ جانے اگر اس کی کسی عادت سے ناراض ہو تو دوسری خصلت سے راضی ہوگا''۔ (بروایت حضرت ابوہریرہؓ)[3]

عورتوں کے ساتھ نرمی اور ملائمت کے ساتھ سلوک کرنے کی تعلیم قیامت تک مردوں کو پابند کرتی ہے کہ عورتوں پر بے جا ظلم وزیادتی نہ کریں۔ اصلاح کی غرض سے قدرے تادیب غیر اصولی نہیں کیوں کہ خاوند بیوی کا حاکم ہوتا ہے حاکم بہ نظر اصلاح محکوم کی مناسب تادیب کرسکتا ہے جس طرح استاد اپنے شاگرد اور باپ اپنے بیٹے کو اصلاح اور بھلائی کی نیت سے تادیب کرتا ہے۔ تاہم بے جا مار پیٹ اور بلاوجہ جبر وتشدد سے منع فرمایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے‘‘۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن زمعہؓ)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں اور جب تمہارا ساتھی مر جائے تو اسے چھوڑ دو۔‘‘

(بہ روایت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ)[۵]

آخری جملہ ’’جب تمہارا ساتھی مر جائے تو اسے چھوڑ دو یعنی خاوند بیوی میں سے جو مر جائے تو اسے دوسرا اچھائی سے یاد کرے برائیاں بیان نہ کرے۔‘‘[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے اور اپنے ماہ رمضان کا روزہ رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔‘‘ (بہ روایت حضرت انسؓ)[۷]

یہاں خصوصیت سے عورت کا ذکر اس لئے ہے کہ آگے خاوند کی اطاعت کا بھی ذکر آرہا ہے جو صرف عورت پر لازم ہے۔ نمازوں سے مراد پاکی کے زمانے کی نمازیں ہیں، روزوں سے مراد رمضان کے روزے

ہوں ادا یا قضاء کہ ناپاکی کی حالت میں عورت روزے ادا نہیں کرسکتی قضاء کرے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو عورت مر جائے اس حال میں کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو تو جنت میں جائیگی''۔ (بہ روایت حضرت ام المومنین ام سلمہؓ)[۸]

ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا حق اس پر کیا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب تم کھاؤ اسے کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اسے پہناؤ اور اس کے منہ پر نہ مارو اور اسے برا نہ کہو اور اسے نہ چھوڑو مگر گھر میں''۔[۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ کی بندیوں کو نہ مارو''۔

(بہ روایت حضرت ایاس بن عبداللہؓ)[۱۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمانوں میں بڑے کامل ایمان والا وہ ہے جو سب میں اچھے اخلاق والا اپنے بال بچوں پر مہربان ہو''۔ (بہ روایت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ)[۱۱]

مومن کا تعلق خالق سے بھی ہے اور مخلوق سے بھی۔ خالق سے عبادات کا تعلق ہے اور مخلوق سے معاملات کا، عبادات کا درست کرنا آسان ہے مگر معاملات کا سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے یہاں خلیق شخص کو کامل ایمان والا قرار دیا گیا ہے پھر اجنبی لوگوں سے کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے مگر گھر والوں سے ہمیشہ ہر وقت تعلق رہتا ہے ان سے اچھا برتاؤ کرنا بڑا کمال ہے۔ اسلام مکمل انسانیت سکھاتا ہے خلق حسن وعادت ہے جس سے اللہ رسول بھی راضی رہیں اور مخلوق بھی اگرچہ یہ ہے بہت مشکل لیکن جسے نصیب ہو جائے اس کے دونوں جہاں سنبھل جائیں۔ کمزور پر مہربانی سنت الٰہیہ بھی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی عورت اچھی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ''اسے خاوند

جب دیکھے اچھی لگے اور جب اسے حکم دے تو اطاعت کرے اور اس کی مخالفت نہ کرے نہ اپنی جان میں نہ اپنے مال میں جو خاوند کو ناپسند ہو۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''چار چیزیں وہ ہیں جسے دی گئیں اسے دین و دنیا کی بھلائی دیدی گئی۔ شکر والا دل، ذکر والی زبان، جسم مصیبتوں میں صبر کرنے والا اور ایسی بیوی جو اپنے نفس اور اس کے مال میں بغاوت نہ کرے۔''[13]

---

(۱) بخاری، کتاب النکاح، باب ۸۱، حدیث نمبر ۵۱۸۶ (۲) اشعۃ ، مرقات (۳) مسلم، کتاب الرضاع، باب ۱۸، حدیث نمبر ۳۶۴۸ (۴) بخاری، کتاب النکاح، باب ۹۴، حدیث نمبر ۵۲۰۴ (۵) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۳۸/۶۳، حدیث نمبر ۳۸۹۵ (۶) مرآت (۷) مشکوٰۃ (۸) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ۱۰، حدیث نمبر ۱۱۶۱ (۹) ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ۴۱/۴۰، حدیث نمبر ۲۱۴۲ (۱۰) ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ۴۱، حدیث نمبر ۲۱۴۶ (۱۱) ترمذی، کتاب الایمان، باب ۶، حدیث نمبر ۲۶۱۲ (۱۲) سنن نسائی، کتاب النکاح، باب ۱۴، حدیث نمبر ۳۲۳۱ (۱۳) بیہقی، شعب الایمان

صلہ رحمی کرو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

من سرہ ان یبسط لہ رزقہ اوینسألہ فی اثرہ فلیصل رحمہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص وسعت رزق اور درازی عمر پسند کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے"۔ (بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ)[1]

صلہ کے معنی انعام وعطا، ہدیہ و بدلہ، جزائے نیک کے ہیں، جب کہ رحم اپنے وسیع تر مفہوم کے ساتھ کرم، مہر، شفقت، عفو و بخشش، دردمندی، دلسوزی، ترس اور دیا وغیرہ کے معنی دیتا ہے۔ یہاں اصطلاحاً بھائی بند، رشتہ داروں، ناتے والوں، عزیزوں اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک، نیکی، اچھے برتاؤ، ہمدردی و مہربانی اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے معنی میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہؐ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا "اللہ تعالی کی عبادت کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نماز پڑھے اور زکوۃ دے اور صلہ رحمی کرے"۔

(بہ روایت حضرت ابو ایوبؓ)[2]

اس ارشاد مبارکہ سے عزیز و اقارب اور رشتہ و ناتے والوں کے ساتھ نیکی، بھلائی، حسن سلوک اور ان کے حقوق کی کماحقہ ادائیگی کی اہمیت اور فضیلت واضح ہوتی ہے۔ اس کی برکتوں کا حال پہلی حدیث شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا افلاس، فلاکت، غریبی اور احتیاج و ضرورت مندی سے بے تعلق ہو جائے گا اور یقیناً اس کے رزق میں کشائش ہوگی یعنی خیر و برکت، فراغت و راحت اور معاشی آسودگی سے بہرہ مند ہوگا و نیز صلہ رحمی کے باعث اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو طول عطا فرمائے گا۔ حدیث پاک میں خاص اس مفہوم کی ادائیگی الفاظ نساء واثر کے ساتھ فرمائی گئی ہے، لغت میں النساء کے معنی درازی عمر ہیں اور نساء کے معنی دیر لگانے کے بھی آتے ہیں، یعنی دنیا سے جانے میں دیر ہونا۔ اسی طرح اثر کے کئی معنوں کے منجملہ ایک نشان بھی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں علماء کرام کا ارشاد ہے کہ انسان چوں کہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اس وجہ سے اس کے نشان قدم زمین پر پڑا کرتے ہیں۔ موت انسان کو حرکت سے باز رکھتی ہے اس سے مراد زندگی کی طوالت اور موت کی تاخیر ہے۔ رزق کی کشائش اور عمر کی درازی دو ایسی برکتیں ہیں جو صلہ رحمی کے اجر و بدل کے طور پر صلہ رحمی کرنے والے کو عطا ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں صلہ رحم یعنی قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق بارہا تاکید آئی ہے۔ جو اس ارشاد نبوی کی اساس ہے اور جو لوگ صلہ رحم کے خلاف عمل کرتے ہیں یعنی قطع رحم کرتے ہیں انھیں نافرمان اور گمراہ قرار دیا گیا ہے۔ رشتوں اور ناتوں اور قرابت کے تعلقات کو توڑنے والا ناپسندیدہ اور مستحق سزا ٹھہرایا گیا ہے اور اس کے متعلق یہ وعید آئی ہے کہ وہ جنت سے دور رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”قطع کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو سکے گا“۔

(بہ روایت حضرت جبیر بن مطعمؓ) [۳]

مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔[۴]

یہاں قاطع سے مراد قاطع طریق یعنی ڈاکو یا راہزن ہیں یا قاطع رحم یعنی حقوق ادا نہ کرنے والے ہیں۔ دوسرا مفہوم ہی زیادہ واضح ہے۔ (ذوالمرات)

قرابت داروں سے حسن سلوک کی بڑی فضیلت ہے اور اس کا اجر و عوض بھی دو چند ہے۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کہتی ہے کہ میں نے ایک لونڈی آزاد کی جس کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت نہیں لی تھی۔ جب باری کا دن آیا تو عرض کی ''یا رسول اللہؐ! میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا''۔ آپ نے فرمایا ''تم نے اسے اپنے ماموں کو کیوں نہیں دے دیا۔ اگر تم ایسا کرتیں تو تمھیں زیادہ ثواب ملتا''۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''مسکین کو صدقہ دینے میں ایک حصہ اجر ملتا ہے اور قرابت داروں کو دینے میں دوگنا اجر ملتا ہے، ایک صدقہ کا ایک صلہ رحمی کا''۔

(بہ روایت حضرت سلمان بن عامرؓ)[۶]

---

(۱) بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۳، حدیث نمبر ۲۰۶۷ (۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۰، حدیث نمبر ۵۹۸۳ (۳) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۱، حدیث نمبر ۵۹۸۴ (۴) مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب ۶، حدیث نمبر ۶۵۲۰ (۵) بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا، باب ۱۵، حدیث نمبر ۲۵۹۲ (۶) سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب ۸۲، حدیث نمبر ۲۵۸۱

جب کوئی رشتہ توڑے تو اس کو ملائے

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم

لیس الواصل بالمکافیء، ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بدلا دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے لیکن صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ جب اس سے ناطہ توڑا جائے تو وہ اس کو ملائے"۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)[1]

یعنی جو لوگ کہ صلہ رحمی کرتے ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک یا صلہ رحمی کرنا گویا بدلہ دینا ہے یہ درحقیقت صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر کوئی قطع رحمی کرتا ہے حسن سلوک سے ہاتھ اٹھالیتا ہے رشتہ داری کو توڑتا ہے تعلقات کو باقی نہیں رکھتا اس کے ساتھ مالی ایثار، اعانت، خدمت کرنا وہ رشتہ توڑے تو خود رشتہ جوڑنا وہ قطع رحمی کرے تو خود ملنا اور تعلق کو برقرار رکھنا صلہ رحمی ہے اور اس کا بڑا اجر ہے کہ جو قرابت کا حق ادا نہ کرے ان کا حق ادا کیا جائے۔ نیکیوں کا اجر بہترین صورت میں عطا ہوتا ہے۔

صلہ رحمی یعنی قرابت کا حق ادا کرنا رشتہ داروں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھنا، خود تکلیف اٹھا کر اپنے قرابت داروں کی مالی اعانت اور ان کی ضرورت کی تکمیل کرنے کیلئے ایثار سے کام لینا صلہ رحمی کا مفہوم ہی

ہے۔ ماں باپ، اولاد، اور زوجین کے بعد درجہ بہ درجہ عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی محاورۃ صلہ رحمی ہے۔ جو صلہ رحمی سے کام لیتے ہیں وہ رضائے حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور احکام قرآن و ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کماحقہ پورا کرتے ہیں اور اس کی جزا میں مستحق جنت قرار دیئے جاتے ہیں جب کہ صلہ رحمی کو ترک کر کے قطع رحمی کے راستہ پر چلنے والے جنت میں داخل کئے جانے سے روک دیئے جاتے ہیں جب تک کہ وہ اس گناہ و آلودگی سے پاک نہ ہو جائیں یعنی جن کے حقوق کی عدم تکمیل ہوئی ہے ان کی طرف سے جب تک معاف نہ کر دیئے جائیں ان کا جنت میں داخلہ رکا ہوا رہتا ہے۔ صلہ رحمی کرنے والے کے لئے صرف اخروی نعمت یعنی جنت ہی کی نوید نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس پر انعامات حق کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ یعنی اس کے مال میں رزق میں وسعت و فراوانی ہوتی ہے اور دولت عمر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے گویا صلہ رحمی کرنے والا دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''صلہ رحم سے قرابت داروں میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں برکت ہوتی ہے''۔[۲]

صلہ رحمی قرابت داروں کی مالی خدمت اور ان کے ساتھ عمدہ سلوک کی بہت اہمیت اور فضیلت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب پیدا کرنے سے فارغ ہو چکا تو رشتہ داری نے عرض کی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے تیری پناہ مانگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اس سے ملوں جو تجھ سے ملے اور اس سے قطع تعلق کرلوں جو تجھ سے قطع تعلق کرے۔ رشتہ داری نے عرض کیا ''ہاں اے پروردگار!''۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا

''بس یہ تجھے حاصل ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: **فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم** ۔(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''رحم (رشتہ داری، قرابت) رحمٰن سے ملی ہوئی شاخ ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تجھ سے ملے میں اس سے ملتا ہوں اور جو تجھ سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں''۔ (بروایت ام المومنین حضرت عائشہؓ) [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت حکیم بن حزامؓ نے جب یہ دریافت کیا تھا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی، آزادی اور صدقہ وغیرہ کیا کرتے تھے کیا اس کا ہمیں اجر ملے گا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ان بھلائیوں کی وجہ سے تمہیں ایمان و اسلام ملا''۔ [5]

ایک شخص نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں عرض کیا ''یارسول اللہؐ! میرے قرابت دار ہیں میں ان سے جوڑتا ہوں اور وہ مجھے توڑتے ہیں میں ان سے بھلائی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان سے بردباری برتتا ہوں وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں تو حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''اگر ویسا ہی ہے جیسا کہہ رہا ہے تو تو ان کے منہ میں بھوبل (گرم راکھ) ڈال رہا ہے اور تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے ان پر مددگار رہے گا جب تک تو اس حال پر رہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''عمر میں نہیں زیادتی کرتی مگر اچھا سلوک، تقدیر کو نہیں رد کرتی مگر دعا اور اور یقیناً رزق سے محروم ہو جاتا ہے اس گناہ سے جو اسے پہنچے''۔

(بروایت حضرت ثوبانؓ) [7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں جنت میں گیا تو میں نے اس میں تلاوت سنی۔

میں نے کہا یہ کون ہے ۔ بولے یہ حارثہ بن نعمانؓ ہیں۔ بھلائی ایسی ہوتی ہے بھلائی ایسی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی ماں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکو کار تھے''۔ (بروایت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ) [8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''رب کی رضا باپ کی رضامندی میں ہے اور رب کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے''۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ) [9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن ابی اولیٰؓ نے یہ فرماتے سنا کہ ''اس قوم پر رحمت نہیں اترتی جن میں قرابت توڑنے والا ہو۔'' [10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اس کے مرتکب پر سزا اللہ دنیا میں کبھی بھیجے مع آخرت میں ذخیرہ کرنے کے بمقابلہ بغاوت اور رشتہ توڑنے کے۔''

یعنی تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی کیوں کہ دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء۔ مگر دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔ ایک بغی دوسرا رشتہ داروں کا حق ادا نہ کرنا۔ ان کی حق تلفی۔ بغی کے معنیٰ ظلم بھی ہیں بادشاہ اسلام پر بغاوت کرنا بھی غرور و تکبر کرنا بھی۔ یہاں تینوں معنی کا احتمال ہے۔ [12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم اپنے نسب یاد رکھو جس سے اپنے رشتے جوڑو کیوں کہ رشتے جوڑنا گھر والوں میں محبت ہے۔ مال میں برکت ہے، عمر میں درازی ہے۔'' [13]

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۵، حدیث نمبر ۵۹۹۱ (۲) ترمذی، کتاب بر والصلۃ، باب ۴۹، حدیث نمبر ۱۹۷۹ (۳،۴) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۳، حدیث نمبر ۵۹۸۷، ۵۹۸۹ (۵) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۶، حدیث نمبر ۵۹۹۲ (۶) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۶، حدیث نمبر ۶۵۲۵ (۷) ابن ماجہ، مقدمۃ المولف، باب ۱۰، حدیث نمبر ۹۰ (۸) شرح سنہ، بیہقی شعب الایمان (۹) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۱۸۹۹ (۱۰) بیہقی شعب الایمان (۱۱) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب، ۱۲۲/۵۷ حدیث نمبر ۲۵۱۱ (۱۲) مرقات (۱۳) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۴۹، حدیث شریف 1979

تم پر دوسروں کا بھی حق ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

صم و افطر و قم و نم فان لجسدک علیک حقا و ان لعینک علیک حقا و ان لزوجک علیک حقا وان لزورک علیک حقا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سوو بھی کیوں کہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے“۔ (بہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمروؓ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے دریافت فرمایا کہ ”مجھے خبر ملی ہے کہ تم (سوائے پانچ ممنوعہ دنوں کے) ہمیشہ (سال بھر) دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو“۔ تو انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں یا رسول اللہ تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ روزہ بھی رکھو اور......“۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس نے عمر بھر کے روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں۔ ہر مہینہ تین روزے ساری عمر کے روزے ہیں۔“[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”ہر مہینہ میں تین روزے رکھو اور ہر مہینہ ایک قرآن ختم

کرو۔'' حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے عرض کی۔ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''ایک ہفتہ میں تین روزے رکھ لیا کرو'' میں نے عرض کیا مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔تب حضور اقدسؐ نے فرمایا''ہمیشہ دو روز افطار کیا کرو اور ایک دن روزہ رکھا کرو'' میں نے عرض کیا مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔حضور اکرمؐ نے فرمایا''تو تم بہترین روزے یعنی صوم داود رکھو کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو۔''[۴]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقوق کی اہمیت، ان کی تفصیل اور وسعت کا صحیح حال معلوم ہوتا ہے۔

ایک انسان پر اس کی ذات، اس کے اعضاء اس کے متعلقین اور ملنے جلنے والوں سبھی کے حقوق ہیں جن کی ادائیگی اس پر لازم ہے۔اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جان، بدن، آنکھ، بیوی، اور ملاقاتی کے حقوق سے متعلق اشارے ان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ہمیشہ روزے رکھنا یا ہمیشہ راتوں کو قیام کرنا مصرحہ بالا حقوق کو متاثر کر سکتے ہیں۔لہٰذا واضح فرمایا گیا کہ روزے بھی رکھیں اور افطار بھی کریں۔ راتوں میں قیام (عبادت) بھی کریں اور نیند بھی لیں تا کہ ہر ایک کا حق ادا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان سے کما حقہ، بہرہ مندی اور ان میں سے دوسروں کو بھی نفع پہنچانا بہ الفاظ دیگر حقوق کو ادا کرنا ہے جس کی ترتیب اور تفصیل بہ لحاظ قرابت و موقع و محل، احادیث شریفہ میں ملتی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو درداؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ میں مواخاۃ کروائی تھی۔ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ اپنے بھائی حضرت ابو درداؓ سے ملنے آئے تو بھاوج کو دیکھا کہ معمولی

وضع میں ہیں۔ پوچھا کہ ایسی حالت کیوں ہے؟۔ تو انہوں نے جواب دیا’’ آپ کے بھائی دنیا سے بے نیاز ہو گئے ہیں انہیں ان چیزوں کی پرواہ نہیں رہی‘‘۔ جب حضرت ابودرداؓ آئے تو حضرت سلمانؓ کو دیکھ کر خوش ہوئے اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا’’ آپ بھی آیئے !‘‘ تو انھوں نے کہا ’’میں روزہ ہوں‘‘۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا’’ آپ کو میرے ساتھ کھانا ہوگا ورنہ میں بھی نہ کھاؤں گا‘‘۔ رات کو حضرت سلمان فارسیؓ نے انہی کے ہاں قیام کیا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ نماز کے لئے اٹھے حضرت سلمان فارسیؓ نے روک لیا اور کہا’’ بھائی! آپ پر اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے بیوی کا بھی حق ہے اور اپنے بدن کا بھی آپ کو ان سب کا حق ادا کرنا چاہیے‘‘۔ صبح تڑکا ہوا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو جگایا۔ دونوں نے نماز پڑھی اس کے بعد ادائے دوگانہ کے لئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے حضرت ابو درداءؓ نے حضور اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا’’ سلمان نے ٹھیک کہا‘‘۔[۵]

---

(۱) بخاری، کتاب الصوم، باب ۵۵، حدیث نمبر ۱۹۷۵ (۲) ایضاً (۳) بخاری، کتاب الصوم، باب ۵۹، حدیث نمبر ۱۹۷۹
(۴) بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب ۳۴، حدیث نمبر ۵۰۵۲ (۵) بخاری، کتاب الصوم، باب ۵۱، حدیث نمبر ۱۹۶۸

بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے

قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم

مع الغلام عقيقة فاهريقوا عنه دما واميطوا عنه الأذى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی دور کرو۔'' (بہ روایت حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ)[1]

حضرت ابوموسیٰ ؓ کہتے ہیں کہ میرے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا تو میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور سے اس کی تحنیک کی (کھجور چبا کر تالو میں لگانے کو تحنیک کہتے ہیں) اس کے حق میں برکت کی دعا کی پھر مجھے دیدیا۔[2]

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق ؓ کہتی ہیں کہ مدینہ منورہ کے راستے میں یعنی قباء میں عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ تو میں نومولود کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئی اور میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ آپ نے کھجور منگایا اس کو چبایا پھر اس بچہ (حضرت عبداللہ بن زبیر) کے منہ میں ڈالدیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ان کے شکم (پیٹ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

لعاب دہن داخل ہوا۔ پھر اس کے تالو میں کھجور کو لگایا اور اس کے حق میں دعا کی اور اس پر مبارکباد دی۔[3]

حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ انہیں دعائے برکت دیتے اور ان کی تحنیک کرتے تھے۔[4]

حضرت ام کرز کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ''پرندوں کو گھونسلوں میں رکھو''۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری تمہیں مضر نہیں کہ نر ہوں یا مادہ''۔[5]

عقیقہ، عق سے ہے جس کے معنی کاٹنا اور الگ کرنا ہیں۔ اصطلاح شریعت میں عقیقہ، بچہ نومولود کے سر سے اتارے ہوئے بال بھی عقیقہ ہیں اور اس کی حجامت کے وقت ذبح کیا ہوا جانور بھی عقیقہ ہے یعنی الگ کئے ہوئے بال اور سر کاٹا ہوا (ذبح کیا ہوا) جانور۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہوتا ہے ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اور سر مونڈا جائے۔ (بروایت حضرت سمرہؓ)[6]

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسنؓ کی طرف سے بکری سے عقیقہ کیا اور فرمایا ''فاطمہؓ! اس کا سر منڈا دو اور ان کے بالوں کے وزن کی چاندی خیرات کردو'' تو ہم نے بال تولے تو ایک درہم وزن ہوا۔[7]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرات) حسن وحسین (علیہما السلام) کی طرف سے ایک ایک بھیڑ عقیقہ کیا۔[8]

ایک اور روایت میں دو بھیڑیوں کا ذکر ہے۔[9]

حضرت ابورافع ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے (امام) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز کی اذان کہی۔[10]

ہر بچہ کے ساتھ عقیقہ سنت ہے جو اس کی ولادت کے ساتویں روز کیا جائے کہ بچہ کے بال مونڈ دیئے جائیں بکری ذبح کردی جائے۔لڑکی کی طرف سے ایک لڑکے کی طرف سے دو۔اسی دن اس کا نام رکھا جائے ۔بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے خیرات کردی جائے (مراءت) ☆ یہ ضروری نہیں کہ لڑکے کے عقیقہ کے لئے نر بکرے چاہئیں اور لڑکی کے عقیقہ کے لئے مادہ بکری ہی ہو بلکہ لڑکے کے عقیقہ کے لئے مادہ مؤنث بکری اور لڑکی کے عقیقہ کے لئے نر بکرے بھی ذبح کئے جاسکتے ہیں۔یہ بھی درست ہے کہ لڑکے کے عقیقہ کے لئے ایک نر بکرا اور دوسری مادہ بکری ذبح کردی جائے۔[11]

بچہ دنیاوی آفات ومصیبتوں کے ہاتھوں ایسا گرفتار ہوتا ہے جیسے رہن چیز قرض کے قبضہ میں قید ہوتی ہے کہ اس سے مالک نفع حاصل نہیں کرسکتا یا یہ مطلب ہے کہ بچہ کی شفاعت اپنے باپ وغیرہم کے لئے عقیقہ پر موقوف ہے اگر بغیر عقیقہ فوت ہوگیا تو ممکن ہے ماں باپ کی شفاعت نہ کرے۔[12]

(اصطلاح شرع میں) بچہ پیدا ہونے کے بعد (اس کے سر سے بال اتار کے) جو بکرا ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں ☆ عقیقہ کرنا مستحب ہے (حدیث شریف میں آیا ہے کہ ’’ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض رہن ہے ‘‘اس سے عقیقہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے، کیوں نہ ہو کہ عقیقہ بچہ اور ماں باپ دونوں کے حق میں یکساں مفید اور باعث خیر و برکت ہے) ☆ عقیقہ پیدائش سے ساتویں دن کرنا چاہئے اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں دن یا جب ممکن ہو کریں (لیکن ’’ساتویں دن کا لحاظ رکھیں‘‘۔مثلاً پیدائش جمعہ کی ہو تو جب عقیقہ کریں جمعرات کے دن کریں اور اگر جمعرات کی ہو تو چہارشنبہ کے دن، اسی طرح آخر تک) اس

کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں البتہ ساتویں دن سے قبل کرنا درست نہیں ۔☆ لڑکی کا عقیقہ ایک بکرے سے اور لڑکے کا دو بکروں سے کرنا چاہئے ۔ اگر کسی میں دو بکروں کی قدرت نہ ہو تو ایک بکرا بھی کافی ہے ۔ (اگر کسی میں ایک بکرے کی قدرت بھی نہ ہو بالکل محتاج ہو تو اس کو عقیقہ ہی کرنا ضروری نہیں) ☆ عقیقہ کا بکرا ایک برس کی عمر سے کم یا عیب دار نہیں ہونا چاہئے نیز جو شرائط واوصاف قربانی کے جانور میں ضروری ہیں وہی عقیقہ کے جانور میں ہونے ضروری ہیں ☆ عقیقہ کے جانور میں نر یا مادہ کی کوئی خصوصیت نہیں ۔

---

(۱) بخاری ، کتاب العقیقۃ ، باب ۲ ، حدیث نمبر ۵۴۷۲ (۲،۳) بخاری ، کتاب العقیقہ ، باب ۱ ، حدیث نمبر ۵۴۶۷ ، ۵۴۶۹ (۴) مسلم ، کتاب الادب ، باب ۵ ، حدیث نمبر ۵۶۱۹ (۵) ابوداؤد ، کتاب الضحایا ، باب ۲۰/۲۱ ، حدیث نمبر ۲۸۳۲ (۶) ترمذی ، کتاب الاضاحی ، باب ۲۳/۲۱ ، حدیث نمبر ۱۵۲۲ (۷) ترمذی ، کتاب الاضاحی ، باب ۲۰/۱۹ ، حدیث نمبر ۱۵۱۹ (۸) ابوداؤد ، کتاب الضحایا ، باب ۲۰/۲۱ حدیث نمبر ۲۸۳۸ (۹) سنن نسائی ، کتاب العقیقۃ ، باب ۴ ، حدیث نمبر ۴۲۳۰ (۱۰) ترمذی ، کتاب الاضاحی ، باب ۱۷ ، حدیث نمبر ۱۵۱۴ (۱۱،۱۲) مرقات

کوئی جو صرف اللہ کے لئے کسی کو چاہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ان اللــہ یقـول یـوم الـقیـامۃ: ایـن المتحـابون

بجلالی، الیوم اظلھم فی ظلی، یوم لاظل الا ظلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بزرگی اور اطاعت کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے آج کے دن میں ان کو اپنے سایہ میں رکھوں گا آج کے دن کوئی سایہ نہیں سوا میرے سایہ کے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

وہ اہل ایمان بڑے خوش نصیب ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت کے لئے اور اطاعت حق تعالیٰ کے باعث ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ان کی یہ محبت انہیں قیامت میں سایہ حق تعالیٰ کی نعمت سے مالا مال کرنے کا باعث ہوگی۔ وہ مالک یوم الدین کی پناہ میں، عرش کے سایہ میں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی چھاؤں میں ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک شخص اپنے بھائی کی ملاقات کو ایک دوسرے گاؤں کی طرف گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کو کھڑا کر دیا جب وہ وہاں پہنچا تو اس فرشتے نے پوچھا

''کہاں جاتا ہے؟''۔ وہ بولا ''اس گاؤں میں میرا ایک بھائی ہے میں اس کو دیکھنے جاتا ہوں''۔ فرشتہ نے کہا ''اس کا تیرے اوپر کوئی احسان ہے جس کو نبھانے کے لئے تو اس کے پاس جاتا ہے؟''۔ وہ بولا ''نہیں کوئی احسان اس کا مجھ پر نہیں ہے۔ صرف اللہ کے لئے میں اس کو چاہتا ہوں''۔ فرشتہ بولا ''تو میں اللہ تعالیٰ کا ایلچی ہوں اور اللہ تجھ کو چاہتا ہے جیسے تو اس کی راہ میں اپنے بھائی کو چاہتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [2]

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار فرمانبردار تابعدار ہیں۔ یعنی اولیاء و صالحین، متقی و پرہیز گار دیندار، علماء اور نیک بندے تو ان سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھنا، ملنا جلنا، ان کی مبارک صحت اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا، خوشنودی کا باعث ہے۔ جہاں ان برگزیدہ اللہ والوں سے اللہ کے لئے محبت کا یہ ثمرہ عظیم ہے وہیں اس کی مخلوق کے ساتھ محبت اور ان کی خدمت کے لئے بھی انعامات خاص ہیں جیسا کہ عیادت مریض سے متعلق حدیث میں آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بیمار کا پوچھنے والا (اس کے مکان پر جا کر) جنت کے باغ میں ہے جب تک وہ لوٹے''۔ (بروایت حضرت ثوبانؓ) [3]

عیادت و خدمت خلق کے بشمول جتنے کام محبت حق تعالیٰ میں انجام پائے جائیں گے ان کے انعامات بھی خاص خاص ہیں۔ کسی بندے سے صرف اس لئے محبت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور احکام الٰہی کو اخلاص کے ساتھ بجالاتا ہے اور اس چاہت کے باعث اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اس محبت میں کوئی دنیوی غرض اور ریا وغیرہ نہ ہو تو پھر اس کا فیض اثر دنیا و آخرت دونوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا، عنایات بے پایاں اور تقرب سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ خالق کونین جب خود اپنے کرم سے کسی بندے کو اپنی محبت سے سرفراز کرے تو وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے۔ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر دال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے ناراض ہوں تم بھی اس سے ناراض ہو جاؤ۔ فرمایا کہ جبرئیل (علیہ السلام) اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے ناراض ہے تم لوگ بھی اس سے ناراض ہو جاؤ فرمایا پھر وہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے لئے نفرت رکھدی جاتی ہے۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۴]

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کاملہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عدول حکمی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خفگی کا وبال پڑتا ہے پھر وہ غضب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی کہیں بھی عزت وقدر نہیں ہوتی۔ سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرے اور ان سے ملا نہ ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے۔ (بہ روایت ابن مسعودؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! قیامت کب ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''افسوس تجھ پر تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے''۔ وہ بولا ''میں نے اس کی تیاری کوئی نہیں کی بجز اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہو''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[۶]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز پر ایسا خوش ہوتا نہیں دیکھا جیسا کہ وہ اس سے خوش ہوئے۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عبادہ بن صامتؓ نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری محبت۔ میرے بارے میں محبت کرنے والوں اور میرے بارے میں بیٹھنے والوں ملاقات کرنے والوں اور میری راہ میں خرچ کرنے والوں کے لئے لازم ہوگئی''۔[8]

اللہ والوں کی محبت اور ان کی نیک صحبت اختیار کرنے کا کتنا عظیم ترین انعام ہے۔

(۱،۲) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ۱۲، حدیث نمبر ۶۵۴۸، ۶۵۴۹ (۳) مسلم، کتاب البر والصلہ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۶۵۵۲ (۴) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ۴۸، حدیث نمبر ۶۷۰۵ (۵) بخاری، کتاب الادب، باب ۹۶، حدیث نمبر ۶۱۶۹ (۶) بخاری، کتاب الادب، باب ۹۵، حدیث نمبر ۶۱۶۷ (۷) ایضاً (۸) مسند احمد

جو اپنے بھائی سے محبت رکھے اسے بتا دے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اذا احب احدکم اخاہ فلیعلمہ ایاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی سے محبت رکھے تو چاہئے کہ اسے خبر کر دے''۔ (بہ روایت حضرت مقدام رضی اللہ عنہ)[1]

ایک مومن دوسرے مومن سے اگر محبت رکھتا ہے تو اس محبت کی اساس محض ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا فیضان ہے کہ اہل ایمان توحید و رسالت، اطاعت حق تعالیٰ و اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فکر و عمل کی یکسانی کے سبب ایک دوسرے کو چاہتے اور محبت رکھتے ہیں تو یہ ایک فطری بات اور تقاضہ اخوت ہے، تاہم ان ہی بنیادوں پر اگر کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت میں خصوصیت رکھے تو حدیث شریف کی روشنی میں اسے چاہئے کہ اپنی چاہت و محبت کو پوشیدہ نہ رکھے، بلکہ اپنے بھائی سے اس کا اظہار کر دے تا کہ باہمی محبت اور آپسی چاہت میں دو طرفہ کیفیت سے برکتوں کا سلسلہ وسیع و دراز ہو جائے۔ یہ محبت کسی لالچ، دنیوی غرض، حرص، ذاتی مفاد، خوشامد اور نمائش دکھاوے کے لئے نہیں ہونی چاہئے اور جو ایسا کرتا ہے وہ جواباً محبت نہیں پا سکتا اور اگر پاتا ہے تو وہ راز کے

فاش ہو جانے یعنی حرص و لالچ اور غرض مندیوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد قائم نہیں رہتی۔ محض اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے، ایمان و اسلام دین و دیانت کے لئے قائم ہونے والے تعلق اور محبت کا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے، جسے چاہا جا رہا ہے جب اسے معلوم ہو جائے گا تو وہ بھی ایسی ہی بے غرض محبت کرے گا اور یہ دوطرفہ بات بہت پختہ ہوگی۔ مسلمانوں کے درمیان رشتہ ایمان کے سبب ایک خاص جذبہ یگانگت پیدا ہو جاتا ہے، یہ ایک تابندہ حقیقت ہے۔

مسلمانوں کو پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ آپس میں انس و محبت رکھیں اور محبت بڑھانے کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''(تم) مؤمن اس وقت بنو گے (جب) کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت و الفت رکھو، میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ جب تم اس کو کرو گے تو آپس میں ایک دوسرے (سے محبت کرنے لگ جاؤ گے) کے دوست بن جاؤ گے، وہ یہ کہ تم آپس میں سلام علیک کرتے رہو''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۲]

آپس میں ایک دوسرے کو سلام علیک کرتے رہنا گویا محبت و الفت پیدا ہونے کا سبب ہے۔ سلام درحقیقت سلامتی چاہنا اور خیر خواہی کی نشانی ہے، اس کے ذریعہ دو مسلمان ایک دوسرے سے بہت قریب ہو جاتے ہیں اور یہ قرب محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ محبت محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ہوتی ہے، کیونکہ ایمان نے رنگ و نسل و معاشرت و معیشت کے امتیاز کے بغیر اجنبیوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا اور پھر جب سلام کا مبارک طریقہ اپنا لیا جائے تو یہ تعلق محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بہت گراں قدر نعمت ہے اور جب محبت قائم ہو جائے تو پھر اس کا اظہار دونوں طرف سے اس جذبہ کی پختگی کا باعث بنتی ہے۔ محبت کے اظہار کی تاکید اس ارشاد مبارکہ سے بھی ملتی ہے۔

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آیا تو دیکھا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ لوگ ہیں، ان میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ! میں ''فلاں'' سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں'' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اس کے پاس جاؤ اور اسے بتا دو'' چنانچہ وہ شخص گیا اور اسے خبر دی (کہ وہ اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے) وہ بولا کہ ''تجھ سے وہ محبت کرے جس کی راہ میں تو نے مجھ سے محبت کی ہے''۔ پھر وہ واپس ہوا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، تب اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ''ہاں اور اس نے ایسا کہا ہے'' تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے طلب اجر کیا''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[۳]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق و تعلق ایسا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی ہر بات اپنا ہر عمل اور اپنے احساسات تک آپ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے وہ اس حقیقت کے بڑے جاننے والے تھے کہ ان کے اعمال درجہ قبولیت پا لیتے ہیں۔ محبت کا اظہار اپنے بھائی سے کرنا علماء کے نزدیک وجوب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اسلام نے ایک اعلیٰ ترین تصور معاشرت دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاں محبت والفت کرنے اور اس کو ظاہر کر دینے سے متعلق فرمایا ہے وہیں یہ بھی تاکید فرمائی کہ آپسی دوستی کی حدیں پار نہ کی جائیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے کہ ''اپنے دوست کی دوستی تو حد سے زیادہ مت بڑھاؤ کیوں کہ ممکن ہے کہ کبھی تمہاری اور اس کی ان بن ہو جائے اور دشمن (کے ساتھ بھی احتیاطی معاملہ ہو) سے اس حد تک دشمنی ہو کہ اندازہ سے بڑھ نہ جائے کیوں کہ ممکن ہے

کہ کبھی وہ تمہارا دوست ہو جائے''۔[4]

اس ارشاد مبارک سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دوستی اور دشمنی میں بھی اخلاقی حدوں سے تجاوز نہ کیا جائے بلکہ اعتدال وتوازن رہے تا کہ برعکس صورتحال پیدا ہو جائے تو مسائل اور شرمندگی کا سامنا نہ ہو۔ جس زاویہ سے غور کیا جائے دین حق کی تعلیمات تمام انسانوں کے لئے یکساں مفید اور دنیا وآخرت میں سرخروئی کا موجب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا ''اے ابوذر! ایمان کی گرہوں میں سے کون سی گرہ مضبوط ہے''۔ عرض کیا ''اللہ رسولؐ ہی خوب جانیں''۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''اللہ کی راہ میں دوستی اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی یا ملاقات کرتا ہے تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اچھا، تیرا چلنا اچھا اور تو نے جنت میں منزل یعنی گھر بنالیا''۔[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے تو ہر ایک سوچ لے کہ کس سے محبت کرتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[7]

حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ''کیا میں تمہیں بہترین مسلمان کی خبر نہ دوں''۔ صحابہ نے عرض کیا ''ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''تم میں بہترین وہ ہیں کہ جو جب دیکھے جائیں تو اللہ یاد آجائے''۔[8]

---

(۱) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۵۴، حدیث نمبر ۲۳۹۲ (۲) مسلم کتاب الایمان، باب ۲۲، حدیث نمبر ۱۹۴ (۳) بیہقی (۴) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۶۰، حدیث نمبر ۱۹۹۷ (۵) بیہقی شعب الایمان (۶) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۶۴، حدیث نمبر ۲۰۰۸ (۷) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۴۵، حدیث نمبر ۲۳۷۸ (۸) ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ۴، حدیث نمبر ۴۱۱۹

چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی توقیر کرو

قال رسول الله صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

لیس منا من لم یرحم صغیرناو یوقر کبیرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم (شفقت) اور ہمارے بڑے کی توقیر (ادب) نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں''۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[1]

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ ہم میں سے نہیں جو رحم نہ کرے ہمارے چھوٹے پر اور توقیر نہ کرے ہمارے بڑے کی''۔[2]

اس حدیث شریف کی تشریح میں علماء کرام نے ارشاد کیا ہے کہ ''وہ ہم میں سے نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہماری سنت اور ادب کے موافق نہیں۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں حقوق وفرائض کے متعلق تصریحات موجود ہیں۔ اولاد کے ماں باپ پر اور ماں باپ کے اولاد پر حقوق کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس حدیث شریف میں ان دونوں پہلوؤں پر نہایت جامع ارشاد ملتا ہے۔ ایک صالح معاشرہ کا تصور اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں حقوق کی ادائیگی کا جذبہ اور مختلف معاشرتی اکائیوں کے درمیان ربط وتعلق کے ضمن میں اعتدال وتوازن نہ موجود ہو،

اس کے لئے اسلام نے حقوق کے ضمن میں واضح رہنمائی فرمادی ہے، جس کی روشنی میں ایک بہتر معاشرت قائم ہوتی ہے جو دنیوی اور اخروی اعتبار سے موجب فلاح ہے۔ ماں باپ اور بزرگوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایتیں اس کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اس بات سے ان کی اہمیت کا شدید احساس و اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اولاد کے حقوق کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔ یہ خصوصیت صرف تعلیمات اسلام میں ملتی ہے ورنہ قدیم تصورات میں اولاد کے حق کا کہیں ایسا تذکرہ نہیں ملتا۔ چھوٹوں پر شفقت و مہربانی سے پیش آنا اسلامی اخلاقیات کا ایک اہم حصہ ہے جب کہ اولاد کے حقوق کے بارے میں یہ ہدایت ملتی ہے کہ ان کی بہتر نشوونما، ترقی، پرورش اور تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام کریں۔ اولاد کشی کو ممنوع قرار دیا گیا، چاہے وہ کسی باطل عقیدہ، سفاکانہ رسم، بے رحمی، غربت و فاقہ کشی کے خوف یا کسی اور وجہ سے ہو منع کر دیا۔ دختر کشی کی انسانیت سوز حرکتوں سے قطعاً روک دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں سے پیار اور محبت کا عملی درس دیا اور اسے رحم سے تعبیر فرمایا ہے۔

اقرع بن حابسؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسہ حضرت امام حسنؓ کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ دیکھ کر اقرعؓ نے عرض کی کہ میرے دس لڑکے ہیں لیکن میں نے ان میں سے ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا۔ یہ سن کر حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں کیا جاتا“۔[۳]

اولاد (لڑکوں، پوتوں، نواسوں یا چھوٹے بچوں کو) پیار کرنا، گود میں لینا، کاندھے پر چڑھانا وغیرہ امور سنت ہیں اور منافی دین نہیں۔ لڑکیاں زمانہ جاہلیت میں بلا اور مصیبت تصور کی جاتی تھیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بلا اور مصیبت سمجھی جانے والی خلقت کو رحمت اور وجہ شفاعت بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو کوئی تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں

رکھتا ہو پھر اچھی طرح ان کا ساتھ دیا اور ڈرا اللہ سے ان کی پرورش کرنے میں سو اس کے لئے جنت ہے''۔[۴]

یہ بات معلوم و ثابت ہے کہ لڑکیوں کی اچھی پرورش، عمدہ تربیت اور بہترین نگہداشت کر کے ان کا نکاح کر دیوے تو وہی لڑکیاں یا لڑکی جس کے ساتھ اس کے باپ نے محبت و مہربانی کا سلوک کیا تو انھیں دوزخ کے عذاب سے چھٹکارے کا سبب بن سکے گی۔ اور وہ اپنے باپ کے لئے اس طرح رحمت ثابت ہوگی کہ وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائے گی۔ اس مفہوم کی حدیث شریف صحیح بخاری میں موجود ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس کے سوال پر میں نے میرے پاس موجود ایک کھجور اسے دیا جسے اس نے دونوں لڑکیوں میں بانٹ دیا اور خود نہ کھائی پھر وہ اُٹھ کر چلی گئی۔ (جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس واقعہ کی تفصیل بتائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جو گرفتار ہوا ان لڑکیوں میں ہوویں گی یہ اس کے لئے پردہ دوزخ سے''۔ یعنی اس نے اچھا کام کیا وہ اس حسنہ کے سبب آتش دوزخ سے محفوظ ہوئی اور جنت میں داخل ہوگئی''۔[۵]

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۱۵، حدیث نمبر ۱۹۱۹ (۲) احمد (۳) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۵۹۹۷

(۴) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۱۳، حدیث نمبر ۱۹۱۶ (۵) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۵۹۹۵

جو لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا اللہ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم

لا یرحم الله من لا یرحم الناس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا''۔

(بہ روایت حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخلوق پر رحم وشفقت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں پر جو رحم ومہربانی کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرماتا ہے اور جو لوگوں کے ساتھ رحم نہیں کرتا یعنی بے رحمی اور شقاوت سے پیش آتا ہے وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ رحم نہیں فرماتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان پر ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) رحم رحمٰن سے وابستہ ہے لہذا جو شخص اس کو جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس سے رشتہ جوڑے گا اور جو شخص اس کو قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے قطع تعلق کرے گا۔''

(بہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ)[2]

رحم ایک اعلیٰ وصف ہے جو اس صفت سے متصف ہوتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں

شامل ہو جاتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں فضل و کرم ہوا کرتا ہے کیوں کہ رحمدل بندہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، محبت و شفقت اور رحم و مہربانی سے پیش آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحق رحم و فضل ہو جاتا ہے۔ رحم و مہربانی کا دائرہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ اس میں جملہ مخلوقات کے ساتھ مرحمانہ معاملات سمٹ آتے ہیں۔ مثلاً اس کا ایک پہلو ہے بچوں سے محبت اور ان کے ساتھ دلار اور ان پر شفقت وغیرہ۔ بچوں کے ساتھ محبت رحم کی ایک اہم شاخ ہے اس کے ذریعہ کسی بھی فرد کے متعلق اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتنا رحم دل انسان ہے گویا بچوں سے پیار ''رحم'' کی علامت اور اس وصف سے متصف ہونے کی دلیل ہے جسے اللہ تعالیٰ کا انعام فرمایا گیا ہے۔ یقیناً اچھے اوصاف سے مالا مال ہونا بجائے خود افضال و اکرام حق تعالیٰ سے بہرہ مند ہونے کا نشان ہے۔

اس ارشاد مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کو پیار کرنا رحم اور اللہ کی عطا ہے۔ رحمت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت اور بندوں پر کرم و عنایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو ایک کتاب میں اس نے یہ لکھ لیا جو اس کے پاس بالائے عرش ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ)[۳]

ایک اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے''۔[۴]

مخلوقات پر خالق اکبر کا کتنا فضل و کرم ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بہت چاہتا اور عزیز رکھتا ہے اور اسے یہ پسند ہے کہ بندے بھی آپس میں رحم و مہربانی، محبت و شفقت اور عمدہ

معاملت ومعاشرت رکھیں۔رحم کی حقیقت یا رحمت کا فیض اثر سمجھنے کے لئے یہ حدیث شریف سعادت بخشتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں جس کے منجملہ ایک حصہ رحمت وہ ہے جس کی بنیاد پر مخلوقات ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ننانوے حصہ قیامت کے واسطے ہیں“۔[۵]

حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا سو رحمتیں پیدا کیں ہر ایک رحمت اتنی بڑی ہے جیسے زمین وآسمان کے درمیان فاصلہ ہے منجملہ اس کے ایک رحمت زمین میں مقرر فرمائی اسی رحمت کی بنیاد پر ماں اپنے بچہ سے محبت کرتی ہے اور چرند پرند ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت سے اس کی تکمیل کرے گا (یعنی اس ننانوے رحمت میں اس ایک رحمت کو بھی شریک فرما کر پوری سو کی تکمیل کرے گا)“۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قیدی آئے ان قیدیوں میں ایک عورت تھی جو دوڑتی پھرتی تھی اور دودھ اس کی چھاتی سے نکلا پڑتا تھا وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی اتنے میں ان قیدیوں میں اس کو ایک لڑکا ملا اس نے اس کو (جھٹ گود میں) لے لیا اور دودھ پلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اس عورت کی نسبت تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہ اپنے بچہ کو آگ میں ڈالدے گی؟“ ہم نے عرض کیا جی نہیں قسم اللہ کی ایسی حالت میں کہ یہ اس کے آگ میں نہ ڈالنے پر قادر ہو (یعنی حتی المقدور اپنے بچہ کو آگ میں نہ ڈالے گی) تو آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہے جیسے اس عورت کو اپنے بچہ سے محبت ہے۔

(بہ روایت حضرت عمرؓ بن خطاب)[۷]

---

(۱) بخاری، کتاب التوحید، باب ۲، حدیث نمبر ۷۳۷۶ (۲) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۱۶، حدیث نمبر ۱۹۲۴ (۳) بخاری، کتاب التوحید، باب ۱۵، حدیث نمبر ۷۴۰۴ (۴) بخاری، کتاب التوحید، باب ۵۵، حدیث نمبر ۷۵۵۳ (۵۔۶) مسلم، کتاب التوبۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۶۹۷۵، ۶۹۷۷ (۷) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۵۹۹۹

نرمی سے محرومی بھلائی سے محرومی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

من یحرم الرفق یحرم الخیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا''۔

(بہ روایت حضرت جریر رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''نرمی'' کی بے پناہ اہمیت اور فضیلت کا پتہ چلتا ہے کہ نرمی وہ حقیقت ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے آدمی کسی بھی قسم کی بھلائی سے محروم نہیں رہ سکتا۔ نرمی زندگی کی ہر اچھائی اور بھلائی کا سبب سعادت اور نیک بختی کا موجب ہوتی ہے اور نرمی کے برخلاف شدت اور کرختگی ان تمام بھلائیوں سے محرومی کی وجہ بن جاتی ہے۔ نرمی اصل میں خوش خلقی، مروت اور حسن سلوک کا مترادف ہے۔ نرم خوئی ان تمام محاسن کی مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نرمی پسند ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو اس حدیث پاک میں واضح فرمایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نرمی (اور خوش خلقی) پسند کرتا ہے اور خود بھی نرم ہے اور دیتا ہے نرمی پر، جو نہیں دیتا سختی پر اور نہ کسی (ایسی سختی والی) چیز پر''۔[2]

نرمی ایک حسن و خوبی اور زینت ہے اور جو اس خوبی سے محروم ہو وہ عیب والا ہے۔ یہ بات حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب کسی میں نرمی ہو تو اس کی زینت ہو جاتی ہے اور جب نرمی نکل جاوے تو عیب ہو جاتا ہے“۔ (حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ)[۳]

ایک مرتبہ ایک منہ زور اونٹ پر ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سوار ہوئیں اور اسے پھرانے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تمہیں نرمی کرنی چاہیئے“۔[۴]

حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کو کسی کام کی غرض سے (امیر یا عامل بنا کر کہیں) بھیجتے تو ان کو سمجھاتے کہ ”(لوگوں کو) خوش خبری سناؤ نفرت خیز بات نہ کہو اور آسان طریقہ بتلاؤ مشکل میں مت ڈالو“۔[۵]

نرمی اور مہربانی کے سلسلہ میں کوئی تخصیص و امتیاز نہیں۔ انسانوں، جانوروں اور دیگر مخلوقات سب کے ساتھ نرم برتاؤ اور مہربانی سے پیش آنے کی ہدایت ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”ایک بار ایک آدمی چلا جا رہا تھا تو راستہ میں اسے بہت زور کی پیاس لگی ایک کنواں نظر آیا (وہ) اس کے اندر اترا اور پانی پی کر باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کے سبب سے کیچڑ چاٹ رہا ہے اس آدمی نے سوچا کتے کو بھی پیاس کے سبب سے وہی تکلیف پہنچی ہو گی جو مجھے پہنچی یہ سوچ کر کنویں میں اترا اپنے موزے میں پانی بھرا پھر اپنے منہ میں پکڑ کر (اوپر آ کر) اس کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی قدر کی اور اسے بخش دیا“۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! کیا جانوروں کے متعلق بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ”ہر تر جگر رکھنے والے کے متعلق اجر ملے گا“۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۶]

نرم جوئی بجائے خود ایک بڑی نیکی اور نیکیوں کا سبب ہے۔ نرمی کرنے والا اور جس کے ساتھ نرمی کی جائے دونوں کو نرم رویہ مسرور اور مطمئن رکھتا ہے۔ دوسرے کو خوش کرنا نیکی ہے۔

ہر امر میں نرمی برتنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں اس کی عملی ہدایت اور تعلیم امت کے لئے قیامت تک موجود ہے۔ بارہا یہود کے گستاخانہ رویوں اور دل آزار و نامناسب طرزِ تکلم کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی، ملائمت اور مرحمانہ طرز روا رکھا اور جتا دیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کو نرمی پسند ہے اس نرم برتاؤ نے آخرکار دشمنوں کو آپ کی حقانیت کا قائل کر دیا اور وہ سب آپ کے دامن رحمت میں سمٹ آئے۔

نرمی، خوش روئی، دھیما اور مؤثر طرز کلام، حسن خلق، عمدہ معاملت، لوگوں کے ساتھ اچھی معاشرت، سچائی، راست بازی اور وقت کی پہچان اور قدر کے ذریعہ بندہ اپنے روز وشب کو نیکیوں سے معمور و مزین کر سکتا ہے۔ نرم خو آدمی بلاشبہ بھلائیوں سے مالا مال ہوتا ہے اور جو نرمی چھوڑے گویا اس نے بھلائیوں سے منہ موڑ لیا۔

(۱۔۴) مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب ۲۳، حدیث نمبر ۶۵۹۸، ۶۶۰۱۔۶۶۰۳ (۵) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۷، حدیث نمبر ۴۸۲۷ (۶) بخاری، کتاب، باب ۲۷، حدیث نمبر ۶۰۰۹

بھلائی اور برائی کی حقیقت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

البر حسن الخلق و الاثم ماحاك فی نفسك و كرهت ان يطلع عليه الناس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بھلائی حسن خلق کو کہتے ہیں اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں چھپے اور تجھ کو برا لگے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں''۔(بہ روایت حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ)[1]

حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے بھلائی اور برائی کے متعلق دریافت کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا'' بھلائی حسن خلق کو کہتے ہیں....''۔

اس ارشاد مبارکہ میں بھلائی اور برائی کی اتنی جامع اور حقیقی تعریف ملتی ہے کہ صرف دولفظوں میں سارے حقائق واضح ہوگئے۔ بھلائی دراصل حسن خلق یعنی لوگوں سے خوش مزاجی سے ملنا، ان کی دلداری اور دلجوئی کرنا اور حتی المقدور دنیوی امور میں کسی کو ناراض نہ کرنا اور برائی کی پہچان اس طرح کرادی گئی کہ کسی بھی امر میں کوئی ایسی بات کہ جس سے لوگوں کو مطلع ہونا برا معلوم ہو اثم یا برائی ہے۔اس تعریف اثم میں تمام گناہ شامل ہوگئے۔

حضرت نواس بن سمعانؓ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک

سال تک رہے۔[۲] ایسے جیسے کوئی شرف ملاقات کے لئے حاضر ہوتا ہے اور اپنے وطن واپس جانے کا ارادرہ رکھتا ہو۔حضرت نواسؓ نے ہجرت نہیں کی تھی اسی وجہ سے واپسی کا خیال نہ بدلا (یعنی انہوں نے اپنے ملک میں جانے کا ارادہ موقوف نہ کیا) چوں کہ مسافروں کو دریافت وسوال کی اجازت تھی اسی لئے جب انہوں نے بھلائی اور برائی کے بارے میں پوچھا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''نیکی حسن خلق اور.....''۔حسن خلق میں نرمی اور لوگوں کے لئے آسانی مہیا کرنا بہت اہم پہلو ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ارشادات مبارکہ اور تعلیمات اقدس میں بطور خاص اس کی تاکید ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجنے لگے تو ارشاد فرمایا ''آسانی کرنا، سختی نہ کرنا اور خوش خبری سنانا، نفرت نہ دلانا بلکہ رغبت دلانا''۔[۳]

لوگوں کی دلداری اور دلجوئی سے متعلق یہ واقعہ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ ''میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھی اور میری سہیلیاں میرے ساتھ کھیلتی تھیں جب آپ اندر تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتی تھیں۔آپ ان کو بلا کر میرے پاس لے آتے میں پھر ان کے ساتھ کھیلنے لگتی''۔[۴]

حسن سلوک بھلائی کا ایک اہم حصہ ہے۔لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور خوش اخلاقی سے پیش آنا بہت ہی عمدہ اور پسندیدہ طریقہ ہے جس کی اسلام میں بار بار ہدایات ملتی ہیں۔لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا بجائے خود نیکی اور بھلائی ہے خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا ''اسے اندر آنے دو وہ قبیلہ کا بُرا بیٹا یا قبیلہ کا بُرا بھائی ہے''۔جب وہ اندر آیا تو آپ نے اس سے نرمی سے گفتگو کی۔ ام

المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! آپ نے اس کے متعلق فرمایا جو آپ نے فرمایا، پھر جب وہ اندر آیا تو آپ نے اس سے نرمی سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا ''اے عائشہ! اللہ کے نزدیک سب سے برا آدمی درجہ کے لحاظ سے وہ ہے جس کو لوگوں نے اس کی فحش باتوں سے بچنے کے لئے چھوڑ دیا ہو''۔[۵]

اسی طرح زیردست و ماتحتین کے ساتھ نرمی بھی بھلائی کا ایک اہم باب ہے۔ احادیث شریفہ میں ماتحت (لونڈی غلام) کے ساتھ اچھے برتاؤ، محبت، حسن سلوک کی تاکید ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ان کو کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور ان کو اتنا کام مت ڈالو جو ان کو تکلیف میں ڈالے۔ اگر کبھی ایسا ہو تو تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ''۔

(بہ روایت حضرت ابوذرؓ)[۶]

اس سے یہ درس ملتا ہے کہ ماتحتین کے ساتھ نرمی و ملائمت سے پیش آنا یعنی اپنے نوکروں، خادموں، بال بچوں اور دوستوں سے آہستگی اور لطف و مہربانی کے ساتھ گفتگو کرنا ان پر غصہ نہ ہونا جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس بارے میں زندہ جاوید عملی نمونہ اخلاق ہمارے سامنے ہے۔ حضرت انسؓ نے خدمت عالیہ میں دس برس گذارنے کی سعادت حاصل کی لیکن اس تمام عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی نہ ان کو سخت لفظ کہا نہ گھورا نہ جھڑکا۔[۷] حسن خلق سے متعلق تمام پہلو بھلائی کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے''۔[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نرم خو (رفیق) ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا

ہے"۔[9]

سچائی، امانت داری، مروت، صلہ رحمی، ایثار، انفاق، خندہ جبینی، معاونت، ایفائے وعدہ، اچھی اور نیکی کی ترغیب، قلب کی صفائی، کینہ بغض حسد سے دوری، فکر و عمل کی یکسانی، انکساری، تواضع لوگوں کے ساتھ ہمدردی، لوگوں کی دلجوئی، اچھی گفتگو، نرم لہجہ، لطف و مہربانی، معاف کرنا، عدم انتقام، خیر خواہی، حسن سلوک، اچھا مشورہ دینا، حق گوئی، اخلاقی جراءت وغیرہ تمام اوصاف بھلائی کے ہی مختلف پہلو ہیں جو بر یا حسن خلق سے موسوم ہیں جب کہ اثم ان تمام صفات اور خصلتوں کے بالکلیہ برعکس ہیں۔ ان دونوں کی حدیث شریف میں بہت آسان اور حقیقی تشریح فرمادی گئی ہے۔ وہ کام جس سے دل مطمئن اور روح بالیدہ ہو بر یا بھلائی ہے اور جو کام یا بات دل میں چبھے اور لوگ اس کام یا بات سے باخبر ہوں تو خود بولنے والے کو برا محسوس ہو اور شرمندگی اُٹھانی پڑے یقیناً وہ کام یا وہ بات اثم یا برائی ہے۔ گویا بھلائی اور برائی کا فرق اور احساس دلانے والا خود ہمارا دل یا ضمیر ہے۔

---

(۱) مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب ۵، حدیث نمبر ۶۵۱۷ (۲) ایضاً (۳) بخاری، کتاب الاحکام، باب ۲۲، حدیث نمبر ۷۱۷۲ (۴) بخاری، کتاب الادب، باب ۸۱، حدیث نمبر ۶۱۳۰ (۵) بخاری، کتاب الادب، باب ۴۸، حدیث نمبر ۶۰۵۴ (۶) بخاری، کتاب العتق، باب ۱۵، حدیث نمبر ۲۵۴۵ (۷) بخاری، کتاب الادب، باب ۳۹، حدیث نمبر ۶۰۳۸ (۸،۹) مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب ۲۳، حدیث نمبر ۶۶۰۲، ۶۶۰۱

ظلم مت کرو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

فیـما روی عن الله تبارک و تـعـالـی انـه: قال: یا عبادی! انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرما، فلا تظالموا، یا عبادی! کلکم ضال الا من هدیته، فاستهدونی اهدکم، یا عبادی! کـلـکـم جـائـع الا مـن اطـعـمتـه، فستطعمونی اطعمکم، یا عبادی! کلکم عار الا من کسوته، فـاسـتـکسـونـی اکسـکـم، یـا عبادی انکم تخطئون با للیل و النهار، وانا اغفر الذنوب جمیعا، فـاستغفرونی اغفر لکم، یا عبادی! انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی، و لن تبلغوا نفعی فتنفعونی، یـا عبادی! لو ان اولکم و آخرکم، و انسکم و جنکم، کانوا علی اتقی قلب رجل و احد منکم، ما زاد ذ لک فـی مـلکی شیئا، یا عبادی! لو ان لولکم و آخرکم، و انسکم و جنکم، کانوا علی افـجـر قـلب رجل واحد، ما نقص ذ لک مـن مـلـکـی شیئا، یا عبادی! لو ان اولکم و آخرکم، وانسکم و جنکم، قاموا فی صعید واحد فسألونی، فأعطیت کل انسان مسألته، مانقص ذلک مـما عندی الا کما ینقص المخیط اذا أدخل البحر، یا عبادی! انما هی أعمالکم أحصیها لکم، ثـم اوفیـکـم أیـاهـا، فـمن وجد خیرا فلیحمد الله، ومن وجد غیر ذ لک فـلا یـلومن الا نفسه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سنا، فرمایا اس نے کہ ”اے میرے بندو! میں نے ظلم

کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، تو تم مت ظلم کرو آپس میں ایک دوسرے پر۔ اے بندو! تم سب گمراہ ہو، مگر جس کو میں راہ بتلاوں تو مجھ سے راہ مانگو میں تم کو راہ بتلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، مگر جس کو میں کھلاوں تو مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو، مگر جس کو میں پہناؤں تو کپڑا مانگو مجھ سے میں تم کو پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہوں کو بخشتا ہوں تو بخشش چاہو مجھ سے میں تم کو بخشوں گا۔ اے میرے بندو! تم میرا نقصان نہیں کر سکتے اور نہ مجھ کو فائدہ پہنچا سکتے ہو، اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جنات سب ایسے ہو جاویں جیسے تم میں کا بڑا پرہیز گار شخص تو میری سلطنت میں کچھ افزائش نہ ہوگی اور اگر تم میں کے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جنات سب ایسے ہو جاویں جیسے تم میں کا بڑا بدکار شخص تو میری سلطنت میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہوں پھر مجھ سے مانگنا شروع کریں اور میں ہر ایک کو جو مانگے سودوں تب بھی جو کچھ ہے وہ کم نہ ہوگا، مگر اتنا جیسے دریا میں سوئی ڈبو کر نکال لو، تو دریا کا جتنا پانی کم ہو جاتا ہے اتنا بھی میرا خزانہ کم نہ ہوگا اس لئے کہ دریا کتنا ہی بڑا ہو آخر محدود ہے اور میرا خزانہ بے انتہا ہے (یہ صرف مثال ہے)۔ اے میرے بندو! یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں جن کو تمہارے لئے شمار کرتا رہتا ہوں پھر تم کو ان اعمال کا پورا بدلہ دوں گا سو جو شخص بہتر بدلہ پاوے تو چاہئے کہ خدا کا شکر کرے (کہ اس کی کمائی بیکار نہ گئی) اور جو برا بدلہ پاوے تو اپنے ہی تئیں برا سمجھے (کہ اس نے جیسا کیا ویسا پایا)''۔

(بہ روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ)[1]

حضرت سعیدؒ نے کہا کہ حضرت ابوادریس قولانیؒ جب یہ حدیث بیان کرتے تو اپنے گھٹنوں کے بل گر

پڑتے۔[۲] اس حدیث شریفہ کی تشریح کے ضمن میں یہ تفصیلات ملتی ہیں کہ قرآن مجید میں آیت الکرسی اور احادیث میں یہ حدیث شریف، خداوند عالی جاہ بے پرواہ کی عظمت اور دبدبہ کے بیان میں بے مثل ہے۔اس حدیث سے صاف نکلتا ہے کہ خدا کی بادشاہی بندوں کی سی بادشاہی نہیں، بلکہ خداوند کریم محض بے پرواہ ہے اوراس کو کسی سے رتی برابر بھی ڈراور خوف نہیں ہے۔کوئی کیسا ہی مقبول بندہ ہواور کیسا ہی عزت والا اور درجہ والا ہوسب اس کے بندے اور وہ شہنشاہ بے پرواہ ہے۔دنیا میں بھی وہی کھلاتا پلاتا ہےاور آخرت میں بھی وہی چاہےتو بیڑا پار ہو۔اس کے سواء کوئی مالک نہیں ہے۔اس کی سلطنت اور بے پرواہی اس درجہ پر ہے کہ اگر تمام جہاں متقی ہو جائے تو اس کی حکومت کی کچھ رونق نہ بڑھے گی اور جو تمام جہاں بدکار ہو جائے،تو اس کی سلطنت میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''تم ظلم سے بچو، کیونکہ تاریکیاں ہیں قیامت کے دن (ظالم کو راہ نہ ملے گی قیامت کے دن بوجہ تاریکی اوراندھیرے کے)اور تم بخیلی سے بچو، کیونکہ بخیلی نے تم سے پہلے لوگوں کو تباہ کردیا (مال کی طمع ہوئی) تو انھوں نے خون کیئے اور حرام کو حلال کیا''۔ (بہ روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ)[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟''۔لوگوں نے عرض کیا ''مفلس ہم میں وہ ہے، جس کے پاس درہم اور اسباب نہ ہو''۔آپ نے فرمایا ''قیامت کے دن میری امت میں مفلس وہ ہوگا، جو نماز لاوے گا اور روزہ زکوٰۃ (لاوے گا)، لیکن اس نے دنیا میں ایک کو گالی دی ہوگی، دوسرے کو بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی، تیسرے کا مال کھالیا ہوگا، چوتھے کا خون کیا ہوگا، پانچویں کو مارا ہوگا، پھران لوگوں کو (یعنی جن کو اس نے دنیا میں ستایا) اس کی نیکیاں مل جاویں گی اور جو اس کی نیکیاں اس کے گناہ ادا ہونے سے پہلے ختم ہو جاویں گی، تو ان لوگوں کی برائیاں اس پر ڈالی جائیں گی، آخر وہ جہنم میں ڈال دیا

جائے گا۔‘‘ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’بے شک اللہ جل جلالہ مہلت دیتا ہے ظالم کو اور پھر جب پکڑتا ہے، تو اس کو نہیں چھوڑتا‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابو موسیٰؓ)[6]

---

(۱) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۵۷۲ (۲) ایضاً (۳) شرح نووی ترجمہ وحیدی (۴) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۵۷۶ (۵، ۶) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۵۷۹، ۶۵۸۱

صابر کے لئے جنت ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

المسلم اذا کان یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من

المسلم الذی لایخالط الناس ولایصبر علی اذاھم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو مسلمان لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان کی باتوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے اچھا ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا اور نہ ہی ان کی باتوں پر صبر کرتا ہے“۔ (بہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

صبر کے لفظی معنی تنگی و ناخوش گواری کی حالت میں اپنے کو روکنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ ہجوم مشکلات کے وقت نہ گھبرانا، ثابت قدم رہنا، دل کو قابو میں رکھنا۔ صبر کا بڑا خاص اجر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب دنیا میں بندہ مومن کی پسندیدہ چیز چلی جاتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور اس کو باعث ثواب شمار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کوئی ثواب دے کر راضی نہیں ہوتا سوائے جنت کے“۔ (بہ روایت ابو ہریرہؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے سائے میں ایک چادر پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ تو ہم نے شکوہ کے طور پر کہا کہ کیا آپ ہماری مدد اللہ سے نہیں مانگتے ہمارے لئے آپ دعا نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کے پیشتر آدمیوں کو پکڑ کر زمین میں گاڑ دیا جاتا اور ان کے سر پر آرا لاکر رکھا جاتا تھا اور وہ دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے اور لوہے کا کنگھا اس کے گوشت اور ہڈی پر کیا جاتا تھا مگر اس پر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اس کام کو (اشاعت دین اسلام دعوت حق) ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ سوار صنعا سے حضر موت تک برابر چلا جائے گا اور اسے سوائے اللہ کے اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا۔ تم لوگ جلدی کر رہے ہو''۔[۳]

مصیبت میں تحمل کرنے کو صبر کہتے ہیں۔ صبر کا ثواب بے اندازہ ہے۔ صبر فیضان ایمان ہے۔ صبر سے استقلال اور ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت (کو دیکھا) جو اپنی لڑکی کی موت کے غم میں رو رہی تھی آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ''اللہ کا خوف کر اور صبر کر''۔ اس نے جواب دیا کہ آپ کو میری مصیبت کی کیا پرواہ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے مراجعت فرما گئے تو اس عورت سے کہا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے بس (وہ یہ سن کر دم بخود ہوگئی) اور گویا اس کی موت آ گئی پھر وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر آئی یہاں اس نے دیکھا کہ کوئی دربان نہیں تھا پھر آپ کے پاس آئی اور کہا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ کو پہچانا نہیں''۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''پہلے صدمہ کے وقت صبر کرنا چاہیئے یعنی صدمہ اولیٰ کے وقت صبر کرنا ہی دراصل صبر ہے''۔[۴]

حضرت ابوسنان کے فرزند کا انتقال ہوگیا تو انھوں نے اسے دفن کیا اور قبر کے کنارے بیٹھے تھے کہ

ابوطلحہ خولانی نے کہا کہ ''کیا میں تمہیں بشارت نہ دوں'' ابوسنان نے کہا ''کیوں نہیں'' تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جب کسی بندہ کی اولاد مر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ ''تم نے میرے بندے کی اولاد کو قبض کیا ہے'' وہ کہتے ہیں ''ہاں'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اس کے دل کی خوشی کو تم نے قبض کرلیا ہے'' تو کہتے ہیں کہ ''ہاں'' تو اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے کہ پھر میرے بندے نے کیا کہا تو وہ کہتے ہیں ''تیری تعریف کی اور انا للہ الخ کہا'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میرے بندے کیلئے جنت میں ایک مکان بناؤ اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔'' [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص نے اپنے دونوں محبوب یعنی آنکھوں کے جاتے رہنے پر صبر کیا میں اس کو کوئی ثواب دیکر راضی نہیں ہوتا مگر جنت۔''

(بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ) [6]

دونوں آنکھوں کے چلے جانے پر صبر کرنے والا جنت پالیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

صبر فتوحات کی کنجی ہے۔ جہاں میں جب ہر طرح کی تکلیف پر آدمی صبر کرتا ہے تو اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور عزت و دولت و راحت اس کو آکر سلام کرتی ہے کاشتکار جب گرمی اور بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھا کر محنت کرتا ہے تو غلہ کاٹتا ہے الغرض دنیا و آخرت کے تمام کاروبار کا صبر پر مدار ہے اسی طرح ہر تکلیف اور مرض و مشکل میں جب بندہ مومن صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس سے اسے اجر عظیم عطا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ دیکھو یہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے پس جب لوگ اس کے پاس آتے ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور حمد کرتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اللہ تعالیٰ سے جا کر عرض

کرتے ہیں حالاں کہ وہ خوب جانتا رہتا ہے (فرماتا ہے) کہ میرے بندے کا مجھ پر حق ہے اگر میں اپنے بندہ کو وفات دوں گا جنت میں داخل کروں گا۔اور اگر شفا دوں گا تو اس کے گوشت کو اچھے گوشت سے اور اس کے خون کو اچھے خون سے بدل دوں گا اور اس کے گناہ بخش دوں گا۔ (بہ روایت عطاء بن یسارؓ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی ہی چیز ہے جو اس نے لے لی، اللہ ہی کی چیز ہے جو اس نے دی اور ہر ایک چیز کی اس کے یہاں ایک مدت مقرر ہے پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔''[8]

---

(۱) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۱۲۰/۵۵، حدیث نمبر ۲۵۰۷ (۲) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۶، حدیث نمبر ۶۴۲۴ (۳) بخاری، کتاب الاکراہ، باب ۱، حدیث نمبر ۶۹۴۳ (۴) بخاری، کتاب الجنائز، باب ۳۱، حدیث نمبر ۱۲۸۳ (۵) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ۳۶، حدیث نمبر ۱۰۲۱ (۶) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۵۷/۵۸، حدیث نمبر ۲۴۰۰ (۷) مالک موطا (۸) بخاری، کتاب القدر، باب ۴، حدیث نمبر ۶۶۰۲

جو ابتداء کرے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

المستبان ما قالا، فعلی البادی ء، ما لم یعتد المظلوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جب دو شخص گالی گلوج کریں تو دونوں کا گناہ اس پر ہوگا جو ابتداء کرے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے''۔(بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

مطلب یہ کہ دونوں کا گناہ اسی پر ہوگا جو ابتداء کرے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے یعنی ابتداء کرنے والے کو اس سے زیادہ سخت نہ سنا دے اگر اتنا ہی جواب دے تو جائز ہے بہ نص قرآنی

''اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں''۔ (ق ۴۱/۴۲)

لیکن افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور معاف کر دیوے۔

مسلمانوں کو ناحق گالی دینا حرام ہے اور جس کو گالی دی جائے، وہ اتنا ہی جواب دے سکتا ہے، بشرطیکہ کذب یا قذف یا اس کے بزرگوں کو گالی نہ ہو، تو مباح یہی ہے کہ ظالم یا احمق یا جفار کہے اور جب جواب دے دیا تو اس کا حق جاتا رہا اور ابتداء کرنے والے پر ابتداء کا گناہ رہا اور بعضوں کے نزدیک اس کا بھی گناہ جاتا رہا۔ (نووی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف

کر دیتا ہے، اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بڑھاتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[2]

اس حدیث شریف کے ذریعہ صدقہ دینے، معاف کرنے اور عجز و انکسار کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ ایسے اوصاف ہیں جس کے ذریعہ بندہ راست بارگاہ خداوند کریم سے زیادتی مال، عزت و درجات کی بلندی کی نعمتیں پاتا ہے۔ ظاہر ہے ان اچھے خصائل کے سبب نقصان، ذلت اور کمتری کے وبال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے''۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر کرے اس طرح پر کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار ہو''۔ لوگوں نے کہا ''یا رسول اللہؐ! اگر ہمارے بھائی میں وہ عیب موجود ہو''۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جب ہی تو غیبت ہوگی نہیں تو بہتان اور افترا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[3]

نووی نے کہا کہ غیبت غرض شرعی سے درست ہے اور وہ چھ سبب سے ہوتی ہے ایک تو ظلم، لہٰذا مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا بادشاہ یا قاضی کے سامنے درست ہے۔ یعنی یہ بیان کرنا کہ فلاں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرے کسی گناہ اور خلاف شرع کام کو مٹنے کے لئے دوسرے سے فریاد کرنا اور جس کو اختیار ہے اس سے کہنا کہ فلاں شخص ایسا کام کرتا ہے اس کو باز رکھو اس سے۔ تیسرے فتویٰ لینے کے لئے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ نام نہ لیوے یا فرضی نام بیان کرے پر نام بیان کرنا بھی درست ہے۔ چوتھے مسلمانوں کو بچانے کے لئے شر سے۔ جیسے حدیث کے راویوں اور گواہوں کی جرح اور منصفین کی اور یہ جائز ہے بالاجماع بلکہ واجب ہے حفظ شریعت کے لئے۔ اسی طرح نکاح کے مشورے میں عیب بیان کرنا یا کوئی شخص کوئی عیب دار چیز مول لے رہا ہو یا چور غلام یا

زانی غلام خرید رہا ہو تو مشتری کی خیر خواہی کے لئے نہ کہ دوسرے کی ایذاء وفساد کی نیت سے اس کا عیب بیان کر دینا اور اس میں داخل ہے کہ کسی عہدہ دار اور صاحب حکومت کا عیب بیان کرنا حاکم اعلیٰ کے سامنے تا کہ وہ دھوکہ نہ کھاوے۔

پانچویں یہ کہ وہ شخص علانیہ فسق کرتا ہو جیسے علانیہ شراب پیتا ہو یا بدعت کرتا ہو، لوگوں سے جرمانہ لیتا ہو اور ظلم کرتا ہو تو جو بات علانیہ کرتا ہو اس کو بیان کر دینا نہ کہ اور باتوں کو۔ چھٹے یہ کہ وہ مشہور ہو گیا ہو کسی لقب سے مثلاً اعمش، اعرج، ازرق قصیر اعمٰی اقطع وغیرہ سے تو بغرض تعریف اس کا لقب بیان کر دینا درست ہے نہ کہ بغرض توہین اور جو اور طرح سے تعریف کرے تو بہتر ہے۔ (شرح مسلم نووی)

ان اوصاف کے مقابل یعنی سب وشتم اور غیبت یا ظلم وزیادتی کے برعکس نرمی کرنا عمدہ صفت اور اخلاق حمیدہ کا حصہ ہے۔ باب فضل الرفق کے تحت متعدد احادیث شریفہ اس موضوع پر آئی ہیں جن میں فضائل رفق اور اس کے اثرات اور اس کی بہترین جزاء سے متعلق ایمان پرور اشارے ملتے ہیں۔

---

(۱) مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب ۱۸، حدیث نمبر ۶۵۹۱ (۲) مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب ۱۹، حدیث نمبر ۶۵۹۲ (۳) مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب ۲۰، حدیث نمبر ۶۵۹۳

عیب پوشی کرو کہ تمہاری عیب پوشی ہو

قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم

لا یستر عبد عبدا فی الدنیا، الا ستره الله یوم القیامة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص کہ دنیا میں کسی کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی عیب پوشی کرے گا''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[1]

کسی کے عیب چھپانا ایک ایسا عمدہ وصف، اچھی خصلت اور نیکی ہے جس کا اجر و بدل خود اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے کہ عیب چھپانے والے شخص کے عیبوں کو قیامت میں چھپائے گا۔ ایک اور حدیث شریف میں لوگوں کے چھپے ہوئے عیبوں کی کھوج اور جستجو سے منع فرمایا گیا ہے۔ ''اتباع عورات'' کی ممانعت آئی ہے۔ یعنی لوگوں کے چھپے عیوب کو تلاش کرنا اور ان کے پیچھے پڑ جانا بالخصوص مسلمانوں کے عیوب کی کھوج کر کے انہیں ظاہر کرنا اور بدنام کرنا سخت منع ہے۔ ایسا کرنے والا یعنی لوگوں کے عیبوں کی تلاش میں لگے رہنے والا اور انہیں ظاہر کر کے اسے رسواء کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور سخت گنہگار ہوگا۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ رحمت حق تعالیٰ سے بہرہ مند ہوگا اور اس کے عیوب قیامت میں چھپائے جائیں گے۔ عیبوں کا ڈھونڈھنا اور انہیں ظاہر کرنا بری بات ہے لیکن شریعت نے بعض خاص امور میں ان کے اظہار

کی اجازت مرحمت فرمائی اور بعض دفعہ ضروری بتایا ہے۔ جیسے مسلمانوں کو شر سے محفوظ رکھنے انہیں نقصان و پریشانی سے بچائے رکھنے کے لئے عیوب کا اظہار و بیان روا ہے یا مثلاً کوئی شخص عدم واقفیت کے سبب کوئی عیب دار چیز خرید رہا ہو جس سے خریدار کو گھاٹے اور نقصان کا قوی امکان ہو۔ حاکم اعلیٰ کے سامنے کسی ماتحت، ملازم یا با اختیار عہدیدار وغیرہ کا عیب بیان کر دینا تا کہ وہ دھوکہ نہ کھائے یا کوئی مشتری، چور غلام یا زانی غلام مول لے رہا ہو تو محض خریدار کی خیر خواہی کی نیت سے ان خریدی جانے والی اشیاء و اسباب یا آدمی کے عیب بیان کر دینا اس میں داخل ہے۔ تاہم ایذاء یا فتنہ کی نیت نہ ہو۔ اسی طرح ''نکاح'' کے مشورے (دریافت) میں بھی عیوب کا اظہار کیا جانا چاہیئے تا کہ لڑکی یا لڑکے کو مستقبل میں پریشانیوں اور مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تحفظ شریعت کے لئے حدیث کے راویوں اور گواہوں کی جرح بالا جماع جائز ہے۔ عیوب کے چھپانے اور ظاہر کرنے سے متعلق ان دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسب حال و موقع یعنی جہاں عیب چھپانا ہے وہاں عیب پوشی کرنا اور جہاں عیوب کا ظاہر کرنا ضروری ہو اظہار کر دینا ہی موجب سعادت ہے۔

معلوم ہوا کہ صرف خاص صورتوں اور موقعوں پر اظہار عیوب کی رخصت ہے ورنہ عام حالات میں مسلمانوں کا اپنے بھائیوں کے عیوب کو پوشیدہ رکھنا ہی احسن ہے تا کہ اس خصلت شریف کا ثمرہ دنیا و آخرت دونوں جگہ مل سکے۔ واضح رہے کہ جہاں رخصت ہے وہاں پر گرفت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور نہ عیب جوئی کرو نہ کسی کی باتیں خفیہ سنو اور نہ نجش کرو (نجش یعنی دوسروں پر اپنی بڑائی چاہنا، دھوکہ دینا) نہ ایک دوسرے سے حسد و بغض رکھو نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ''۔

(بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[۲]

اس ارشاد پاک میں ''عیب جوئی کرنے اور کسی کی باتیں خفیہ سننے'' سے بھی منع فرمایا گیا ہے یعنی کسی کے چھپے ہوئے عیب کی تلاش میں رہنا..... کسی کی باتیں خفیہ طور پر سننا کہ اسے خبر نہ ہو یعنی کسی کی ہر بات پر کان لگائے رہنا، کسی کے ہر کام کی تلاش میں رہنا کہ کوئی برائی ملے تو میں اسے بدنام کر دوں یہ جائز نہیں بلکہ دونوں حرام ہیں۔

یعنی وہ اپنے عیب ڈھونڈھنے میں اور ان سے توبہ کرنے میں ایسا مشغول ہو کہ اسے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کا وقت ہی نہ ملے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کی نسبت کہا گیا کہ شراب اس کی ڈاڑھی سے ٹپک رہی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ''ہم کو عیب جوئی کی ممانعت کی گئی ہے لیکن جب ہم پر کسی کے عیوب خود ظاہر ہو جائیں تو پھر ہم اس پر گرفت کریں گے''۔[۳]

....

(۱) مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب ۲۱، حدیث نمبر ۶۵۹۵ (۲) مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب ۹، حدیث نمبر ۶۵۳۶، ۶۵۳۸ (۳) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۳۷، حدیث نمبر ۴۸۸۲

بخل اور بداخلاقی سے بچو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

خصلتان لاتجتمعان فی مؤمن :البخل و سوء الخلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دو عادتیں کسی مسلمان میں جمع نہیں ہوسکتیں ایک تو بخل دوسرے سوءِ خلقی''۔ (بہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سخی خدا سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے جنت سے قریب ہے دوزخ سے دور ہے اور بخیل خدا سے دور ہے لوگوں سے دور ہے جنت سے دور ہے دوزخ سے قریب ہے اور جاہل سخی خدا کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[2]

بخل کے برخلاف سخا مومن کا خصوصی وصف ہے۔ راہ خدا میں اچھے کاموں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنا اہل سخا کا طریقہ ہے بخیل اس طریقہ سے بے تعلق رہتا ہے اس وجہ سے وہ بہت ساری نعمتوں اور اجر و ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے رات دن کا پیہم خرچ کرنا اس میں کمی پیدا نہیں کرتا بھلا غور کرو کہ اس نے جب زمین و آسمان پیدا کیا کتنا خرچ کیا ہوگا پھر بھی جو کچھ اس کے

ہاتھ میں ہے اس میں کمی نہیں ہوئی۔ اور اس کا عرش (قبل پیدائش آسمان وزمین) پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان (ترازو) ہے پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے"۔ [3]

بخل سے بچنے کی سخت تاکید آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ "تم بخل سے بچتے رہو کیوں کہ تمہارے پہلے ایک امت اسی بخل کے سبب ہلاک ہو چکی ہے حرص نے ان کو بخیل بننے کا حکم دیا تو وہ بخیل بن گئے اور برے کام کرنے کا حکم دیا تو برے کام کرنے لگ گئے"۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) [4]

مال کی محبت، حرص، طمع بخل کے اسباب ہیں بخیل نیک کاموں پر خرچ کرنے سے کتراتا ہے بخالت کے باعث پورا نظام متاثر ہوتا ہے اگر راہ خدا میں اور بامقصد کاموں کے لئے بھی نہ خرچ کیا جائے تو ظاہر ہے اس کا اثر پورے معاشرہ پر منفی انداز سے مرتب ہوگا۔ اچھے کام رک جائیں گے اور ضرورت مندوں کو پریشانی ہوگی۔ یہ محض مال کی محبت کے باعث ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے حضرت کعبؓ بن عیاض نے سنا کہ "ہر ایک امت کے لئے کوئی نہ کوئی چیز موجب فتنہ وفساد ہوا کیا ہے اور میری امت کے فتنہ وفساد کا موجب مال ہوگا"۔ [5]

بخل کے ساتھ بدخلقی کا مومن میں جمع نہ ہوسکنا حدیث شریف سے ثابت ہے یعنی مومن نہ تو بخیل ہوتا ہے اور نہ بدخلق۔ گویا سخاوت اور خوش خلقی مومن کے اوصاف، شان اور پہچان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل سے ارشاد فرمایا کہ "اے معاذ تم لوگوں سے خوش خلقی سے پیش آیا کرو"۔ [6]

اچھے اخلاق اور عمدہ برتاؤ سے مسلمان کی ایمانی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد دال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''باعتبار ایمان کامل تر مسلمان وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں بہترین وہ شخص ہے جس کا اس کے اہل کے ساتھ برتاؤ اچھا ہو''۔[7]

ان ارشادات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں خوش خلقی کی کس قدر اہمیت اور فضیلت ہے اور بد خلقی کو کس قدر ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اچھے اخلاق کا نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی بہترین بدل یقینی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن مسلمان کے میزان (عمل) میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہ ہوگی''۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''خوش خلق آدمی اپنی خوش خلقی کی وجہ سے نمازی اور روزہ دار کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے''۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم لوگوں میں میرے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن میرے بہت قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم لوگوں میں میرے بڑے دشمن اور قیامت میں مجھ سے دور بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو بڑے باتونی، بڑ مارنے والے اور منہ دراز ہیں''۔

(بہ روایت حضرت جابرؓ)[10]

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۴۱، حدیث نمبر ۱۹۶۲ (۲) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۴۰، حدیث نمبر ۱۹۶۱ (۳) بخاری، کتاب التوحید، باب ۱۹، حدیث نمبر ۷۴۱۱ (۴) ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ۴۶، حدیث نمبر ۱۶۹۵ (۵) ترمذی، کتاب الزہد، باب ۲۶، حدیث نمبر ۲۳۳۶ (۶) موطا امام مالک (۷) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ۱۱، حدیث نمبر ۱۱۶۲ (۸،۹) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۶۲، حدیث نمبر ۲۰۰۲، ۲۰۰۳ (10) ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۰۱۸

اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے فحش گو بد خلق سے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ان من احبکم الی احسنکم اخلاقا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا بڑا پیارا تم میں سے اچھی عادت والا ہے۔''

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) [1]

ایمان، اعمال صالحہ، اوصاف حمیدہ، صداقت، امانت، مروت، حلم و بردباری، وقار اور شائستگی، ہمدردی و غمگساری، قلب ونظر کی پاکیزگی، نرمی و بھلائی، خدمت خلق وغیرہ بہت اچھی عادات ہیں اور جو ان سے بہرہ مند ہے وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا ہے۔ یہ ارشاد مبارک اسی حقیقت پر دال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہو''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ) [2]

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بڑی بھاری چیز جو قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں رکھی جاوے گی وہ اچھی عادت ہے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے فحش گو بد خلق سے''۔ (حضرت ابوالدرداءؓ) [3]

حبیب کبریا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے یہ سننے کا شرف

پایا کہ ''مؤمن اچھے اخلاق سے دن میں روزہ رکھنے والے اور رات میں کھڑے رہنے والے کا درجہ پالیتا ہے''۔ [۴]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوذرؓ کو یہ ارشاد فرمایا کہ ''جہاں ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے پیچھے بھلائی کرو جو برائی مٹا دے اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے برتاؤ کرو''۔ [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن لوگ نرم دل نرم طبیعت ہوتے ہیں جیسے نکیل والا اونٹ اگر چلایا جاوے تو اطاعت کرے اور اگر پتھر پر بٹھایا جاوے تو بیٹھ جاوے''۔ [۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''شرم غیرت اور ایمان سارے ساتھی ہیں تو جب ان میں سے ایک اُٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھالیا جاتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ) [۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو انھیں یہ ہدایت فرمائی کہ ''اے معاذ! اپنے اخلاق لوگوں سے اچھے رکھو''۔ [۸]

اخلاق حسنہ کے برعکس برے اخلاق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سخت ناپسند ہیں چنانچہ ارشادات نبوی میں بری عادتوں سے اجتناب کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غصہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضور سید عالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا ''غصہ نہ کیا کرو''۔ اس نے بار بار یہ سوال دہرایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی فرمایا ''غصہ نہ کیا کرو''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۹]

غصہ نفس کے اس جوش کا نام ہے جو دوسرے سے بدلہ یا انتقام لینے کے لئے ابھرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی شخص کشتی سے پہلوان نہیں ہوتا، پہلوان وہ

ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[10]

اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ پر قابو پانا بڑی بہادری اور حوصلہ مندی ہے اور جو غصہ پر قابو پالیتا ہے نفسانی جوش انتقام کو پچھاڑ دے درحقیقت وہی پہلوان ہے اور روحانی قوت کا حامل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا میں تمہیں جنتی لوگ نہ بتاؤں، ہر کمزور جسے کمزور سمجھا جاوے اگر وہ اللہ پر قسم کھا جاوے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے۔ کیا میں تمہیں آگ والے نہ بتاؤں۔ ہر سخت دل بدکار متکبر''۔ (بہ روایت حضرت حارثہ بن وہبؓ)[11]

علماء کرام نے اس حدیث شریف کی بہت نفیس تشریح فرمائی ہے۔ یہاں ضعیف (کمزور) کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تکبر، جبر، ظلم نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ اس میں طاقت وقوت نہ ہو، یعنی اس میں طاقت تو ہو مگر اہل اسلام کو اس سے امن ہو اور وہ اس سے اپنے کو محفوظ سمجھیں۔ غصہ اور غرور دو بری خصلتیں اور خراب عادتیں ہیں اور جو ان میں مبتلاء ہو وہ دنیا و دین دونوں کی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت میں وہ نہ جاوے گا جس کے دل میں ذرہ برابر غرور ہو''۔ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ ''کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جوتا اچھا ہو''۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ غرور یہ ہے کہ سچائی کو جھٹلایا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے''۔[12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وہ وضوء کرے''۔

(بروایت حضرت عطیہ بن عروہ سعدیؓ)[13]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پھر اگر غصہ دفع ہو جاوے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے''۔ (بہ روایت حضرت ابوذرؓ)[۱۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی بندے نے اللہ کے نزدیک کوئی گھونٹ اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر نہ پیا جسے بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے پی لے''۔[۱۵]

---

(۱) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۲۷، حدیث نمبر ۳۷۵۹ (۲) بخاری، کتاب الادب، باب ۳۹، حدیث نمبر ۶۰۳۵ (۳) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۶۲، حدیث نمبر ۲۰۰۲ (۴) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۷، حدیث نمبر ۴۷۹۰ (۵) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۵۵، حدیث نمبر ۱۹۸۷/۱ (۶) مشکوٰۃ (۷) بیہقی شعب الایمان (۸) مالک (۹، ۱۰) بخاری، کتاب الادب، باب ۷۶، حدیث نمبر ۶۱۱۶، ۶۱۱۴ (۱۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۶۱، حدیث نمبر ۶۰۷۱ (۱۲) مسلم، کتاب الایمان، باب ۳۹، حدیث نمبر ۲۶۵ (۱۳، ۱۴) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۳، حدیث نمبر ۴۷۷۶، ۴۷۷۴ (۱۵) ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ۱۸، حدیث نمبر ۴۱۸۹

تندرستی اور خوش حالی نعمتیں ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے (ایک) تندرستی (دوسری) خوش حالی''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) [1]

تندرستی اور فراغت دو اہم انعامات ہیں اللہ تعالیٰ جسے صحت اور تندرستی سے مالا مال کر دے وہ بڑا خوش مقدر ہوتا ہے اور فراغت یعنی عبادت الٰہی کے لئے وقت اور موقع مل جانا یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے ان دو نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والے دنیا اور آخرت ہر دو جگہ کامیاب اور شادماں رہتے ہیں۔ فراغت اچھی چیز ہے اور بیکاری نہایت بری چیز ہے لہٰذا ان دونوں میں بڑا نمایاں فرق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جنتی لوگ کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے سوائے ان ساعتوں کے جو انھوں نے دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر صرف کر دیں۔'' [2]

جب دنیا میں فراغت کی گھڑیاں میسر آ جائیں تو عبادت اور ذکر حق میں گزاری جائیں یہی سعادت بندگی اور مقصد زندگی ہے۔ کیوں کہ دنیا آخرت کے مقابل کچھ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم نہیں ہے دنیا آخرت کے مقابل مگر ایسی جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ انگلی کتنا پانی لیکر لوٹتی ہے''۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۴]

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو تو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ (یعنی) گھر والے، مال اور اس کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ گھر والے اور مال لوٹ جاتے ہیں اور اس کے عمل اس کے ساتھ رہ جاتے ہیں۔'' (بروایت حضرت انسؓ) [۵]

جو چیز ہمیشہ ساتھ رہنے والی ہو وہ اچھی، فائدہ بخش اور کارآمد ہو لہٰذا نیک اعمال ہوں تو آخرت میں باعث راحت و آسائش ہیں۔ اور اگر اعمال خراب ہوں تو پھر آخرت میں بھی ان کا بوجھ کسی کے اتارے نہیں اترتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہو جائے وہ بخش دے اور مغفرت سے نواز دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ رحمت ہو اور شفاعت سے سرفراز فرما دیں تو پھر بیڑا پار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا۔ میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیری غریبی دور کر دوں گا اور اگر تو یہ نہ کرے گا تو تیرا ہاتھ کام کاج سے بھر دوں گا اور تیری فقیری بند نہ کروں گا''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۶]

ذکر و تسبیح، عبادت و ریاضت اللہ تعالیٰ کے الطاف و اکرام کو متوجہ کرنے موثر وسیلے ہیں اس سے کمائی میں برکت، مال میں زیادت اور دل کو فراغت ملتی ہے اگر دنیا ہی میں مشغول رہے گا تو خواہش مال و زر، طلب جاہ اور حرص کے سبب دل کو کبھی راحت نصیب نہ ہو گی۔ دل کا چین اللہ کی بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت ذکر الٰہی

سے ملتی ہے۔ اللہ سے آخرت مانگو دنیا خود بخود مل جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، فقیری سے پہلے غنا کو، مشغولیت سے پہلے فرصت کو، اور اپنی موت سے پہلے زندگی کو''۔ (بروایت حضرت عمر بن میمون اودیؓ)[۷]

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہؐ! مجھے ایسے کام پر رہبری فرمایئے کہ جب میں وہ کروں تو مجھ سے اللہ تعالیٰ بھی محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دنیا میں بے رغبت رہو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس کی چیزوں سے بے رغبت رہو تم سے لوگ محبت کریں گے''۔[۸]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے دوستوں میں زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مسلمان ہے جو کم سامان والا نماز کے بڑے حصہ والا ہو اپنے رب کی عبادت خوب اچھی طرح کرے اور خفیہ اس کی اطاعت کرے اور لوگوں میں چھپا ہوا رہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاویں اس کا رزق بقدر ضرورت ہو اس پر صبر کرے''۔[۹]

حضرت کعب بن عیاضؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''ہر امت کا کوئی فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے''۔[۱۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو حلال روزی تلاش کرے بھیک سے بچنے کے لئے اور اپنے گھر والوں پر کوشش کرے اپنے پڑوسی پر مہربانی کرنے کے لئے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسا ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا''۔[۱۱]

مال کمانا تین مقاصد کے لئے ہونا چاہیئے۔اپنی ذات اپنے بال بچوں اپنے پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے اور یہ تمام کام اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کے لئے ہوں۔

(۱) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۱، حدیث نمبر ۶۴۱۲ (۲) مرقاۃ (۳) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۱۵، حدیث نمبر ۲۳۲۳ (۴) مسلم، کتاب الزھد و الرقائق، حدیث نمبر ۷۴۱۷ (۵) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۴۲، حدیث نمبر ۶۵۱۴ (۶) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۳۰/۹۵، حدیث نمبر ۲۴۶۶ (۷، ۸) مشکوٰۃ (۹) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۳۴۷ (۱۰) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۲۶، حدیث نمبر ۲۳۳۶ (۱۱) بیہقی بحوالہ مراۃ المناجیح

اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم

قد افلح من اسلم و رزق کفافا و قنعه الله بما آتاه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ کامیاب ہوگیا جو مسلمان ہوا اور بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے دیئے ہوئے پر قناعت دی۔'' (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)[1]

ایمان سب سے بڑی نعمت ہے جسے یہ نعمت مل جائے وہ بڑا خوش نصیب ہے پھر اطاعت حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع اور آپ کے ارشادات کی تعمیل، سنتوں کی پیروی مومن کو کمال عطا کرتی ہے اسی تسلیم و رضا اور فرمانبرداری کے باعث وہ کامیاب ہوتا ہے، اعمال صالحہ، عبادات وتقوٰی اس کے درجات میں بلندی کا باعث اور مقربان بارگاہ الٰہی کے زمرہ میں شمولیت کا سبب بنتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم رحمت وعنایت اور توفیق سے ہوتا ہے پھر بقدر ضرورت مال جو اس کی تمام حاجات کی کفایت کرے اور اس پر بندہ اگر قناعت کرے اور شکر گزار رہے تو پھر اس کی کامیابی یقینی ہے جس پر یہ حدیث شریف دلیل ہے۔ ایمان تقویٰ قناعت وصبر یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ جسے عطا فرمادے بلاشبہ اسے زندگی کی ساری کامیابیاں مل گئیں۔ اور وہ دنیا سے بھی کامیابی کے ساتھ رخصت ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''خوش خبری ہو اس کے لئے جس کو اسلام کی طرف ہدایت ہوئی اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہو اور اللہ نے اس پر قانع بنا دیا''۔

(بہ روایت حضرت فضالہ بن عبیدؓ) [۲]

قناعت اور استغناء کا آپسی اور معنوی تعلق اخلاقی خوبیوں کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرمائے اس پر قانع رہنا اور دوسری چیزوں کی طمع نہ رکھنا استغناء کے مفہوم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت، اسی کی ذات سے امید، اسی کی عبادت اور اپنی تمام حاجتوں کے لئے اسی سے مدد چاہنا بندہ کو دارین کی سعادتوں اور نعمتوں سے مالا مال کر دینے کا ذریعہ ہے۔ اور اسے وصف استغناء سے متصف کر دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور دوسرے کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ اسے جو کچھ عطا فرمائے اسی میں خوش مطمئن اور شکر گزار رہتا ہے۔ بعض لوگ دنیوی مال و دولت کے لحاظ سے تونگر ہوتے ہیں بظاہر ان کے پاس راحت و آسائش کی کوئی کمی نہیں ہوتی مگر ان میں حرص و طمع ایسا ہوتا ہے کہ ان کے پاس پہلے سے موجود مال ومتاع سے ان کی نیت نہیں بھرتی بلکہ اس میں اور زیادتی کی للک ان سے جائز و ناجائز کام کرواتی ہے جس کے ذریعہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرتے ہیں اس تونگری کے باوجود وہ محتاج ہیں کیوں کہ ان کی حرص مٹتی نہیں لیکن ایک ایسا آدمی جس کے پاس مال و دولت کے نام پر کچھ نہیں تاہم اللہ نے اسے اپنے کرم سے جو کچھ عطا فرمایا ہے اسی پر قانع، مطمئن اور خوش رہتا ہے زیادہ کی حرص نہیں کیا کرتا تو وہ مستغنی ہے کیوں کہ وہ حرص و آز سے دور ہے۔ محتاج و مستغنیٰ کی پہچان قلب و روح کے ساتھ ہے استغناء کا تعلق مال و دولت کے کم ہونے یا زیادہ ہونے سے نہیں بلکہ جو کچھ ہے اس پر قناعت اور جو موجود نہیں ہے اس سے بے نیازی ہی دولت مندی ہے اور حرص و لالچ دراصل محتاجی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دولت مندی مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصلی دولتمندی دل کی بے نیازی ہے''۔[۳]

مال بھی اللہ کی عطا ہے اللہ تعالیٰ جتنا دے اس پر قانع رہنا چاہیے زیادہ کی حرص اور لالچ نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ جو مال انسان کے کام آتے ہیں وہ تین ہیں باقی سب دوسروں کے لئے چھوڑ جانا پڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالاں کہ اس کے مال صرف تین ہیں جو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر گلا دے یا دے تو جمع کر دے۔ جو ان کے علاوہ ہے وہ تو جانے والا ہے اور وہ اسے لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے''۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۴]

اس ارشاد مبارک میں کھانا، کپڑا کی ضرورتوں کے علاوہ دینے سے متعلق فرمایا گیا ہے یعنی اللہ کی راہ میں اللہ کے لئے دینا مقصود ہے۔ خواہ بال بچوں کو دے ان کے نفقہ و پرورش کے لئے یا عزیزوں کو بطور صلہ رحمی یا غریبوں مسکینوں کو بطور خیرات و امداد بشرطیکہ یہ دینا نام آوری شہرت طلبی کے لئے نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لئے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص سوال اور حرام کاموں سے (اپنے) آپ کو بچا دے پرہیز گار بننے کے ارادے پر تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا پرہیز گار کر دے گا۔ اور جو دنیا سے بے پرواہی کی نیت رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو دنیا کے مال سے بے پروا کر دے گا اور جو شخص مصیبت میں بزور صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا صابر کر دے گا صبر سے بہتر اور کشادہ تر کسی کو نعمت نہ ملی''۔[۵]

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کون ہے جو مجھ سے چند باتیں لے لے پھر اس پر عمل کرے یا اسے سکھا دے جو اس پر عمل کرے''۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا یا

رسول اللہؐ! میں ہوں تو حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر پانچ چیزیں گنیں۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''حرام چیزوں سے بچو تمام لوگوں میں بڑے عابد ہو جاؤ گے اور اللہ نے جو تمہاری قسمت کر دیا اس پر راضی رہو لوگوں سے غنی ہو جاؤ گے اور اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو کہ مومن ہو جاؤ گے اور لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ ہنسو نہیں کیوں کہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے''۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کوئی دیکھے اس کو جو اس سے مال اور پیدائش میں زیادہ ہو یعنی اس کو اپنا مال و حال حقیر معلوم ہو تو چاہئے کہ نظر کرے اس (کی طرف) کہ جو اس سے کم تر ہو سو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ جانو جو تم (کو) پر عطا کی''۔[۷]

---

(۱) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۴۴، حدیث نمبر ۲۴۲۶ (۲) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۳۵، حدیث نمبر ۲۳۴۹ (۳) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۴۴۶ (۴) مسلم، کتاب الزھد والرقائق، حدیث نمبر ۲۴۲۷ (۵) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ۵۰، حدیث نمبر ۱۴۶۹ (۶) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۲، حدیث نمبر ۲۳۰۵ (۷) ترمذی، کتاب اللباس، باب ۳۸، حدیث نمبر ۱۷۸۰

بات، امانت بھی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

اذا حدث الرجل الحدیث ثم التفت فھی امانۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بات کہے تجھ سے کوئی آدمی اور پھر اور طرف التفات کرے پس وہ بات تیرے پاس امانت ہے"۔ (بہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد پاک سے امانت کی حقیقت اور اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ امانت داری ایسا وصف شریف ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے اعلیٰ اخلاق اور نہایت صاف ستھرے کردار کا احساس دلاتا ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی سپرد کی ہوئی چیز کے ہیں اور جس کے سپرد کوئی چیز کی جائے تو ظاہر ہے وہ امین و معتمد، امانت کی حفاظت کرنے والا اور تحویل دار ہوگا اور یہ مؤمن کے اوصاف خاص میں سے ہے کہ جب اس کے حوالے کوئی چیز کی جائے تو وہ اسے اسی طرح محفوظ اور سنبھال کر رکھتا ہے، اس میں تصرف یا تبدل نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں اس کی ایک صورت یہ ارشاد ہوئی ہے کہ مجلس یا اجتماع میں اگر کوئی کسی سے کوئی بات کہہ کر دوسری جانب متوجہ ہو جائے تب کہی ہوئی وہ بات سننے والے کے پاس امانت ہو جاتی ہے۔ اب اس کی حفاظت سننے والے پر ہے کہ وہ کس طرح امانت کا حق ادا کرتا ہے۔ زندگی کے جملہ امور اور معاملات میں

انسان کو اس حقیقت سے تعلق اور سابقہ رہتا ہے دین و دنیا کے اہم پہلوؤں سے نسبت کے باعث اس کی فضیلت و ناگزیریت محتاج تشریح نہیں۔ امانت کی حفاظت کرنے اور اس میں خیانت نہ کرنے کا بارہا تاکیدی حکم ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص تم کو امانت دار خیال کرتا ہے اس کی امانت کو ادا کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت مت کرو''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[۲]

بہر حال تمہیں امانت دار رہنا ہے خواہ لوگوں کا رویہ تمہارے تئیں کچھ بھی کیوں نہ رہے حتیٰ کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ خیانت اور زیادتی بھی کرے تب بھی تمہیں امانت داری کے وصف جمیل سے دست بردار نہیں ہونا ہے بلکہ ان کے ساتھ امانت کا معاملہ کریں اور جواباً خیانت کرنے والے کے ساتھ خیانت نہ کریں۔

امانت ضائع کرنے کے وبال سے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کہ امانت ضائع ہونے لگے تب تم قیامت کے منتظر رہو''۔ سوال کیا گیا کہ امانت کا ضائع ہونا کیونکر ہوگا؟ آپ نے فرمایا ''جب کہ کسی نالائق اور نااہل کو حکومت کا کام ملے''۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''ایسا مسلمان امانت دار خزانچی جس کو جس چیز کے دینے کا حکم دیا جاتا ہے وہ اس کو کامل پورے طور پر بہ طیب خاطر دے دیتا ہے منجملہ دو صدقہ دینے والوں کے ایک صدقہ دینے والا ہے''۔ (یعنی ایک وہ جس کا مال ہے اور دوسرا خزانچی، دونوں کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے)

(بہ روایت حضرت ابو موسیٰ)[۴]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے دو حدیثیں بیان فرمائیں،

جن میں سے ایک تو ہم دیکھ چکے اور دوسری کے منتظر ہیں (ان میں سے ایک حدیث تو یہ ہے کہ آپ نے ہم سے بیان فرمایا کہ) ''امانت انسانی قلوب میں نازل ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد قرآن نازل ہوا۔ پھر لوگوں نے قرآن اور حدیث سے سیکھا کہ (امانت میں خیانت نہ کرنی چاہئے) پھر آپ نے (یہ دوسری حدیث رفع امانت سے متعلق بیان فرمائی) کہ ایک دفعہ کوئی شخص سوئے گا پس اس کے دل سے امانت چھین لی جائے گی اور دھبہ کی طرح اس کا اثر باقی رہ جائے گا۔ پھر جب دوسری دفعہ سوئے گا تو اس کے دل سے امانت چھین لی جائے گی اور کھٹے کی طرح اس کا اثر باقی رہ جائے گا (جیسے کہ تم ایک چنگاری کو اپنے پاؤں پر لڑھکاؤ تو اونچے اونچے پھپھولے پڑے دیکھو گے اور اس میں کوئی شے نہ ہوگی۔ پھر آپ نے چند کنکرے لئے اور ان کو اپنے پاؤں پر لڑھکا دیا) پھر لوگ صبح کو اٹھ کر آپس میں خرید و فروخت کریں گے اور نہ معلوم ہوگا کہ ان میں سے کون شخص امانت دار ہے تا آنکہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قوم میں فلاں شخص امین ہے اور ایک ایسے شخص کی نسبت جس کے دل میں ایک رائی برابر ایمان نہ ہو یہ کہا جائے گا کہ یہ کیسا ہوشیار کیسا چالاک آدمی ہے اور کیا خوش تقریر و ظریف شخص ہے اور کیسا عقلمند و دانا ہے۔'' (راوی کا بیان ہے کہ) مجھ پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ میں کسی سے خرید و فروخت کرنے میں کچھ پروا نہ کرتا تھا اگر وہ مسلمان ہوتا تھا تو اس کا تدین میرا حق دلواتا تھا اور اگر نصرانی یا یہودی ہوتا تھا تو اس کا سردار میرا حق مجھے دلاتا تھا مگر آج کل کے زمانہ میں تو بجز فلاں فلاں شخص کے اور کسی سے میں کوئی معاملہ خرید و فروخت کا بھی نہیں کرتا۔ [۵]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو ضرر پہنچائے کسی کو (خیانت اور دغا سے) ضرر پہنچاوے اسے اللہ تعالیٰ اور جو تکلیف دے کسی کو تکلیف دیوے اسے اللہ تعالیٰ''۔ (بہ روایت حضرت ابی صرمہؓ) [۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ملعون ہے جو ضرر پہنچاوے کسی مؤمن کو یا مکر کرے اس کے ساتھ''۔ (بہ روایت حضرت ابوبکر صدیقؓ)[۷]

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلہ ، باب ۳۹، حدیث نمبر ۱۹۵۹ (۲) ابو داؤد، کتاب البیوع ، باب ۷۹، حدیث نمبر ۳۵۳۲ (۳) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۳۵، حدیث نمبر ۶۴۹۶ (۴) بخاری، کتاب الوکالۃ، باب ۱۶، حدیث نمبر ۲۳۱۹ (۵) مسلم، کتاب الایمان، باب ۶۴، حدیث نمبر ۳۶۷ (۶، ۷) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۲۷، حدیث نمبر ۱۹۴۰، ۱۹۴۱

سچ پر مداومت، جھوٹ سے اجتناب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر و ان البر یھدی الی الجنۃ وما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عنداللہ صدیقا و ایاکم والکذب، فأن الکذب یھدی الی الفجور و ان الفجور یھدی الی النار وما یزال الرجل یکذب و یتحری الکذب حتی یکتب عنداللہ کذابا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم پر سچ بولنا لازم ہے، سچائی بھلائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور بھلائی جنت کی طرف اور آدمی سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کا قصد کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ سچا لکھا جاتا ہے اور جھوٹ بولنے سے بچو، جھوٹ فجور کی طرف رہنمائی کرتا اور فجور جہنم کی طرف۔ آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہے“۔

(بہ روایت حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ) [1]

سچ بولنا محاسن اخلاق سے ہے۔ صدق وہ وصف شریف ہے جس کے باعث سچ بولنے والے کو جنت کی راہ مل جاتی ہے کیوں کہ سچائی جنت کی طرف رہبری کرتی ہے اور سچ بولنے والا اپنے خالق و مالک کے

پاس بھی سرخرو ہوتا ہے اور اس کا نام صادقین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ اخلاقی عیوب سے ہے، جھوٹ گناہ اور برائیوں کی جڑ ہے اور اسی کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ ومعصیت اختیار کرنے والا جہنم کے گڑھوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ بولنے والا معتوب ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے کے لئے شرمندگی اور رسوائی ہے۔ اس ارشاد مبارکہ سے سچائی کی حقیقت سچ بولنے والوں کی عظمت اور جھوٹ کی مذمت اور جھوٹ بولنے والوں کے خسران و ذلت کے پہلو واضح ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کے اعلیٰ اخلاق کا سب سے نمایاں وصف سچائی ہے۔ یقیناً اسی کے ضمن میں بہت سارے اچھے خصائل شمار ہوتے ہیں۔ صدق یا سچائی درحقیقت قول وفعل کی یک رنگی اور فکر وعمل کی یکسانی سے معنون ہے جب انسان اس کمال کا حامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ صادق یا سچا کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے ۔ اس سچائی کے ذریعہ وہ زندگی کی ہر نیکی اور اچھائی کو بہ آسانی پا سکتا ہے۔ سچ بولنا جہاں بہت سارے معاصی اور الجھنوں سے بچاتا ہے وہیں جملہ خیر کے کاموں سے جوڑ دیتا ہے۔ انسان کی سوچ اور اس کی زبان دونوں صدق کے باعث پاک وصاف رہتے ہیں۔ برائی، گناہ اور بداخلاقیوں کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ذہن منور، قلب صاف اور زبان پاک رہتی ہے۔ اس کے برخلاف جھوٹ فکر وعمل کے درمیان تعلق کی قاطع ،قول اور فعل میں تضاد کا سبب ہے۔ ذہنی اور قلبی آلودگیوں میں مبتلا کرنے والی، انسان کے اخلاق کو بے اعتبار کرنے اور کردار کو مجروح کرنے والی ایسی چیز ہے جس کا مذموم ترین عادت کے طور پر ذکر ہوتا ہے۔ جھوٹ آدمی کے اعتماد اور وقار کو متاثر کرنے کا ذریعہ اور گناہوں کی طرف لیجانے والی حقیقت ہے۔ جھوٹ کی رہنمائی میں گناہ ومعصیت کا چلن اپنانے والے کا ٹھکانہ ومنزل جہنم کے سوا اور کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی جھوٹا کذابوں میں لکھا جاتا ہے، جیسا کہ پیش نظر ارشاد مبارکہ میں صراحت

فرما دی گئی ہے۔

جھوٹ کی مذمت اور اس کا بولنا ایماندار کے شایان شان نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت صفوان بن سلیمؓ نے ادباً دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ایمان دار بزدل ہوتا ہے؟'' تو ارشاد فرمایا ''ہاں'' پھر ہم نے عرض کیا کہ ''کیا ایماندار بخیل بھی ہوتا ہے؟'' تو فرمایا ''ہاں'' ہم نے عرض کیا کہ ''کیا جھوٹا بھی ہوتا ہے؟'' تو ارشاد فرمایا کہ ''نہیں''۔[2]

حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ ہمیشہ بندہ جھوٹ بولا کرتا ہے اور قصد کرتا ہے جھوٹ کا یعنی مبالغہ کرتا ہے اس میں تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (یعنی جب وہ جھوٹ پر مداومت کرتا ہے تو یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے اور آخر کار پورے دل کا احاطہ کر لیتا ہے) پھر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹوں میں لکھا جاتا ہے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''خرابی ہے اس شخص کے واسطے جو جھوٹ بیان کرے تا کہ اس سے لوگوں کو ہنساوے سو جھوٹ اس کے لئے خرابی ہے خرابی ہے''۔[4]

جھوٹ برائی ہے۔ قبیح عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ناپسندیدہ ہے۔ تاہم بعض خاص صورتوں میں جھوٹ کے لئے رخصت بھی ہے یعنی نیت خیر کے ساتھ خاص مواقع پر جھوٹ بولنا درست ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں میں صلح کرا دے اور بہتر بات کہے اور اپنی طرف سے جوڑے (لگا دے) نیک بات صلح کے واسطے''۔ (بہ روایت حضرت ام کلثوم بنت عتبہؓ)[5]

ابن شہابؒ سے منقول ہے کہ ''میں نے نہیں سنا کہ کسی جھوٹ میں رخصت دی گئی ہو مگر تین مقاموں

میں ایک لڑائی میں، دوسرے لوگوں میں صلح کرانے کو تیسرے زوجین کو آپس میں''۔[6]

محض آپسی اعتماد وانس کی برقراری یا دفع شر وفتنہ کے لئے۔ نہ کہ مکر وفریب یا دھوکہ کے لئے۔[7]

---

(۱) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۲۹، حدیث نمبر ۶۶۳۹ (۲) موطا امام مالکؒ (۳) ایضاً (۴) ابوداؤد، کتاب الادب ، باب ۸۰، حدیث نمبر ۴۹۸۲ (۵) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۲۷، حدیث نمبر ۶۶۳۳ (۶) ایضاً (۷) شرح نووی

اچھی بات کہو یا چپ رہو

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت، ومن کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلا یؤذ جاره، ومن کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلیکرم ضیفه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص اللہ پر اور پچھلے دن (قیامت) پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اچھی بات کرے یا چپ رہے اور جو شخص اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی مہمان نوازی کرے“۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[۱]

تمام ایمان والوں کے لئے اس ارشاد مبارکہ میں یہ حکم ہے کہ وہ جب گفتگو کریں تو حق، راستی، خیر و فلاح کی بات کریں اس کے برخلاف کسی بات کے بجائے خاموشی اختیار کریں یہ ان کہ لئے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں دو اور ہدایات ہیں ایک اپنے ہمسائے (پڑوسی) کے ساتھ حسن معاشرت، لحاظ، اور خاطر داری سے متعلق ہے۔ اور دوسری ہدایت اپنے مہمان کے اکرام یعنی اس کی عزت و توقیر، اس کے ساتھ حسن

سلوک، عطا و بخشش اور تواضع و مدارات کے بارے میں ہے۔ یہ تینوں خوبیاں ایک مومن کے لئے ضروری ہیں جو اس کے محاسن اخلاق کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ اسی لئے بطور خاص ایک ایک وصف کا اللہ پر اور قیامت پر ایمان کے ذکر کے ساتھ بیان ہوا ہے اور تاکید فرمائی گئی ہے۔

اس کی تشریح اس طرح بھی کی گئی ہے کہ ''جب بات کرنے کا ارادہ کرے تو سوچ لے جو بات کہنا چاہتا ہے وہ بہتر ہے ثواب کی بات ہے واجب ہے یا مستحب تو اس وقت کہے اور اگر معلوم ہو کہ اس بات کا کہنا کچھ ثواب نہیں تو چپ ہو رہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انسان کو بات کرنے سے پہلے فکر کرنا چاہیے۔ پھر اگر اس کو یہ امر متحقق ہو (صحیح طور پر معلوم ہو، درست ہو) کہ اس بات سے کچھ نقصان نہیں تو اس بات کو کہے اور اگر یہ امر متحقق ہو کہ اس سے ضرر ہو گا یا ضرر اور عدم ضرر میں شک ہو تو چپ رہے''۔

امام ابن ابی زید مالکیؒ نے کہا کہ تمام آداب اور اخلاق حسنہ چار حدیثوں سے نکلتے ہیں ایک تو یہی حدیث ہے۔ دوسری وہ حدیث کہ آدمی کا اچھا اسلام یہ ہے کہ اس بات کو چھوڑ دے جو کام نہ آئے [۲] (یعنی بے کار اور لغو باتوں سے پرہیز کرے) تیسری حدیث **لا تغضب** یعنی غصہ مت کرو۔ [۳] چوتھی وہ حدیث کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے خاص چاہتا ہے۔ [۴]

حضرت ابو القاسم قشیریؒ کا کہنا ہے کہ ''موقع پر چپ رہنا مردوں کی صفت ہے جیسے موقع پر بولنا عمدہ خصلت ہے۔ حضرت فضل بن عیاضؒ کہا کرتے تھے جو شخص ''بات'' کو اپنے اعمال میں سے ایک عمل سمجھے گا وہ بے فائدہ بات کم کرے گا۔ یونہی حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ ''سب سے زیادہ اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنی زبان کو زیادہ روکے''۔ ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک اور مہمان داری اسلام کے طریقے ہیں۔ مہمان کی خاطر تواضع پیغمبروں اور صالحین کی خصلت ہے۔ مہمان داری اخلاق میں

داخل ہے اس کا بڑا اجر وثواب اور برکتیں ہیں، بعض کے نزدیک اس کی حیثیت وجوبی ہے۔ [۵]

اچھی بات سے متعلق ہدایات اور کفر وظلم یا ضرر ونقصان، برائی وگناہ، فتنہ وفساد، جھوٹ وفحش ان تمام باتوں سے اجتناب اور احتیاط کے لئے سکوت یا چپ رہنے سے متعلق ارشاد مومن کو بہت ساری بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور اچھی بات کے سلسلہ میں اجر وثواب کا پانا حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو خاموش رہا نجات پا گیا''۔ [۶]

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن امور سے روکا ہے ان باتوں کو چھوڑ دینا اور ان امور سے رک جانا دارین کی سعادتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ خاموشی اختیار کرنے والا بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ مراءت میں ہے کہ امام غزالیؒ کے نزدیک کلام چار قسم کے ہیں (۱) خالص مضر (۲) خالص مفید (۳) مضر بھی مفید بھی (۴) نہ مضر نہ مفید۔ خالص مضر سے ہمیشہ پرہیز ضروری ہے۔ خالص مفید کلام ضرور کرے۔ جو کلام مضر بھی ہو اور مفید بھی ہو اس کے بولنے میں احتیاط کرے بہتر ہے کہ نہ بولے اور چوتھی قسم کے کلام میں وقت ضائع کرنا ہے۔ ان کلاموں میں امتیاز کرنا مشکل ہے لہذا خاموش رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو کوئی مجھے اپنے دو جبڑوں اور دو پاؤں کے درمیان کی چیزوں کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔''

(بہ روایت حضرت سہل بن سعدؓ) [۷]

حفاظت زبان کے ضمن میں ''من الغیبة و الشتم'' بہت ہی اہم پہلو ہے یعنی زبان کو غیبت اور گالی گلوج سے بچائے رکھنا ہے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے۔ اپنی زبان کو ہر بری بات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ کسی مسلمان کے ایسے عیب بلاضرورت بیان کرنا جو لوگوں میں مشہور نہیں ہے بجائے

خود غیبت ہے۔ یہاں زندہ وموجود یا مردہ و غائب کی تخصیص نہیں غیبت حرام ہے اور ہر فحش بات شتم ہے۔ سب عام اور شتم خاص ہے۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے تو اس کفر کو لے کر ان دونوں میں سے ایک لوٹے گا''۔ (بروایت حضرت عبید اللہ بن عمرؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو کسی شخص کے کافر ہونے کا دعوٰی کرے یا کہے اللہ کا دشمن اور وہ ایسا ہو نہیں مگر وہ اس پر لوٹتا ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابوذرؓ)[10]

---

(۱) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۲۳، حدیث نمبر ۶۴۷۵ (۲) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۳۱۷ (۳) بخاری، کتاب الادب، باب ۷۶، حدیث نمبر ۶۱۱۶ (۴) بخاری، کتاب الایمان، باب ۷، حدیث نمبر ۱۳ (۵) شرح نووی ترجمہ وحیدی (۶) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۵۰/۱۱۵، حدیث نمبر ۲۵۰۱ (۷) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۲۳، حدیث نمبر ۶۴۷۴ (۸) بحوالہ مرات ج ۶ (۹) مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۶، حدیث نمبر ۲۱۵ (۱۰) مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۷، حدیث نمبر ۲۱۷

سوچ سمجھ کر بولو

قال رسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم

ان العبد لیتکلم بالکلمة من رضوان الله لا یلقی لها بالا یرفع الله بها درجات

وان العبد لیتکلم بالکلمة من سخط الله لا یلقی لها بالا یهوی بها فی جهنم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بندہ رضاء الٰہی کا کوئی کلمہ بول دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجے بڑھا دیتا ہے اور بندہ اللہ کی ناراضی کی کوئی بات کر دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اس کی وجہ سے دوزخ میں گر جاتا ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان اپنی گفتگو میں بعض وقت ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جو بظاہر اس کے نزدیک معمول کا سا ہوتا ہے اس بناء پر اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس کا اسے لحاظ و خیال بھی نہیں ہوتا لیکن وہی کلمہ رضاء حق تعالیٰ کا ایسا شاندار کلمہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہو کر اس کی درجات اور مراتب کو بلند فرما دیتا ہے اس کے برعکس بعض وقت دوران گفتگو بولنے والا ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے اور اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا مگر وہ کلمہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم بنا دیتا ہے اور اس کی پاداش میں اسے جہنم رسید ہونا پڑتا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ ہدایت ملتی ہے کہ زبان کی بہت حفاظت ہونی

چاہیئے جب بولیں تو رضاء الٰہی کی بات کہیں اور اللہ کو ناراض کرنے والی بات ہرگز نہ کہیں ۔اس ضمن میں متعدد روشن ہدایات ملتی ہیں ۔اچھے آدمی سے برائی اور سچے آدمی سے کذب وفحش نہیں ہونا چاہیئے بلکہ سچے آدمی کی یہی پہچان ہے کہ وہ گفتگو میں بڑا احتاط اور لعن طعن سے بچتا ہے اور اسے ان سے بچنا ہی چاہیئے کیوں کہ یہ اس کے شایان نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''طعن کرنے والا، کسی پر لعنت بھیجنے والا، فحش گوئی کرنے والا اور بدتمیزی کرنے والا مومن نہیں ہوتا۔'' (بہ روایت حضرت عبداللہؓ)[۲]

لعن طعن کرنا اور اس میں مبالغہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی کا باعث بنتا ہے۔جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوتا ہے وہ لوگ اس برائی سے یعنی لعن طعن کی بری عادت سے دور ہوتے ہیں ۔ان ہی لوگوں کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ سچے ہیں ۔اور جولوگ زیادہ لعن طعن کرنے والے ہوتے ہیں ان کے متعلق یہ ارشاد ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے اور نہ شفیع''۔ (بروایت حضرت ابوالدرداءؓ)[۳]

دنیا میں لعن طعن کی بری عادت سے بچنا چاہیئے تاکہ آخرت میں اللہ کی نعمتوں سے محرومی نہ ہووے۔مسلمان کی فضیلت اور اس کے درجات کا عام ذہن اندازہ نہیں کرسکتے ۔مسلمان کی عزت کی اہمیت کا حال اس ارشاد مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہؓ)[۴]

صاحب مرقات نے اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کفر بمعنی کفران نعمت یعنی ناشکری ہے یا ایمان کا ماقلب یعنی بلاقصور مسلمان کو برا کہنا اور بلاقصور اس سے لڑنا بھڑنا ناشکری ہے یا کفار کا سا کام ہے یا اسے مسلمان ہونے کی وجہ سے مارنا پیٹنا یا ناجائز جنگ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر و بے ایمانی ہے۔ [۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو جھوٹ چھوڑ دے جو کہ باطل چیز ہے تو اس کے لئے جنت کے کنارہ میں گھر بنایا جائے گا اور جو لڑائی جھگڑے چھوڑ دے حالانکہ حق پر ہو اس کے لئے بیچ جنت میں گھر بنایا جاوے گا اور جس کے اخلاق اچھے ہوں اس کے لئے جنت کے اوپری حصہ میں گھر بنایا جاوے گا۔

(بہ روایت حضرت انسؓ) [۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی (کانا پھوسی) نہ کریں کیوں کہ اس سے اسے (تیسرے کو) رنج پہنچتا ہے''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہؓ) [۷]

آداب مجلس اور نشست و برخاست کے ضمن میں جن باتوں کی تعلیم و تربیت فرمائی گئی ہے ان میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ جب کسی جگہ یا مجلس میں صرف تین اشخاص موجود ہوں تو پھر ہر ایک پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کا لحاظ کرے ان تین آدمیوں میں سے اگر دو آدمی آپس میں رازدارانہ انداز سے گفتگو کریں تو یہ خلاف ادب ہوگا۔ انھیں تیسرے آدمی کو نظر انداز کر کے آپس میں سرگوشی نہیں کرنا چاہئے اس بات سے تیسرے شخص کو رنج ہونا فطری امر ہے کیوں کہ وہ اپنے غیر اہم ہونے کا احساس کرے گا اور یہ سمجھ کر رنجیدہ خاطر ہوگا کہ دونوں کے درمیان جو گفتگو ہو رہی ہے وہ اس سے اس لئے چھپائی جا رہی ہے کہ وہ اس کو جاننے کے لائق نہیں سمجھا جا رہا یا پھر اسے یہ خیال گزرے کہ کہیں اس کے خلاف کوئی سازشی بات نہ ہو یا کہیں اس کا

مذاق تو اڑایا نہیں جا رہا ہے۔ یہ گمان اسے رنجیدہ تو کرے گا ساتھ ہی اس کے خوفزدہ ہو جانے کا امکان بھی ہو گا یا پھر وہ مشتعل بھی ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ایسی امکانی صورت سے بچنے کے لئے نہایت واضح اور روشن ہدایت ملتی ہے کہ اگر تین میں سے دو آدمی اس بات کی پابندی کر لیں کہ آپس میں سرگوشی یا کانا پھوسی نہیں کریں گے تو پھر ہر بدگمانی رنجیدگی، اندیشے اور دل شکنی سے بچا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم لوگ راستوں میں نہ بیٹھا کرو"۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہؐ! ہم اس کے بغیر گزر نہیں کر سکتے۔ ہم لوگ وہاں بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر ایسی بات ہے تو راستے کا حق ادا کیا کرو"۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! اس کا حق کیا ہے؟۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نظر نیچی رکھنا، کسی کو ایذا نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیک بات کا حکم دینا، برائی سے منع کرنا"۔ (بہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ)[۸]

---

(۱) بخاری، کتاب الرقاق، باب ۲۳، حدیث نمبر ۶۴۷۸ (۲) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۴۸، حدیث نمبر ۱۹۷۷ (۳) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ۲۴، حدیث نمبر ۶۶۱۲ (۴) بخاری، کتاب الادب، باب ۴۴، حدیث نمبر ۶۰۴۴ (۵) مرآت ج ۶ (۶) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۵۸، حدیث نمبر ۱۹۹۳ (۷) مسلم، کتاب السلام، باب ۱۵، حدیث نمبر ۵۶۹۷ (۸) بخاری، کتاب المظالم والغضب، باب ۲۲، حدیث نمبر ۲۴۶۵

اپنی زبان کو قابو میں رکھو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

لیس المؤمن بالطعان و لا اللعان و لاالفاحش و لاالبذیء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مؤمن نہ تو طعنہ باز ہوتا ہے اور نہ لعنت باز اور نہ فحش گو اور نہ بے حیاء''۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ)[1]

سچا مسلمان ان تمام عیبوں سے بری ہوتا ہے۔لعن طعن شان اسلام اور وقار مؤمن کے خلاف ہے۔ طعن وتشنیع ،لعنت بھیجنا، گالی گلوچ ،سب وشتم ، بے شرمی ، بے غیرتی یا بے حیائی کا مؤمن کے اعلی اخلاق اور تعلیمات دین سے کوئی تعلق نہیں۔ان بری باتوں اور معائب سے مرد مؤمن کا کوئی علاقہ نہیں۔ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جامع ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ نجات کا کیا ذریعہ ہے؟ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور تم کو تمہارا گھر کافی رہے اور اپنی خطاؤں پر روؤ''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک چھوڑ دینا ہے

اس کا جو اسے نفع نہ دے''۔ (بہ روایت حضرت علیؓ) [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت سفیان بن اسدؓ نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''بری خیانت یہ ہے کہ جو اپنے بھائی سے کوئی بات کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو اور تو اس میں جھوٹا ہے''۔ [4]

اس شخص سے جھوٹ بولنا جو تمھیں سچا سمجھتا اور تم پر اعتماد کرتا ہے بہت ہی برا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو دنیا میں دو منہ والا ہوگا قیامت کے دن اس کی دو زبانیں ہوں گی آگ کی''۔ (بروایت حضرت عمارؓ) [5]

دو منہ والا وہ شخص ہے جو سامنے تعریف کرے اور پیچھے برائی۔ سامنے دوستی ظاہر کرے اور پیچھے دشمنی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنے بھائی پر لعن طعن ظاہر نہ کرو، ورنہ اللہ تعالی اس پر رحم کر دے گا اور تجھے مبتلاء کر دے گا''۔ (بروایت حضرت واثلہ بن اسقع ؓ) [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مؤمن تمام خصلتوں پر پیدا کیا جا سکتا ہے سواء خیانت اور جھوٹ کے''۔ [7]

جھوٹ اور خیانت ایسی بری عادتیں ہیں کہ کسی مؤمن میں یہ دونوں چیزیں اصلی پیدائشی نہیں ہوسکتی، اگر کوئی مؤمن جھوٹا یا خائن ہوگا تو عارضی طور پر ہوگا کہ جھوٹوں اور خائنوں کی صحبت میں رہ کر یہ جھوٹا یا خائن بن جائے۔ اس کے علاوہ اور باتیں مؤمن میں اصل پیدائشی ہوسکتی ہیں۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہیں کہ مؤمن کو چاہئے کہ جھوٹا و خائن عادتاً نہ بنے، ان عیبوں کی عادت نہ ڈالے یہ دونوں اس کی شان ایمان کے خلاف ہیں۔ [8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''انسان کا خاموشی سے ثابت قدم رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔'' (بروایت حضرت عمران بن حصینؓ) [9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ”کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے“ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ”ہاں“۔ پھر عرض کیا گیا ”مؤمن کنجوس ہوسکتا ہے“۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ”ہاں“۔ پھر عرض کیا گیا ”کیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے“۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ”نہیں“۔ (بہ روایت حضرت صفوانؓ)[10]

حضرت عمران بن حطانؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوذرؓ کے پاس گیا تو میں نے انھیں ایک کالے کمبل میں اکیلے ٹیک لگائے بیٹھے پایا۔ میں نے کہا ”اے ابوذرؓ! یہ گوشہ نشینی کیسی“ تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”تنہائی بہتر ہے ہر ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے تنہائی سے اور اچھی بات بولنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی بہتر ہے بری بات بولنے سے۔“[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اے ابوذر! کیا میں تم کو ایسی دو خصلتوں پر رہبری نہ کروں جو پیٹھ پر ہلکی ہیں اور ترازوں میں بھاری ہیں“۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا ”ہاں“۔ تو حضور اکرمؐ فرمایا ”دراز خاموشی اور اچھی عادت“۔[12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب دیکھے جائیں تو اللہ یاد آجائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی سے چلیں دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنے والے پاک لوگوں میں عیب ڈھونڈنے والے“۔ (بہ روایت حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ)[13]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل ہو جاتا ہے، اس بدبو کی وجہ سے جو آتی ہے“۔ (بروایت حضرت ابن عمرؓ)[14]

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۴۸، حدیث نمبر ۱۹۷۷ (۲) ترمذی، کتاب الزھد، باب ۶۰/۶۱، حدیث نمبر ۲۴۰۶ (۳) موطا امام مالک (۴) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۷۱، حدیث نمبر ۴۹۶۳ (۵) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۳۴، حدیث نمبر ۴۸۶۵ (۶) ترمذی، کتاب القیامۃ والرقائق، باب ۵۴/۱۱۹، حدیث نمبر ۲۵۰۶ (۷) مشکٰوۃ (۸) مرقات، لمعات (۹) مشکٰوۃ (۱۰) مالک موطا (۱۱، ۱۲، ۱۳) مرات (۱۴) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۴۶، حدیث نمبر ۱۹۷۲

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے جبرئیل پڑوسی کے متعلق حکم الٰہی پہنچاتے رہے حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے''۔ (بہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

اس ارشاد مبارک سے پڑوسی کے ساتھ بہترین معاشرت، عمدہ رویے، اچھے سلوک اور خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کا تاکیدی اشارہ ملتا ہے۔ پڑوسی کو وارث بنائے جانے کے خیال شریف کا باعث بار بار پڑوسیوں کے متعلق احکام الٰہی کا نازل ہوتے رہنا ہے جیسا کہ ارشاد مبارک میں اظہار فرمایا گیا ہے۔ متعدد احادیث شریفہ میں پڑوسیوں کے ساتھ اچھے اور مثالی روابط سے متعلق خاص ہدایتیں ملتی ہیں۔ پڑوسیوں کی عزت کے متعلق یہ ارشاد ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو اللہ تعالیٰ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا، اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا

،اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا''۔لوگوں نے یہ سن کرعرض کیا۔''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون؟''تو فرمایا ''وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو''۔[3]

یہ تکرار تاکیدی ہے یہاں مراد''وہ مؤمن کامل نہیں ہوسکتا''ہے یعنی کمال ایمان کی نفی ہے۔اس سے یہ مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ پڑوسیوں کو شرارتوں سے محفوظ رکھنا کمال ایمان کی نشانی ہے۔پڑوسی سے ہمیشہ کا واسطہ رہتا ہے۔لہذا ہمیشہ اس کے ساتھ عمدگی خندہ پیشانی اور فراخ دلی کا معاملہ رہے۔پڑوسی کو ہر قسم کی ایذاء دہی، زحمت اور نقصان وغیرہ سے بچانا چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر اعتقاد رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے''۔[4]

دین حق اسلام کی اساسی تعلیمات میں خدمت خلق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔اپنے ساتھیوں، دوستوں، ہم پیشہ لوگوں، پڑوسیوں اور ہر کس و ناکس کے ساتھ عمدگی سے پیش آنا ان سے میل جول رکھنا ان کی رفاقت کا حق ادا کرنا اور ان کی ممکنہ خدمت اور انہیں راحت پہنچانے کا ہر ممکنہ طریقہ اپنانا اور ہر وقت ان کی دلجوئی کرتے رہنا شامل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہیں جو اپنے ہمراہیوں (ساتھیوں دوستوں) کے لئے بہتر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ساتھی پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کے لئے اچھے ہوں''۔[5]

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں بشمول پڑوسیوں کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے اور اچھا سلوک کرے۔اپنے ساتھیوں پڑوسیوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ یہ ہے کہ

ان کی اخلاقی، معاشرتی اور فکری رہبری کرے ان کو برائیوں سے روکے بھلائیوں پر مائل کرے۔ فکری اور عملی دونوں طرح سے انھیں اچھائی صفائی اور نیکی کی ترغیب دیں ان کی بوقت احتیاج ممکنہ اعانت کرے ان کے حقوق کا خیال رکھیں ان کی تکلیف میں شریک رہیں ان کی راحت وخوشی میں شامل رہیں اگر کوئی ان تمام باتوں کے ساتھ اپنے پڑوسی اور ہمسائے کے لئے سامان اطمینان وفرحت مہیا کرتا ہے تو صحیح معنوں میں وہ مستحق رضا وخوشنودی بن جاتا ہے۔

ایک صحابی اس بارے میں بڑے متفکر تھے کہ بھلائی اور برائی کی تمیز کس طرح کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے بارگاہ رسالتؐ میں جسارت لب کشائی کی اور عرض کیا ''یارسول اللہؐ! میں کیسے جانوں جب کہ میں بھلائی کروں یا جب کہ میں برائی کروں؟''۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے بھلائی کی تو (جان لو) واقعی تم نے بھلائی کی اور جب تم انھیں کہتے سنو کہ تم نے برائی کی تو (سمجھ لو) واقعی تم نے برائی کی''۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) [۶]

اس ارشاد پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ اچھے اور برے کام کی تمیز اور پہچان کی کسوٹی یہ ہے کہ اس کے متعلق بندگان خدا، دیکھنے والے، ملنے جلنے والے، پاس پڑوس، دوست احباب کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کام کو اچھا سمجھ کر اسے پسند کرتے ہیں تو گویا وہی کام بھلائی، نیکی اور خیر ہے اور اگر وہ تمام کسی کام کو برا سمجھیں پسند نہ کریں تو گویا وہی برائی، غلطی اور ناپسندیدہ فعل ہے۔ بالخصوص پڑوسی اپنے پڑوسی کے ذاتی و خانگی حالات سے بخوبی واقف ہوا کرتے ہیں اس طرح وہ اس کے مشاغل عادات واطوار وغیرہ بھی جانتے ہیں لہذا وہی کسی بھی کام کے متعلق نہایت صحیح اور معقول تبصرہ کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ پڑوسی کا بھلا برا ہونے سے متعلق فیصلہ میں کسی کام کے خوب وناخوب ہونے کا پیمانہ ہے۔

مسلمانوں کی رائے اور کسی کے متعلق اچھا برا ہونے کے متعلق کہنا بجائے خود کسی کام کے بھلے برے ہونے سے متعلق سند ہے۔ مخلوق کی زبان سے بلاشبہ وہی نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ ان سے کہلواتا ہے۔ اس ارشاد مبارکہ سے ایک اور پہلو برآمد ہوتا ہے کہ اپنے متعلق خود ہی فیصلہ نہ کرلو۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت اوران کی راحت رسانی کے ضمن میں بھی چند اخلاقی ضابطوں کا لحاظ ضروری ہے اس میں بھی ترجیحات کا قاعدہ مقرر کردیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ’’جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر کے دروازہ سے قریب ہے (وہ تمہارے سلوک کا زیادہ مستحق ہے)‘‘۔

(بہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ) [۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’مومن (وہ) نہیں جو خود سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے‘‘۔ [۸]

اس سلسلے میں جو ترجیحات ہیں وہ اس طرح ہیں کہ پڑوس میں آپسی مناسبات مذہبی وقرابت داری باہمی ربط ومحبت وغیرہ کیونکہ اکہری وجہ سے زیادہ ایک سے بڑھ کر وجوہات کا ترجیح پانا فطری بات ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۲۸، حدیث نمبر ۶۰۱۵ (۲) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۹، حدیث نمبر ۱۷۳ (۳) بخاری، کتاب الادب، باب ۲۹، حدیث نمبر ۶۰۱۶ (۴) بخاری، کتاب الادب، باب ۳۱، حدیث نمبر ۶۰۱۸ (۵) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۲۸، حدیث نمبر ۱۹۴۴ (۶) مسند احمد (۷) بخاری، کتاب الشفعۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۲۲۵۹ (۸) بخاری (آداب المفرد)

مہمانوں کا اکرام

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ یوم ولیلۃ والضیافۃ ثلثۃ ایام فما بعد ذلک فھو صدقۃ ولایحل لہ ان یثوی عندہ حتی یحرجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے اس کی مہمانی ایک دن رات ہے اور دعوت تین دن ہے اس کے بعد وہ صدقہ ہے مہمان کو یہ حلال نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتی کہ اسے تنگ کردے''۔ (بہ روایت حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''...ضیافت تین دن تک (لازم) ہے اور اس کے علاوہ صدقہ (خیرات) ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابی شریح عدویؓ)[2]

مہمان کا اکرام ضروری ہے۔ ایک دن رات جائزہ یعنی ہدیہ عطیہ لازمی ہے اور تین دن ضیافت، اس مدت کے بعد مہمان کے لئے خدمات صدقہ (خیرات) ہے۔ تین دن کے بعد اگر میزبان خود ہی خوشی اور اصرار کے ساتھ روکے تو مہمان کے رک جانے میں کوئی حرج نہیں ورنہ مہمان کا اپنے طور پر رکنا میزبان کے

لئے بوجھ اور تنگی کا سبب بن سکتا اور یہ بات اس کے لئے تکلیف دہی کا باعث ہوگی اور دوسری طرف مہمان کے واسطے بھی غیرت کے خلاف ہوتی ہے۔ لہذا خود مہمان اس بارے میں فیصلہ کرے اپنے میزبان کو زحمت میں ڈالے بغیر رخصت ہو جائے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ مہمان قبل از وقت اپنی آمد کی اطلاع کرادے اور کتنے دن ٹھہرنے والا ہے مطلع کردے تین دن کی مدت کی حد تک تو مناسب ہے اگر زیادہ دن رکنا ہو تو پھر احسن طریقہ سے مہمان اپنے اخراجات کی ادائیگی کا بندوبست کرے کہ میزبان کو مہمانداری کی برکتوں کے ساتھ ساتھ زائد دنوں کے مصارف کے ضمن میں فکرمند ہونا نہ پڑے اور مہمان کو بھی احساس بے غیرتی یا شرمندگی نہ ہو۔ تین دنوں سے زیادہ قیام کی صورت میں تین دن کے بعد کے خرچ کو کس طرح پہنچانا ہے یہ مہمان اور میزبان کے آپسی تعلق و روابط پر منحصر ہے اس بارے میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ میزبان کو خرچ لینے میں اپنی ہتک محسوس نہ ہو اور مہمان اپنی اخلاقی ذمہ داری کو پورا کردے اور اپنے میزبان پر بوجھ بننے کے احساس سے بچ سکے۔ مہمان کی مہمانداری یعنی اکرام و تواضع نہ کرنا نامناسب ہے اور اگر کبھی ایسا ہو تو پھر اس کا بدلہ نہیں لینا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابی احوصؓ کے والد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! (کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ) میں (مسافرت کی حالت میں) کسی شخص پر گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانداری نہیں کرتا۔ پھر (کار قضا اگر کہیں) وہ میرے ہاں آ نکلے تو کیا (آپ اجازت دیتے ہیں کہ) میں اس سے بدلہ لوں؟ (یعنی جس طرح اس نے میرے مہمان ہونے کے وقت میری ضیافت نہیں کی تھی میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں کہ جب وہ میرے ہاں مہمان ہو تو میں اس کی ضیافت نہ کروں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”نہیں! تو اس کی ضیافت کر“ (اسی روایت میں آگے حضرت عوف بن مالک کا بیان

ہے کہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر فرمایا ''کیا تیرے پاس کچھ مال ہے؟ (یا نہیں)''۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطا کیا ہے، اونٹ (بھی دیئے) بکریاں (بھی دیں) حضورؐ نے فرمایا کہ ''تو مناسب ہے کہ (مالداری کا نشان) تجھ پر دیکھا جاوے (یعنی تمہارا لباس ایسا نہ ہونا چاہئے جس سے ظاہر ہو کہ تم مفلس آدمی ہو۔ اس لئے غنی (مالدار) کو ادنیٰ (پرانے کم قیمت) پہننا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے) [۳]

اس ارشاد میں دو تین اہم پہلوؤں سے متعلق ہدایات ملتی ہیں کہ اگر کسی نے مہمانداری نہ کی ہو تو جواباً اس کے ساتھ ویسا سلوک نہ کیا جائے بلکہ اگر وہ مہمان بن کر آئے تو اس کی ضیافت ضرور کرنی چاہئے اس کا بڑا اجر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کسی کو مال ودولت، نعمت، ثروت سے مالا مال فرمایا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے لباس (اور معاشرت) کے ذریعہ یعنی حسب حیثیت صاف عمدہ اچھے پیراہن میں رہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا شکر ادا ہو۔ حدیث شریف میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ غنی (مالدار) کو ادنیٰ لباس کے بجائے اچھا لباس (جسے مالداری کا نشان بھی کہا جا سکتا ہے) پہننا چاہئے تا کہ ناشکری نہ ہو بلکہ شکر نعمت ہو۔ مہمان داری کی بڑی برکتیں ہیں یہاں تک کہ مل کر کھانے میں بھی برکت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے''۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''شاید تم الگ الگ کھاتے ہو''۔ عرض کیا ''ہاں'' تب فرمایا ''اپنے کھانے پر جمع ہو جایا کرو اور اللہ کا نام لو تم کو اس میں برکت دی جائے گی''۔ [۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب دسترخوان رکھا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے تا آنکہ دسترخوان اٹھا لیا جائے اور نہ اپنا ہاتھ اٹھالے اگرچہ سیر ہو جائے حتیٰ کہ قوم (لوگ) فارغ ہو جائیں اور

معذرت کر دے کیوں کہ یہ کام اپنے ساتھی کو شرمندہ کرے گا کہ وہ بھی اپنا ہاتھ سمیٹ لے گا ممکن ہے کہ ابھی اسے کھانے کی ضرورت ہو"۔ (بہ روایت حضرت ابن عمرؓ)[5]

یعنی اگر کوئی شخص جلد کھا چکے تب بھی ساتھ کھانے والوں کی خاطر خود بھی بیٹھا رہے بلکہ چھوٹے چھوٹے لقموں سے کھاتا رہے تاکہ دوسرے شکم سیر ہو کر کھالیں اگر جانے کی جلدی ہو تو دوسروں سے معذرت چاہ کر اجازت لے اگر بغیر کچھ کہے اٹھے تو دوسرے ساتھی شرم کی وجہ سے بغیر فراغت اٹھ کھڑے ہوں گے اور بھوکے رہ جائیں گے اس لئے کھانا سب کے ساتھ ختم کرنا ہی بہتر ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب ۸۵، حدیث نمبر ۶۱۳۵ (۲) مسلم، کتاب اللقطۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۴۵۱۳ (۳) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ۶۳، حدیث نمبر ۲۰۰۶ (۴) ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب ۱۴، حدیث نمبر ۳۷۶۰ (۵) ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب ۲۱، حدیث نمبر ۳۲۹۵

سلام کلام سے پہلے ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أولا أدلکم علی شیء اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم جنت میں نہ جاؤ گے حتی کہ مؤمن بن جاؤ اور مؤمن نہ بنو گے حتی کہ آپس میں محبت کرو کیا میں تمہیں اس پر رہبری نہ کروں کہ جب تم وہ کرلو تو آپس میں محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام پھیلاؤ''۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اسے جسے پہچانو یا نہ پہچانو''۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سلام کرے سوار پیدل پر اور پیدل بیٹھے ہوئے پر اور تھوڑے بہتوں پر''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''سلام کرے چھوٹا بڑے پر اور گذرنے والا بیٹھے ہوئے

پر اور تھوڑے بہت پر۔"[4]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لڑکوں پر گذرے تو انہیں سلام کیا۔[5]

حضور انورؐ نے فرمایا کہ "جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو کہہ دو "وعلیکم"۔[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب دو شخص ملیں تو کس کو سلام میں پہل کرنا چاہیئے؟ حضور انورؐ نے فرمایا کہ "جو اللہ سے قریب تر ہو (وہ سلام میں پہل کرے)"۔

(بروایت حضرت ابوامامہؓ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جماعت کی طرف سے یہ کافی ہے کہ جب وہ گذریں تو ان میں سے ایک سلام کرے اور بیٹھے ہوؤں کی طرف سے یہ کافی ہے کہ ان میں سے ایک جواب دے دے"۔ (بروایت حضرت علیؓ)[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے پھر اگر ان کے درمیان درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہو جائے پھر اس سے ملے تو پھر اسے سلام کرے"۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اس کے باشندوں کو سلام کرو اور جب نکلو تو وہاں کے باشندوں کو سلام سے وداع کرو"۔ (بروایت حضرت قتادہؓ)[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اے میرے بچے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ برکت ہوگی تم پر اور تمہارے گھر والوں پر"۔ (بروایت حضرت انسؓ)[11]

مشہور تابعی حضرت غالب بن ابی غیلانؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا بولا مجھے میرے والد نے میرے دادا سے خبر دی فرمایا مجھے میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، کہا حضور کے پاس جاؤ تو حضور کو میرا اسلام عرض کرو۔ فرماتے ہیں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ میرے والد آپ کو سلام عرض کرتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم پر اور تمہارے باپ پر سلام''۔ [12]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی کسی مجلس تک پہنچے تو سلام کرے پھر اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جاوے پھر جب کھڑا ہو تو پھر سلام کرے کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ) [13]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کلام سے پہلے سلام ہے۔'' (بروایت حضرت جابرؓ) [14]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''سلام میں ابتداء کرنے والا تکبر سے دور ہے''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہؓ) [15]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''راستوں میں بیٹھنے میں بھلائی نہیں سواء اس کے جو راستہ کو بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ نیچی رکھے اور سوار کرنے پر مدد دے''۔ [16]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انھیں چھینک آئی، انھوں نے کہا ''الحمدللہ'' (باذن الٰہی) پھر ان سے ان کے رب نے کہا کہ آدم! اللہ تم پر رحمت کرے۔ ان فرشتوں کے پاس جو جماعت بیٹھی ہے جاؤ تو کہو ''السلام علیکم''

چنانچہ انھوں نے کہا ''السلام علیکم'' وہ بولے ''علیک السلام ورحمتہ اللہ'' پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[17]

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۲، حدیث نمبر ۱۹۴ (۲) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۰، حدیث نمبر ۲۸ (۳) بخاری، کتاب الستئذان، باب ۵، حدیث نمبر ۶۲۳۲ (۴) بخاری، کتاب الاستئذان، باب ۴، حدیث نمبر ۶۲۳۱ (۵) مسلم، کتاب السلام، باب ۵، حدیث نمبر ۵۶۶۳ (۶) بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب ۴، حدیث نمبر ۶۹۲۶ (۷) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۶، حدیث نمبر ۲۶۹۴ (۸) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۱۴۰/۱۴۱، حدیث نمبر ۵۲۰۱ (۹) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۱۳۴/۱۳۵، حدیث نمبر ۵۱۹۱ (۱۰) بیہقی (۱۱) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۱۰، حدیث نمبر ۲۶۹۸ (۱۲) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۱۵۳/۱۵۴، حدیث نمبر ۵۲۲۲ (۱۳) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۱۵، حدیث نمبر ۲۷۰۶ (۱۴) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۱۱، حدیث نمبر ۲۶۹۹/۱ (۱۵) بیہقی شعب الایمان (۱۶) شرح سنہ (۱۷) ترمذی، کتاب التفسیر، باب ۹۴/۰۰۰، حدیث نمبر ۳۳۶۸

مصافحہ سبب بخشش

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ما من المسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یفترقا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی دو مسلمان (جب) آپس میں ملیں پھر مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں۔'' (بہ روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ)[1]

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ مروج تھا'' تو انھوں نے کہا ''ہاں''۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب دو مسلمان ملیں تو مصافحہ کریں، اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے معافی چاہیں تو ان کی بخشش کردی جاتی ہے۔'' (بہ روایت حضرت براء بن عازبؓ)[3]

مصافحہ سے گناہ صغیرہ جو ہاتھ سے کیئے گئے معاف ہوجاتے ہیں، گناہ کبیرہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ! ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملے تو کیا اس کے آگے جھکے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

''نہیں'' عرض کیا اس لپٹ جاوے اور اسے چومے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں'' پھر عرض کیا کیا اس کا ہاتھ پکڑے اور اس سے مصافحہ کرے؟ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ''ہاں''[4]

لپٹنے اور چومنے کے منع کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں ہر ایک سے مصافحہ کرنا اور ہر ایک کو چومنا منع ہے۔ خاص صورتوں میں استثناء ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بیمار کی پوری مزاج پرسی یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر رکھے پھر اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے اور تمہارے آپس کی پوری تحیت مصافحہ ہے''۔[5]

عنزہ کے ایک شخص نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے مصافحہ کرتے تھے؟ تو فرمایا ''کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں ملا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ نہ کیا ہو''۔ (بروایت ایوب بن بشیرؒ)[6]

یہاں مراد یہ ہے کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بھی شرف باریابی پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ کرام مصافحہ سے نوازا۔[7]

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کہتے ہیں کہ ہم (زمین حبشہ سے) چلے حتی کہ مدینہ منورہ پہنچے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے گلے لگا لیا پھر فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں خیبر کی فتح سے زیادہ خوش ہوا یا جعفر کے آنے سے اور اتفاقاً یہ آمد فتح خیبر کے دن ہوئی تھی۔[8]

حضرت ذارع بن عامرؓ قبیلہ عبدالقیس کے وفد میں حاضر ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ''جب ہم مدینہ

منورہ آئے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی آترنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے''۔[9]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ انھوں نے کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیئت عادت صورت میں (ایک روایت میں ہے کہ) اور بات وگفتگو میں پورا پورا مشابہہ ہو بمقابلہ (حضرت بی بی) جناب فاطمہؓ کے جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے انہیں چومتے انہیں اپنی مجلس میں بٹھاتے اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو حضرت بی بی فاطمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھڑی ہو جاتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑتیں اور اسے بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھا دیتیں۔[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آپس میں مصافحہ کرو کینہ جاتا رہے گا اور اس میں ہدیے تحفے دو محبت کرنے لگو گے اور دشمنی جاتی رہے گی''۔ (بہ روایت عطا خراسانیؒ)[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کریں تو ان کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا مگر جھڑ جاتا ہے''۔[12]

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب قریظہ حضرت سعدؓ کے حکم پر اترنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں (حضرت سعدؓ) کو بلا بھیجا اور وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہی تھے چنانچہ وہ ایک گدھے پر سوار آئے تو جب مسجد سے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ ''اٹھ کر جاؤ اپنے سردار کی طرف''۔[13]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کوئی شخص صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا یہ حضرات جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیوں کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناپسندیدگی کو جانتے تھے۔[۱۴]

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے تشریف لائے ہم کھڑے ہوگئے تو فرمایا کہ ''ایسے نہ کھڑے ہوؤ جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں ان کے بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔''[۱۵]

جو کوئی اپنے لئے قیام تعظیمی کرانا چاہے اس کے لئے نہ کھڑے ہو یا اس طرح کھڑے ہونا ممنوع ہے کہ مخدوم بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں دست بستہ اور یہ عمل تکبر وغرور کیلئے ہو ضرورۃ نہ ہو تب سخت ممنوع ہے۔ عادل حاکم کے سامنے کھڑا ہونا یا استاد کے سامنے شاگردوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے۔[۱۶]

---

(۱) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۳۱، حدیث نمبر ۲۷۲۷ (۲) بخاری، کتاب الاستئذان، باب ۲۷، حدیث نمبر ۶۲۶۳ (۳) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۴۱، حدیث نمبر ۵۲۰۲ (۴، ۵) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۳۱، حدیث نمبر ۲۷۲۸، ۲۷۳۱ (۶) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۴۳/۱۴۲، حدیث نمبر ۵۲۰۵ (۷) مرقات (۸) مشکوٰۃ، شرح السنہ (۹) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۴۹/۱۴۸، حدیث نمبر ۵۲۱۶ (۱۰) ابو داؤد، کتاب الادب، باب ۱۴۴/۱۴۳، حدیث نمبر ۵۲۰۸ (۱۱) مالک موطا (۱۲) بیہقی (۱۳) بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب ۱۶۸، حدیث نمبر ۳۰۴۳ (۱۴) ترمذی، کتاب الادب، باب ۴۷/۱۳، حدیث نمبر ۲۷۵۴ (۱۵) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۵۳/۱۵۲، حدیث نمبر ۵۲۲۱ (۱۶) مرقات

اجازت طلبی

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

اذا أستأذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن له فلیرجع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت مانگے پھر اسے اجازت نہ دی جاؤ تو لوٹ جاوے۔‘‘ (بہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)[1]

اذن کے معنی علم بھی ہیں اور رباحت و اجازت بھی۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوموسیٰؓ آئے بولے حضرت عمرؓ نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں ان کے پاس آؤں تو میں ان کے دروازے پر آیا میں نے تین بار سلام کیا انھوں نے جواب نہ دیا تو میں لوٹ گیا انھوں نے فرمایا کہ تم کو ہمارے پاس آنے سے کس نے روکا، میں نے کہا میں آیا تھا آپ کے دروازے پر تین بار سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا تو میں لوٹ گیا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ’’جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت مانگے پھر اسے اجازت نہ دی جائے تو لوٹ جائے‘‘۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر گواہی قائم کرو ابوسعید کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اٹھا اور حضرت عمرؓ کی طرف گیا پھر میں نے گواہی دی۔

استیذان کے معنی اجازت داخلہ حاصل کرنا ہیں یا یہ علم حاصل کرنا کہ مجھے اس جگہ جانا درست ہے۔ کسی

کے گھر میں جاتے وقت اس سے اجازت مانگنا سنت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کہے السلام علیکم کیا میں آ سکتا ہوں۔ یہ سلام بھی استیذان کا ہے۔[۲]

معلوم ہوا کہ داخلہ کی اجازت مانگنے کے لئے صرف سلام کرنا بھی کافی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس قرض کے بارے میں آیا جو میرے والد پر تھا۔ میں نے دروازہ بجایا۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''کون ہ؟'' میں نے کہا کہ ''میں''۔ تو حضور انورؐ نے فرمایا ''میں میں'' کیا۔ غالبا حضور اقدسؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔[۳]

اس حدیث شریف سے یہ تعلیم و ہدایت واضح ہوتی ہے کہ آنے والا پوچھنے پر اپنا نام لے صرف ''میں'' نہ کہہ دے کہ ''میں'' سب ہیں اس سے اہل خانہ کو یہ پہچان نہیں ہوتی کہ آنے والا کون ہے۔ ہاں اگر بلانے والا بجائے مردانہ حصہ میں رہنے کے اگر زنانہ حصہ میں ہو تو پھر اجازت لینا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ داخل ہوا تو آپ نے پیالہ میں دودھ پایا۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''ابو ہریرہ! صفہ والوں کے پاس جاؤ اور انھیں بلا لاؤ''۔ حسب ارشاد میں ان کے پاس گیا انھیں بلایا تو وہ آ گئے انھوں نے اذن مانگا۔ انہیں اذن دیا تو وہ اندر آئے۔[۴]

ان بزرگوں کو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد فرمایا بلایا تھا مگر وہ حضرات دیر سے آئے تھے اس لئے انھوں نے داخلہ کی اجازت طلب کی ورنہ وہ آنے والے بلانے والے کے ساتھ فوراً آ جاتے تو اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔

حضرت کلدہ ابن حنبل کہتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے دودھ یا ہرنی کا بچہ اور ککڑیاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے بلند حصہ میں تشریف رکھتے تھے۔ میں حاضر ہوا تو نہ سلام کیا نہ اجازت لی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لوٹ جاؤ پھر سلام علیکم کہو

پھر اندر آؤ''۔ [5]

شارحین نے اس ارشاد و عمل مبارک کے متعلق یوں واضح فرمایا ہے کہ ''یہ عمل اس لئے فرمایا تاکہ انھیں یاد رہے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کریں''۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ہمارے گھر میں بغیر سلام آئے اسے پھر باہر بھجواؤ اور کہو کہ دوبارہ سلام کر کے آؤ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے عمل سے اسے عادت پڑھ جائے گی۔ [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی کھانے پر بلایا جاوے تو وہ قاصد کے ساتھ آئے تو یہ ہی اس کی اجازت ہے۔'' (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آدمی کا قاصد آدمی کی طرف سے اس کی اجازت ہے''۔ [8]

حضرت عبداللہ بن بسرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو منہ کی طرف سے دروازے کے سامنے نہ ہوتے لیکن اس کے داہنے یا بائیں رہتے پھر فرماتے السلام علیکم۔ السلام علیکم اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں گھروں پر پردے نہ تھے۔ [9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی ماں سے داخلہ کی اجازت لوں۔ فرمایا ''ہاں'' وہ بولا کہ میں اس کے گھر میں اس کے ساتھ رہتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے (گھر میں) داخلہ کی اجازت لو تو، وہ شخص بولا کہ میں اس کا خدمت گار ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے اجازت داخلہ لو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے برہنہ دیکھو وہ بولا نہیں تو فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو۔ (بہ روایت حضرت عطاء بن سیار) [10]

---

(۱) بخاری، کتاب الاستئذان، باب ۱۳، حدیث نمبر ۶۲۴۵ (۲) اشعہ و مرقات (۳) بخاری، کتاب الاستئذان، باب ۱۷، حدیث نمبر ۶۲۵۰ (۴) بخاری، کتاب الاستئذان، باب ۱۴، حدیث نمبر ۶۲۴۶ (۵) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ۱۸، حدیث نمبر ۲۷۱۰ (۶) مرقات (۷، ۸) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۲۸/۱۲۹، حدیث نمبر ۵۱۸۱، ۵۱۸۰ (۹) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۱۲۷/۱۲۸، حدیث نمبر ۵۱۷۷ (۱۰) مالک موطا

بدفالی کچھ نہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم

لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر

رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بیماری کا اڑ کر لگنا (تعدی) ہے نہ شگون لینا ہے نہ الو ہے اور نہ صفر''۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا کہ بدفالی کچھ نہیں۔ بہترین چیز فال ہے ۔لوگوں نے عرض کیا کہ ''فال کیا چیز ہے؟''۔ فرمایا ''وہ اچھا لفظ جسے تم میں کوئی سنے''۔ [2]

بدفالی مطلقاً ممنوع ہے۔ اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں بدفالی کوئی شے نہیں کسی چیز سے بدفالی نہ لی جائے۔ فال ہر اچھے شگون کو اور طیرہ عموماً بدفالی کو کہا جاتا ہے۔ نیک فال لینا سنت ہے اس میں اللہ تعالیٰ سے امید ہے اور بدفالی لینا ممنوع ہے کہ اس میں رب سے ناامیدی ہے امید اچھی چیز ہے ناامیدی بری ، ہمیشہ رب تعالیٰ سے امید رکھیں'۔ [3]

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر سراقہ مالک کی طرح بریدہ اسلمی بھی مع ستر سواروں کے آپ کی تلاش میں نکلے تاکہ قریش سے سو اونٹ انعام حاصل کریں۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال فرمایا ''تم کون ہو؟'' تو انھوں نے جواباً کہا ''میں بریدہ ہوں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرف التفات فرماتے ہوئے بطور تفاول ارشاد کیا ''اے ابوبکر! ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا''۔ پھر دریافت فرمایا ''تم کس قبیلہ سے ہو؟''۔ بریدہ نے کہا ''میں قبیلہ اسلم سے ہوں''۔ آپ نے حضرت ابوبکر سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ''ہم سلامت رہے''۔ پھر بریدہ سے دریافت فرمایا ''قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟'' بریدہ نے عرض کی ''بنی سہم سے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تیرا حصہ نکل آیا'' یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ بریدہ اور ان کے ستر ساتھی اسی وقت اسلام لے آئے۔[۴]

اسی طرح ایک اور مشہور واقعہ ملتا ہے کہ حدیبیہ میں بیعت الرضوان کے بعد قریش اپنے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کے لئے بھیج رہے تھے جن میں حفص بن مکرز بھی تھا۔ ابھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ سہیل بن عمرو صلح کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کو آتے دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا ''البتہ تمہارا معاملہ کچھ سہل ہوگیا'' اور یہ فرمایا کہ ''قریش اب صلح کی طرف مائل ہوگئے ہیں اس شخص کو صلح کے لئے بھیجا ہے''۔ ''کچھ سہل ہوگیا'' ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ ''پورا سہل تو نہیں ہوا لیکن کچھ نہ کچھ سہل ہوگیا''۔ ''**قد سھل لکم من امر کم**''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیک فال کو پسند فرماتے تھے اس لئے سہل کی آمد سے نیک فال لی۔[۵]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی فال تو لیتے تھے بد فال نہ لیتے تھے اور اچھا نام پسند فرماتے تھے۔[۶]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے مقام وغیرہ سے نیک فال لیتے تھے کہ انھیں سن کر دیکھ کر

رحمت الٰہی کے امیدوار ہو جاتے تھے مگر کسی چیز سے بدفال نہیں لیتے تھے کہ اللہ سے ناامیدی نہیں ہونی چاہئے ۔حتیٰ کہ مسلمانوں کے برے نام اچھے ناموں سے تبدیل فرمادیتے تھے کہ نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے۔ ایک شخص کا نام ''حزن'' تھا اسے فرمایا ''تو سہل ہے''۔[۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''عیافت، کنکر پھینکنا اور پرندے اڑانا بتوں میں سے ہے''۔ (بروایت حضرت قطن بن قبیصہؓ)[۸]

پرندوں کے نام سے فال لینا عیافت ہے جیسے عقاب سے سمجھنا عتاب، کوے سے غربت وسفر اور ہدہد سے ہدایت کی امید وغیرہ یہ عیافت ہے۔اسی طرح کنکر پھینکنا یا ریت میں لکیریں کھینچنا وغیرہ فال کے لئے بتوں میں سے بتایا گیا ہے۔حدیث شریف میں لفظ ''جبت'' آیا ہے اس سے مراد یا جادو ہے یا کہانت یا شیطان مطلب یہ ہے کہ یہ کام بت پرستوں، کاہنوں جادوگروں کے سے ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کسی کام کے لئے روانہ ہوتے تو آپ کو پسند تھا کہ سنیں ''**یا راشد ، یا نجیح**''۔[۹]

یہ الفاظ سننا اس لئے پسند تھا کہ ان سے اللہ کے فضل و کامیابی کی امید ہو جاتی ہے یہ نیک فال لینے کا جواز ہے۔

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعض چیزوں سے فال حسن لیتے تھے چنانچہ حضور اقدسؐ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام حضور انورؐ کو پسند آتا تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی سرکار دو عالمؐ کے چہرے میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کی ناپسندیدگی آقائے دو جہاںؐ کے چہرے میں دیکھی جاتی اور جب کسی بستی میں جاتے تو اس کا نام پوچھتے تو اگر

اس کا نام پسند فرماتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی حضور انورؐ کے چہرہ انور میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند فرماتے تو حضور اقدسؐ کے چہرہ میں اس کی ناپسندیدگی محسوس ہوتی۔[۱۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شگون کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ ''ان میں اچھی فال ہے اور کسی مسلمان کو نہ لوٹائے'' (فال سے مراد نیک فال ہے جو اچھی بات اچھا نام سننے سے لی جائے لیکن کوئی شخص کسی کام کو جاتے وقت ناپسندیدہ چیز دیکھے یا سنے جس سے بدشگونی لی جائے تو وہ محض اس وجہ سے اپنے کام سے واپس نہ ہو اللہ پر توکل کرے اور کام کو جائے) حضور اقدسؐ نے فرمایا ''تو جب تم میں سے کوئی وہ دیکھے جسے ناپسند کرتا ہو تو کہہ دے الٰہی! بھلائیاں تیرے سواء کوئی نہیں لاتا اور برائیاں تیرے سواء کوئی نہیں دور کرتا۔ نہیں ہے طاقت اور نہیں ہے قوت مگر اللہ سے۔ اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت و لا یدفع السیئات . الا انت و لا حول و لا قوۃ الا بک'' (بہ روایت حضرت عروہ بن عامرؓ)[۱۱]

انشاءاللہ اس دعاء کی برکت سے کوئی بری چیز اثر نہیں کرتی۔

---

(۱) بخاری، کتاب الطب، باب ۴۵، حدیث نمبر ۵۷۵۷ (۲) بخاری، کتاب الطب، باب ۴۳، حدیث نمبر ۵۷۵۴ (۳) مرآت ج ۶ (۴) دلائل بیہقی، استعیاب بحوالہ سیرت المصطفی ج ۱ (۵) زرقانی ج ۲ بحوالہ ایضاً ج ۲ (۶) شرح سنہ، احمد (۷) مرآت ج ۶ (۸) ابوداؤد، کتاب الطب، باب ۲۳، حدیث نمبر ۳۹۰۳ (۹) ترمذی، کتاب السیر، باب ۴۷، حدیث نمبر ۱۶۱۶ (۱۰، ۱۱) ابوداؤد، کتاب الطب، باب ۲۴، حدیث نمبر ۳۹۱۵، ۳۹۱۴

پسندیدہ نام

قال رسول الله صلی اللہ علیه و آلہٖ و سلم

ان احب اسمائکم الی الله عبدالله و عبدالرحمن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ناموں میں رب تعالیٰ کو بہت پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (بہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

ان ناموں میں عبدیت کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اس میں اپنی عبدیت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ انبیاء کرام کے اسماء مبارکہ کے بعد یہی نام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن بطور تمثیل نام بتائے گئے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اسماء الٰہیہ میں کسی کی طرف نسبت کی جائے کسی نبی کے نام پر نام رکھا جائے۔ اس کے بعد بہتر ہے کہ ایسے نام رکھیں۔ عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ ملائکہ کے نام پر نام رکھنا ممنوع ہے۔ لہٰذا کسی چیز کا جبرئیل یا میکائیل نام نہ رکھیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام کا وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھا جائے۔“ (بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[3]

حضرت زینب ابی مسلمہؓ کہتی ہیں کہ میرا نام برہ رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

''خود اپنی صفائیاں نہ دو تم میں سے بھلائی کرنے والے کو اللہ جانتا ہے اس کا نام زینب رکھو''۔ [4]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی بیٹی کا نام عاصیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام جمیلہ رکھا۔ [5]

چوں کہ عاصیہ کے ایک معنیٰ گنہگار عورت بھی ہے اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نام بدل دیا۔ اہل جاہلیت اس نام کے معنی کرتے تھے برائیوں سے انکار کرنے والی بی بی۔ خیال رہے کہ برہ اور جمیلہ میں فرق یہ ہے کہ برہ بذات خود نیک اور جمیلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیک بی بی جس سے نیک اعمال ہی سرزد ہوں۔ جمیلہ بنا ہے جمال بمعنی حسن سے عاصیہ کا مقابل مطیعہ ہے مگر جو جمیل ہو وہ مطیع بھی ہے۔ [6]

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ منذر بن اسید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا جب کہ وہ پیدا ہوئے تو انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زانو شریف پر رکھا........اور دریافت فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے عرض کیا گیاں ''فلاں'' حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ''نہیں بلکہ اس کا نام منذر ہے''۔ [7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''زمانہ پر سب نہ کرو، کیوں کہ اللہ ہی زمانہ ہے۔''

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا لیکن کہے کہ میرا نفس پریشان ہو گیا۔'' (بہ روایت ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ) [9]

شریح بن ہانیؓ کے والد کہتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو سنا کہ وہ انھیں ابوالحکم کنیت کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا پھر فرمایا کہ اللہ ہی حکم ہے اور اس کی طرف

فیصلے ہیں تمھاری کنیت ابوالحکم کیوں ہیں انھوں نے عرض کیا کہ میری قوم جب کسی بات میں جھگڑتی ہے تو میرے پاس آجاتی ہے میں ان کے درمیان فیصلہ کردیتا ہوں تو دونوں فریق میرے فیصلے سے راضی ہوجاتے ہیں۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہی اچھا ہے۔پھر حضور انورؐ نے دریافت فرمایا کہ ’’تو کیا تمہارا کوئی لڑکا ہے؟‘‘ عرض کیا ’’جی ہاں میرے (تین لڑکے) شریح، مسلم اور عبداللہ ہیں۔‘‘ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’ان میں بڑا کون ہے‘‘۔عرض کیا شریح تو حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ’’تم ابوشریح ہو‘‘۔[10]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے بلائے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو‘‘۔ (بہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ)[11]

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔[12]

حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ ان کے دادا حزنؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ ’’تمہارا نام کیا ہے؟‘‘۔عرض کیا ’’میرا نام حزن ہے‘‘ حضورؐ نے فرمایا کہ ’’بلکہ تم سہل ہو‘‘۔[13]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’نبیوں کے نام پر نام رکھو اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور بہت سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور بہت برے نام حرب اور مرہ ہیں۔‘‘

(بہ روایت حضرت ابووھب جشمیؓ)[14]

بشیر بن میمون نے اپنے چچا اسامہ بن اخدری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کو اصرم کہا جاتا تھا وہ اس

جماعت میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی تھی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''تمہارا نام کیا ہے''۔ وہ بولے اصرم تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بلکہ تم زرعہ ہو''[۱۵]

اصرم کے معنی ٹوٹا ہوا کٹا ہوا ہوتے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام زرعہ سے بدل دیا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری کنیت اس سبزی سے رکھی جیسے میں چنا کرتا تھا۔[۱۶]

اس سبزی کا نام حمزہ تھا جسے حضرت انسؓ چن کر لاتے اور خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ اس لئے ان کی کنیت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو حمزہ رکھی تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کے ہاں لڑکا تولد ہوا اس نے اس نومولود کا نام ''محمد'' رکھا۔ اس کی قوم نے اس سے کہا ہم تجھے یہ نام نہیں رکھنے دیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام رکھتا ہے پھر وہ شخص اپنے بچے کو اپنی پیٹھ پہ سوار کر کے بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور حضور انورؐ سے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ! میرا لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام محمد رکھا میری قوم کے لوگ کہتے ہیں ہم تجھے نہیں چھوڑنے کے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک رکھتا ہے''۔ یہ سن کر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا نام رکھو لیکن میری کنیت (یعنی ابوالقاسم) نہ رکھو کیوں کہ میں قاسم ہوں اور تم میں تقسیم کرتا ہوں''۔[۱۷]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جملہ نعمتوں کو تقسیم فرمانے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک ''محمد'' اور کنیت ابوالقاسم ایک ساتھ رکھنے کی ممانعت یعنی نام مبارک رکھنے کی اجازت اور کنیت ابوالقاسم رکھنے کی ممانعت حضور اقدس کی حیات شریف میں تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ہر طرح اجازت ہے خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک رکھے یا آپ کی کنیت یا دونوں کو جمع کر دے کہ نام محمد رکھے اور کنیت ابوالقاسم رکھے اس کے متعلق بہت سے اقوال ہیں تاہم سب سے قوی قول یہی ہے کہ یہ حکم حیات شریف میں تھا۔[۱۸]

بعد میں اسم مبارک اور کنیت ایک ساتھ نہ رکھنے کی پابندی نہ رہی۔

---

(۱) مسلم، کتاب الآداب، باب ا، حدیث نمبر ۵۵۸۷ (۲) مرقات (۳) بخاری، کتاب، باب ۱۱۴، حدیث نمبر ۶۲۰۵ (۴، ۵) مسلم، کتاب الآداب، باب ۳، حدیث نمبر ۵۶۰۹، ۵۶۰۵ (۶) مرقات (۷) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۰۸، حدیث نمبر ۶۱۹۱ (۸) مسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا، باب ا، حدیث نمبر ۵۸۶۶ (۹) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۰۰، حدیث نمبر ۶۱۷۹ (۱۰) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۶۲، حدیث نمبر ۴۹۴۷ (۱۱) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۶۱، حدیث نمبر ۴۹۴۰ (۱۲) ترمذی، کتاب الادب، باب ۱۰۰/۶۶، حدیث نمبر ۲۸۳۹ (۱۳) بخاری، کتاب الادب، باب ۱۰۸، حدیث نمبر ۶۱۹۳ (۱۴) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۶۱، حدیث نمبر ۴۹۴۲ (۱۵) ابوداؤد، کتاب الادب، باب ۶۲، حدیث نمبر ۴۹۴۶ (۱۶) ترمذی، کتاب المناقب، باب ۱۱۹/۴۵، حدیث نمبر ۳۸۳۰ (۱۷) مسلم، کتاب الآداب، باب ا، حدیث نمبر ۵۵۸۸ (۱۸) مرقات

امانت دار اور سچے تاجر کا مرتبہ

قال رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم

التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "امانت دار سچا تاجر قیامت کے دن انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔" (بہ روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ)[1]

یہ ارشاد مبارک ان تمام اچھے، سچے، نیک، امین اور عمدہ معاملت کرنے والے تاجروں کے حق میں ایک نوید جاں فزاء ہے کہ ان کی امانت داری اور سچائی، جہاں انہیں دنیوی خیر و برکت، مال و دولت میں فروغ اور تجارتی ترقی اور کامیابیوں سے ہمکنار کردیتی ہے وہاں ان کے لئے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے خاص، منتخب اور برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہونے کی ضمانت بھی ہے۔ محض دیانت، حسن معاملہ اور بہترین لین دین کے عوض تاجروں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ فوز و فلاح سے نوازا جارہا ہے، لیکن اگر تاجران عمدہ خصلتوں یعنی امانت داری اور سچائی سے دور ہوکر برخلاف عمل کریں یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ ڈریں، جھوٹ بولیں اور لین دین میں اچھا برتاؤ نہ رکھیں تو وہ سب تاجر جو ایسی قبیح حرکات کے مرتکب ہوں (ارشاد نبویؐ کے بموجب) قیامت کے دن بدکار لوگوں کے زمرہ میں اٹھائے جائیں گے۔[2] ان حقائق کے پیش نظر دو ہی راستے ہیں امانت داری،

سچائی، یا پھر خیانت، وکذب۔ اب یہ فیصلہ ایک تاجر کو کرنا ہوگا کہ وہ قیامت کے دن کس کے ساتھ رہنا پسند کرے گا۔ اللہ والوں کے ساتھ یا بدکار لوگوں کے ساتھ۔ ظاہر ہے ہر ذی شعور اور سعادت مند تاجر یہی پسند کرے گا کہ اس کا ساتھ اچھوں سے ہو۔ اس کے لئے بہرحال امانت داری اور سچائی کا راستہ اپنانا ہوگا جو ہر لحاظ سے پسندیدہ راستہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بائع اور مشتری (بیچنے والا اور خریدنے والا) دونوں واپسی کے مختار ہیں تاوقتیکہ وہ دونوں آپس میں جدا نہ ہوجائیں پس اگر دونوں خرید وفروخت میں سچ بولے اور تمامی عیوب (یعنی بائع مبیع کے اور مشتری نے ثمن کے عیوب) بیان کردیئے تو یہ دونوں کے لئے مؤجب برکت ہے اور اگر جھوٹ بولے اور عیب کو چھپایا تو ممکن ہے کہ کچھ نفع ہوجائے لیکن ان کی بیع میں برکت نہ ہوگی''۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جھوٹی قسم اسباب کی زیادتی یعنی بکری کا سبب ہے لیکن اس کی وجہ سے برکت نہیں ہوتی''۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو بیچنے میں دلیرانہ درگزر اور آسانی کرے اور خریدنے میں بھی دلیرانہ درگزر اور آسانی کرے اور تقاضہ میں بھی آسانی اور نرمی کرے''۔ (بہ روایت حضرت جابرؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگلے زمانے میں اللہ نے ایک شخص کے گناہ اس وجہ سے معاف کردیئے تھے کہ وہ خرید وفروخت اور تقاضے میں نرمی کیا کرتا تھا''۔[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے جو خرید وفروخت

اور تقاضہ میں نرمی اور درگزر سے کام لیتا ہو"۔[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص کسی مسلمان سے اقالہ کرے گا (اقالہ یعنی بیع کو فسخ کر دے یعنی اگر ارزاں خرید کیا ہے تو واپس کر دے اور اگر گراں فروخت کیا ہو تو واپس لے لے، تاکہ کسی مسلمان بھائی کو نقصان نہ ہو اور یہی اس باب کا اصل اصول ہے) اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے گناہ معاف کر دے گا"۔ (بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ)[8]

حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰنؓ کہتی ہیں کہ ایک شخص نے ایک باغ کا بار (ثمرہ) خرید کیا اور اس کی نگہداشت کی اور اچھی طرح محافظت کی بالآخر اس کو اس میں نقصان ظاہر ہوا تو اس نے مالک باغ سے کہا کہ یا تو قیمت میں سے کچھ ساقط کر دے یا بیع کو فسخ کر دے۔ اس نے قسم کھالی کہ اس کو ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات منظور نہیں۔ تب خریدار کی ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی اور تمام واقعہ بیان کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا اس نے قسم کھالی ہے کہ کوئی اچھا کام نہ کرے گا" ۔اس بات کی خبر باغ کے مالک کو ہوگئی، وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اس کو اختیار ہے خواہ قیمت کا کوئی حصہ ساقط کر دے یا بیع کو فسخ کر دے"۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم اپنے غلہ کو ناپ تول لیا کرو تم کو اس میں برکت ہوگی"۔ (بروایت حضرت مقدام بن معدیکربؓ)[10]

(۱،۲) ترمذی، کتاب البیوع، باب ۴، حدیث نمبر ۱۲۰۹، ۱۲۱۰ (۳) بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۹، حدیث نمبر ۲۰۷۹ (۴) بخاری، کتاب البیوع، باب ۲۶، حدیث نمبر ۲۰۸۷ (۵) بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۶، حدیث نمبر ۲۰۷۶ (۶، ۷) ترمذی، کتاب البیوع، باب ۶/۰۰۰، ۷، حدیث نمبر ۱۳۲۰، ۱۳۱۹ (۸) ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ۲۶، حدیث نمبر ۲۱۹۹ (۹) موطا امام مالک (۱۰) بخاری، کتاب البیوع، باب ۵۲، حدیث نمبر ۲۱۲۸ (۱۱) بخاری، کتاب، باب ۵۵، حدیث نمبر ۲۱۳۶

سود سے بچو

قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ و سلم

لیأتین علی الناس زمان لایبقی احد الا أکل الربا فأن لم یأکله أصابه من بخاره و فی روایة أصابه من غباره

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ بجز سود کے کھانے والوں کے اور کوئی باقی نہیں رہے گا جو سود نہیں کھائے گا اس کو اس کا بخار (دھواں) پہنچے گا'' اور بعض روایات میں ہے کہ ''غبار پہنچے گا۔'' (بہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)[1]

اصطلاح شریعت میں ''ربا'' سے مراد وہ زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہو اور نفس عقد میں مشروط ہو، اس کے معنی سود یا بیاج نکلتے ہیں، جو اسلام میں قطعی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔ بیع یا تجارت کو اس کے فوائد کے باعث حلال کر دیا گیا اور سود کو اس کے نقصانات کے سبب حرام کر دیا گیا ہے۔ تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے، پھر محنت کرتا ہے۔ اپنی ساری ذہنی قابلیتیں صرف کرتا ہے اور وقت خرچ کرتا ہے اس کے باوجود نفع یقینی نہیں، اسے نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی ہوسکتا ہے لیکن سود خور جو صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا ہے نہ وقت نہ محنت نہ کاوش وہ یقینی نفع کا

خواستگار کیوں ہو؟۔ اسلام نے سرمایہ دار کے لئے دو راستے تجویز کئے ہیں یا تو اپنے بھائی کو اپنا زائداز ضرورت روپیہ بطور قرض حسنہ دے ورنہ کاروبار میں شریک ہوجائے اور نفع ونقصان میں حصہ دار بنے، اس کے لئے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ سود کی اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی ناقابل تلافی نقصانات کے باعث اس کی حرمت کونہایت شدت سے واضح فرمایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ارشاد ہوا کہ جو ان حرمت والے احکام کے باوصف سود لینے کی جراءت کرے گا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان جنگ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے لکھنے والے اور اس کے گواہ پر لعنت فرمائی اور فرمایا ''یہ سب برابر ہیں''۔ (بہ روایت حضرت جابرؓ)[2]

یعنی اصل گناہ میں یہ سب برابر ہیں کہ سود خوار کے مدد ومعاون ہیں۔ گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''سود کا ایک درہم جو جانتے ہوئے کھائے وہ چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے''۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ)[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس کا گوشت حرام سے اُگا ہوگا تو آگ اس سے بہت قریب ہوگی''۔ (بہ روایت حضرت ابن عباسؓ)[4]

یہاں کھانے سے مراد سود لینا ہے خواہ کھائے پہنے جمع کرے یا کسی اور استعمال میں لائے ان سب میں کھانا اہم ہے اس لئے صرف کھانے کا ذکر فرمایا گیا۔ عام طور پر سود لینے والے کو سود کھانے والا (سود خوار) کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک درہم کا مطلب ہے کہ معمولی سا مال۔ ارشاد میں ''جانتے ہوئے'' یعنی جاننے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر بے علمی یا ناواقفیت میں سود کا پیسہ استعمال میں آجائے تو گناہ نہیں، کیونکہ یہ جانتے بوجھتے نہیں ہوا۔ سود خوار کو اللہ ورسول سے جنگ کا اعلان ہے، سود خوار کے خرابی خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ سود خوار، مقروض اور اس کے بال بچوں کو تباہ کرتا ہے اسی لئے سود خوار پر زیادہ سختی ہے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”سود اگر چہ بہت ہو مگر انجام کمی کی طرف لوٹتا ہے“۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود)[6]

سود کا انجام قلت و ذلت ہے۔ سود حرام ہے اس مال حرام سے کی جانے والی خیرات مقبول ہوتی ہے اور نہ اس میں برکت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس سے خیرات کرے تو وہ قبول ہو جائے اور نہ یہ کہ اس سے خرچ کرے تو اس میں برکت ہو۔ اور اس حرام کو اپنے پس مرگ کے لئے نہ چھوڑے مگر یہ اس کا آگ کا توشہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ برائی سے برائی نہیں مٹاتا لیکن بھلائی سے برائی مٹاتا ہے۔ یقیناً پلید، پلید کو مٹاتا نہیں“۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)[7]

یہ حکم مل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں حلال مال پیش کیا جائے کیوں کہ حرام مال کا صدقہ وخیرات مقبول بارگاہ حق تعالیٰ نہیں ہوتے۔ حرام ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال بھی حرام ہوتا ہے۔ حرام کمائی میں خیر وہ برکت نہیں جب کہ حلال مال اگر چہ کہ تھوڑا ہو اللہ پاک خیر و برکت عطا فرماتا ہے اور اس مال کے تھوڑے سے حصہ کو بھی اپنی راہ میں قبول فرماتا ہے۔ حلال مال باعث اجر آخرت اور اس کے ذریعہ کئے جانے والے اچھے کام اور صدقات وغیرہ ثواب جاریہ کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ حرام کام اور حرام مال موجب گناہ لہٰذا ان سے ہونے والے معاملات گناہ جاریہ بن جاتے ہیں۔ حلال کمائی اور حلال وسائل و ذرائع کو اپنانا سعادت ہے اور حرام کمائی اور حرام وسائل و ذرائع سے تعلق محرومی اور وبال دارین ہے۔

---

(۱) ابوداؤد کتاب البیوع ، باب ۳، حدیث نمبر ۳۳۲۹ (۲) مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب ۱۹، حدیث نمبر ۴۰۹۳
(۳) مشکوٰۃ (۴) بیہقی (۵) مرقات (۶) ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ۵۸، حدیث نمبر ۲۲۷۹ (۷) احمد

اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یأکل من عمل یدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے''۔ (بہ روایت حضرت مقدام رضی اللہ عنہ)[1]

اس ارشاد مبارکہ سے ہاتھوں کی کمائی اور مال حلال کی اہمیت وفضیلت واضح ہوگئی کہ بہترین کھانا وہی ہے جو اپنے ہاتھوں کی کمائی کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو۔ اسی حدیث شریف میں آگے یہ بھی فرمایا گیا کہ ''اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے''۔ اگرچہ کہ آپ بادشاہ تھے لیکن آپ نے کبھی شاہی خزانے سے اپنے لئے مال نہیں لیا اور نہ ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ کیا کیوں کہ وہ خزائن شاہی کو رعایا اور مخلوق خدا کے لئے خاص کر چکے تھے البتہ اپنے خرچ کے لئے وہ خود اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے مال مہیا کرلیا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ اعجاز تھا کہ لوہا آپ کے ہاتھوں میں مثل موم نرم ہوجاتا تھا چنانچہ آپ اس عطیہ ربانی کے ذریعہ زرہ سازی کیا کرتے تھے۔ آپ روزانہ ایک زرہ بناتے تھے جسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے۔ اس رقم میں سے دو ہزار درہم اپنے اہل وعیال پر صرف کرتے اور مابقی رقم چار

ہزار درہم راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ ہر روز فقراء و مساکین بنی اسرائیل آپ سے فیض پایا کرتے تھے۔ اپنے ہاتھوں کی صاف ستھری اور حلال کمائی سے خود پر اور اہل و عیال پر خرچ کرنا سنت انبیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بہت پاکیزہ غذا جو تم کھاؤ وہ تمہاری اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد تمہاری اپنی کمائی ہے''۔ (بہ روایت ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''پاکیزہ ترین غذا جو انسان کھائے وہ اپنی کمائی کی ہے اور اس کا بیٹا اس کی کمائی سے ہے''۔[3]

حلال و پاک کمائی کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد سے ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب ہی کو قبول فرماتا ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ)[4]

اس ارشاد کی جامعیت نے زندگی کی تمام پاکیزگیوں، صفائی اور اچھائیوں کا پورا احاطہ کرلیا ہے جس میں پاک وطیب کمائی بھی ایک اہم اور ضروری پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ بے عیب ہے وہ بے عیب صدقات اور نقصانات سے خالی عبادات اور طیب و طاہر چیزوں کو قبول اور پسند فرماتا ہے۔ بے عیب صدقات اور خالی از نقصان عبادات کے لئے بندہ کا حلال اور جائز مال کمانا لازمی ہے۔ اس ضمن میں حلال و حرام کی تمیز اور پہچان بھی ضروری ہے جو ہر طرح ظاہر و عیاں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں جنھیں بہت لوگ نہیں جانتے ہیں تو جو شبہات سے بچے گا وہی اپنا دین اور اپنی

آبرو بچالے گا اور جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں واقع ہو جائے گا جیسے جو چرواہا شاہی چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اس میں جانور چرلیں۔ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ چراگاہ اس کے محرمات ہیں۔ آگاہ رہو کہ جسم میں ایک پارہ گوشت ہے جب وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے''۔

(بروایت حضرت نعمان بن بشیرؓ)[۵]

اس حدیث شریف سے جو در حقیقت اصول دین کی شارح ہے واضح ہوتا ہے کہ چیزیں تین اقسام کی ہیں، بالکل حلال، بالکل حرام اور مشتبہ۔ حدیث شریف میں ایک مؤثر مثال کے ذریعہ فرمایا گیا ہے کہ مشتبہ چیزوں سے احتیاط نہ کرنے والا کبھی کبھی حرام میں بھی ملوث ہو جا سکتا ہے لہذا ان کے قریب بھی نہ ہونا چاہئے تاکہ علانیہ حلال ہی کو اپنائے اور حرام سے قطعاً بچتا رہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۵، حدیث نمبر ۲۰۷۲ (۲) ترمذی، کتاب الاحکام، باب ۲۲، حدیث نمبر ۱۳۵۸ (۳) ابوداؤد، کتاب البیوع، باب ۷۷، حدیث نمبر ۳۵۲۵ (۴) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۲۰، حدیث نمبر ۲۳۴۶ (۵) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳۹، حدیث نمبر ۵۲

حرص سے بچو

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

یهرم ابن ادم ویشب منه اثنتان الحرص علی العمر والحرص علی المال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''انسان جوں جوں بوڑھا ہوتا جاتا ہے اس میں دو چیزیں جوان ہوتی جاتی ہیں (ایک تو) زندگی کی طمع (دوسرے) مال کی طمع''۔

(بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ) [1]

آدمی کی عمر میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے مال ودولت سے اس کی چاہت بڑھتی ہے اور وہ اس میں زیادتی کا آرزومند ہوتا ہے اور ساتھ ہی دنیا میں زیادہ رہنے اور جینے کی تمنا بھی فروغ پاتی ہے۔ حدیث پاک میں اسی حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے اور اس کی طمع مال وطمع عمر دو چیزیں جوان ہوتی جاتی ہیں۔ مال کی حرص اور عمر میں زیادتی کی تمنا آدمی کی کمزوریاں ہیں جو اسے توکل و یقین اور دینداری کے راستے سے ہٹا دینے لگتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں (کے منڈے) میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ دونوں بکریوں میں اتنا فساد برپا کریں گے جتنا کہ انسان کے مال اور مرتبہ کی طمع اس

کے دین میں فساد برپا کرتی ہے''۔ (بروایت حضرت کعب بن مالکؓ)[۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا مال اور عزت کی طمع کرنا اور ان کو دوست رکھنا اس کے دین کے لئے ایسی مفسد ہے جیسے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں فساد برپا کرتے ہیں جبکہ وہ دونوں بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں اور ان کے لئے کوئی شئے اس فساد سے مانع نہ ہو۔

مال و دولت کی حرص و طمع کے ضمن میں انسانوں کا حال ایسا ہوتا ہے کہ انہیں جتنا مال مل جائے وہ کم ہی تصور کریں گے۔ مال میں زیادتی چاہنے کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ جتنا مال بڑھتا جائے اتنی مال کی حرص اور تمنا میں اضافہ ہوتا ہی جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر انسان کے دو میدان مال سے بھرے ہوں تو بھی تیسرے (میدان) کا متلاشی رہے گا۔انسان کے پیٹ کو بجز مٹی (یعنی خاک گور) کے کوئی اور چیز بھر نہیں سکتی اور جو شخص توبہ کرے (حرص سے) اور (قناعت اختیار کرے) تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے''۔

(بروایت حضرت انس بن مالکؓ)[۳]

انسانوں کی طبعیتوں میں جہاں اور بہت ساری باتیں ہیں، وہیں حرص و طمع بھی موجود ہوتی ہے۔ حریص اور لالچی صرف اپنے مال کی محبت اور اس میں اضافہ کی خواہش ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی نظر اوروں کے مال و متاع پر بھی ہوا کرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے پاس موجود مال و دولت بھی اسے حاصل ہو جائے اور سب اسے مل جائے۔ اسی جبلت شر کے ابھر آنے کے باعث انسان جملہ اخلاقی برائیوں اور معاشری جرائم سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''...اور بچو تم بخیلی سے کیوں کہ بخیلی نے تم سے پہلے لوگوں کو

تباہ کیا بخیلی کہ وجہ سے (مال کی طمع ہوئی) انہوں نے خون کیئے اور حرام کو حلال کیا"۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "حرص سے بچو! کیوں کہ اسی نے اگلوں کو اس کی دعوت دی کہ انھوں نے (بے گناہوں کا) خون بہایا۔ اسی نے اگلوں کو دعوت دی کہ انھوں نے رشتہ کے حق کو کاٹا اور اسی نے اگلوں کو دعوت دی کہ حرام کو حلال سمجھا"۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "سب سے بری بات کڑھانے والی حرص ہے"۔[۶]

حریص انسان کو سدا اس بات کی کڑھن اور غم رہا کرتا ہے کہ مجھے یہ حاصل نہ ہوسکا، مجھے وہ نہ مل سکا دوسرے کے پاس وہ موجود ہے جو میرے پاس نہیں ہے وغیرہ۔ اہل ایمان کو حرص سے بہر حال بچنا اور محفوظ رہنا ہے کیوں حرص جہاں ہو وہاں خیر نہیں قناعت نہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے"۔[۷]

حرص اور طمع کی خرابیوں اور وبال سے بچنے کے لئے احسان اور تقویٰ کا راستہ اپنانا سعادت ہے۔ اچھے اور نیک کاموں میں خرچ کرنا، ضرورت مندوں اور اہل حاجت کی اپنے مال سے خدمت کرنا، صلہ رحمی اور نیک سلوک، مالی ایثار اور انفاق کے ذریعہ انسان تقویٰ کی طرف آگے بڑھے اور اس کے عوض وہ دنیوی برکات اور اخروی بھلائی ونجات کا راستہ اپنالے۔ کامیابی کے لئے راہ خدا میں خرچ کرنا اور حرص و طمع کے چلن کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ کو اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے اس کی عطا پر قناعت تقاضہ بندگی ہے۔ اور اس کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کے بندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا اصطلاح شریعت میں ایثار ہے یعنی اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم جانے اور عملاً انھیں ترجیح دے کر اپنے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی کے راستوں کو ہموار کرلے۔ حرص وطمع سے بری بندے ہی فوز و

فلاح کے مستحق ہوا کرتے ہیں۔حرص کے آزار اور پیش آئندہ مصیبتوں سے بچنے کیلئے صبر وتوکل،قناعت وشکرگزاری اور ایثار وقربانی، انفاق کے رویوں کو اپنانا لازمی ہے۔حرص چھوڑ دینا گویا تمام برائیوں کو چھوڑ دینے کا باعث ہوتا ہے۔حرص چھوڑنے والا اخلاقی وعملی خرابیوں،بخل،فسق وفجور،کذب وریا تمام باتوں سے بچ جاتا ہے۔

---

(۱) ترمذی،کتاب الزھد،باب ۲۸،حدیث نمبر۲۳۳۹ (۲) ترمذی،کتاب الزھد،باب ۴۳،حدیث نمبر۲۳۷۶ (۳) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ۴۰، حدیث نمبر ۲۴۱۵ (۴) مسلم، کتاب البر والصلۃ و الآداب،باب ۱۵،حدیث نمبر ۶۵۷۶ (۵) مستدرک وحاکم (۶) ابن جہان (۷) نسائی،کتاب الجھاد،باب ۸،حدیث نمبر۳۱۱۱

داہنے ہاتھ سے کھاو

قال رسول الله صلى الله علیه و آله و سلم

سم الله و كل بيمينک و كل مما یلیک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بہ روایت حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما)[1]

یہ ارشاد مبارک اگر چہ کہ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کے لئے ہے لیکن ہدایت عمومی ساری امت بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں تھا (مجھے کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیالہ میں کھانے کی سعادت ملتی تھی) میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا تھا (یعنی کھانے کے آداب سے ناواقفیت کی بناء پر میں ہر طرف سے کھایا کرتا تھا جدھر سے جی چاہا ادھر سے کھانے لگتا تھا) تب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ''بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ ہر طرف سے نہ کھاؤ''۔[2]

یہ تینوں حکم جمہور علماء کے نزدیک استحبابی ہیں۔ یونہی پانی وغیرہ پیتے وقت بسم اللہ پڑھے، داہنے ہاتھ سے پیئے یہی سنت ہے۔ خواہ جماعت ہو یا تنہا ہر ایک کھاتے وقت بسم اللہ پڑھے، داہنے ہاتھ سے کھائے اور

اپنے سامنے سے کھائے، ہاں اگر طباق یا سینی کشتی وغیرہ میں مختلف مٹھائیاں بسکٹ یا مختلف قسم کے میوے کھجوریں ہیں تو جہاں سے چاہے کھالے۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شیطان کھانے کو اپنے لئے حلال بنالیتا ہے اس بناء پر کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے"۔ (بہ روایت حضرت حذیفہؓ)[۴]

یعنی کھانے کے شروع میں جب بسم اللہ پڑھی جائے تو شیطان کے لئے رکاوٹ ہو جاتی ہے اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو کھانا پینا شیطان کے لئے کھل جاتا ہے۔ دودھ یا پانی یا کوئی اور چیز ہو پینے یا کھانے کی ہمیشہ داہنے ہاتھ سے برتن تھامے، داہنے ہاتھ سے کھانا پینا جمہور کے ہاں حکم استحبابی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پئے تو داہنے ہاتھ سے پئے"۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (روٹی کا لقمہ) تین انگلیوں سے نوش فرماتے تھے اور پونچھنے سے پہلے اپنا ہاتھ چاٹ لیتے تھے۔ (بروایت حضرت کعب بن مالکؓ)[۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں اور پیالے کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس میں برکت ہے۔ (بہ روایت حضرت جابرؓ)[۷]

روٹی تین انگلیوں سے یعنی انگوٹھا، کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے لقمہ بنا کر کھانا سنت ہے بلاضرورت زیادہ انگلیاں استعمال نہ کرے البتہ چاول کا لقمہ پانچوں انگلیوں سے بنا کر کھائے۔ انگلیوں کا چاٹ لینا، پھر رومال سے پونچھنا پھر پانی سے دھولینا چاہیئے۔[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میں تکیہ لگا کر نہ کھاؤں گا"۔[۹]

کھاتے وقت تکیہ لگانے کی چار صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پہلو زمین سے قریب کرکے بیٹھے، دوسرے چہار زانو بیٹھے، تیسرے یہ ایک ہاتھ زمین پر ٹیک لگا کر بیٹھے، چوتھے یہ کہ دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے، یہ چاروں تکیے مناسب نہیں۔ دوزانو یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا اچھا ہے، طبی لحاظ سے بھی مفید ہے، کھڑے ہو کر کھانا اچھا نہیں۔[10]

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کھانے کو عیب نہیں لگایا، اگر پسند فرمایا تو اسے کھالیا اور ناپسند فرمایا تو چھوڑ دیا۔[11]

ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔[12]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن طلب فرمایا تو انھوں نے عرض کی ہمارے پاس سرکہ کے سواء کچھ نہیں تو حضور نے وہی منگوالیا اور اسے نوش فرمانے لگے اور ارشاد فرماتے تھے کہ ''سرکہ اچھا سالن ہے، سرکہ اچھا سالن ہے۔''[13]

حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ککڑی کے ساتھ کھجور نوش فرماتے ہوئے دیکھا۔[14]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ گھر والے بھوکے نہیں رہے جن کے پاس چھوہارے ہوں۔ (بہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ)[15]

حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس کھانے سے بچا ہوا مجھے بھیج دیتے تھے۔ آپ نے ایک دن ایک پیالہ بھیجا جس میں سے کچھ کھایا نہ تھا، کیونکہ

اس میں لہسن تھا۔ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ''کیا وہ حرام ہے''۔ فرمایا ''نہیں، لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں اس کی بو کی وجہ سے'' (تو حضرت ابوایوب نے) عرض کیا ''آپ ناپسند کرتے ہیں تو اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں''۔[16]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنا کھانا ناپ لیا کرو تم کو اس میں برکت دی جائے گی''۔ (بروایت حضرت مقدام بن معدیکربؓ)[17]

یہ عمل بہت مجرب ہے کہ جب بازار سے کچھ آوے تو ناپ تول کر رکھی جائے، ان شاء اللہ بہت ہی برکت ہوگی، ہاں خیرات کرتے وقت یا توکل کے موقع پر ناپ تول نہ کرے۔[18]

لہٰذا جن احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جو عطا فرمائے جس سے وہ برسوں کھاتے رہے جب اتفاقاً تول لئے تو ختم ہو گئے۔ وہ حدیث اس کے خلاف نہیں وہاں توکل کی تعلیم تھی یوں ہی فطرہ تول کر خیرات کرے کہ وہاں اداء واجب وزن سے متعلق ہے۔[19]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہوتا ہے کہ وہ جب لقمہ کھائے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے یا گھونٹ پیئے تو اللہ کا شکر کرے۔ (بہ روایت حضرت انسؓ)[20]

---

(۱) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب۲، حدیث نمبر ۵۳۷۶ (۲) ایضاً (۳) مرقاۃ (۴، ۵) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب۱۳، حدیث نمبر ۵۲۵۹، ۵۲۶۵ (۶، ۷) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۱۸، حدیث نمبر ۵۲۹۷، ۵۳۰۰ (۸) مرقاۃ (۹) ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب ۱۶، حدیث نمبر ۳۷۶۵ (۱۰) اشعۃ اللمعات (۱۱) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ۲۱، حدیث نمبر ۵۴۰۹ (۱۲) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ۳۲، حدیث نمبر ۵۴۳۱ (۱۳) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۳۰، حدیث نمبر ۵۳۵۲ (۱۴) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ۳۹، حدیث نمبر ۵۴۴۰ (۱۵) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۲۶، حدیث نمبر ۵۳۳۶ (۱۶) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۳۱، حدیث نمبر ۵۳۵۶ (۱۷) بخاری، کتاب البیوع، باب ۵۲، حدیث نمبر ۲۱۲۸ (۱۸) مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۶ (۱۹) مرات (۲۰) مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب ۲۴، حدیث نمبر ۶۹۳۲

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

کل مسکر خمر و کل مسکر حرام.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے''۔

(بہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو دنیا میں شراب پیئے پھر اس پہ دوام کرتے ہوئے مرجائے تو وہ آخرت میں نہ پی سکے گا''۔[2]

یعنی اگر حلال جان کر پیتا رہا تو کافر ہوا کافر جنت سے محروم ہے اور اگر حرام جان کر پیتا رہا تو اگر چہ جنت میں پہنچ جائے اور وہاں کی تمام نعمتیں برتے مگر شراب (طہور) کبھی نہ پائے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ جس مدت تک شراب پیتا رہا اس مدت تک نہ پائے گا یا زیادہ مقدار میں نہ پائے گا بہت تھوڑی ملے گی۔ بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول سے شراب طہور نہ ملے گی۔ غرضکہ اس جملہ کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں۔ شراب طہور جنت کی اعلیٰ نعمت ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے

- **وسقھم ربھم شراباً طھورا** (۷۶/۲۱)

’’شراب طہور نہایت صاف پاک نہ اسے کسی کا ہاتھ لگا نہ کسی نے چھوا نہ وہ پینے کے بعد شراب دنیا کی طرح جسم کے اندر سڑ کر بول بنے بلکہ اس کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ جسم کے اندر اتر کر پاکیزہ خوشبو بن کر جسم سے نکلتی ہے‘‘۔

حدیث شریف میں شراب دنیا کے نشہ آور ہونے اور ہر نشہ آور چیز کے حرام ہونے سے متعلق ارشاد ہے جو یہاں پہ حرام پئے گا اسے آخرت میں حلال و پاکیزہ نعمت طہور نہ ملے گی۔ خمر کے لغوی معنی عقل بگاڑنے والی چیز کے ہیں۔ لفظ خمر مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’شراب ان درختوں سے ہوتی ہے کھجور اور انگور‘‘۔

(بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ) [۳]

ان دو چیزوں کا ذکر اس لئے ہے کہ اس وقت عرب میں ان ہی کی شراب عموماً ہوتی تھی ورنہ شراب اور چیزوں سے بھی بنتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر خطبہ پڑھا تو فرمایا کہ ’’شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے ہوتی ہے انگور، چھوہارے، گندم، جو اور شہد سے۔ خمر وہ ہے جو عقل کو بگاڑے‘‘۔ [۴]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبع کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ شہد کی شراب ہے اور یمن کے باشندے اس کو پیتے تھے تو فرمایا ’’ہر پینے کی چیز جو نشہ دے حرام ہے‘‘۔ [۵]

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس

شراب کے متعلق پوچھا جو ان کی زمین میں پی جاتی ہے جوار کی ہوتی ہے اسے مزر کہا جاتا ہے تو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ''کیا وہ نشہ آور ہے''۔عرض کیا ''ہاں'' حضور انورؐ نے فرمایا کہ ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔بے شک اللہ کے ذمہ ایک وعدہ ہے اس کے متعلق جو نشہ پئے یہ کہ طینۃ الخبال پلائے''۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟۔حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ''دوزخیوں کا پسینہ یا دوزخیوں کا کچ لہو''۔[6]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت طارق بن سویدؓ نے شراب کے متعلق پوچھا تو منع فرمایا۔وہ بولے کہ دوا کے لئے بناتا ہوں، تو فرمایا ''شراب دوا نہیں لیکن وہ نری بیماری ہے''۔

(بہ روایت حضرت وائل حضرمیؓ)[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے شراب پی تو اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا اس کی چالیس دن کی نماز پھر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول فرمائے گا پھر اگر لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔اگر پھر لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا اگر پھر چوتھی بار لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کرے گا اور اسے خبال کی نہر سے پلائے گا''۔

(بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جس چیز کی بہت مقدار نشہ دے تو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے''۔ (بہ روایت حضرت جابرؓ)[9]

جو شخص شراب پی لے اور توبہ نہ کرے تو چالیس دن تک اس کی عبادت میں لذت حضور قلبی میسر نہ ہوگی

جس کی وجہ سے وہ عبادت اگر چہ ادا ہو جائیں گی مگر قبول نہ ہوں گی۔ نماز فرمایا گیا اور تمام عبادات مراد لی گئیں کہ نماز سب سے افضل عبادت ہے جب وہ ہی قبول نہ ہوئی تو دوسری عبادات بدرجہ اولی قبول نہ ہوگی۔ شراب ام الخبائث ہے اور نماز ام العبادات جو ام الخبائث پیئے وہ ام العبادات کی قبولیت سے محروم رہے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ جو شراب پیئے گا اس کے سینہ سے نور ایمانی نکل جائے گا۔[10]

توبہ کی حقیقت ہے گزشتہ پر ندامت، آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد اسی طرح شراب سے توبہ چاہئے کہ آئندہ اس کے قریب نہ جانے کا عہد کرے۔ یعنی اگر توبہ کرتے وقت مکمل عہد کیا کہ اب کبھی نہ پیوں گا پھر شیطان نے بہکا دیا اور پی لی، چالیس کا عدد اس لئے بیان ہوا کہ شراب کا اثر چالیس دن تک بدن میں رہتا ہے۔ ہر غذا اور ہر پانی کا اثر جسم میں چالیس دن تک رہتا ہے جو کوئی چالیس دن اخلاص سے عبادت کرے تو اس کے دل و زبان سے حکمت کے چشمے بہنے لگتے ہیں جو حضور کی چالیس حدیثیں مسلمانوں تک پہنچائے اسے اللہ تعالیٰ محدثین و فقہاء کے زمرہ میں حشر نصیب فرمائے گا۔ غرض چالیس کے عدد کی عبادات اور گناہوں میں عجیب تاثیر ہے۔[11]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”نہ داخل ہوگا جنت میں احسان جتانے والا، ماں باپ کا نافرمان اور شراب کا عادی“۔ (بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)[12]

---

(۱) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۷، حدیث نمبر ۵۲۱۸ (۲) ایضاً (۳) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۵۱۴۲ (۴) بخاری، کتاب الاشربۃ، باب ۵، حدیث نمبر ۵۵۸۸ (۵) بخاری، کتاب الاشربۃ، باب ۴، حدیث نمبر ۵۵۸۶ (۶) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۷، حدیث نمبر ۵۲۱۷ (۷) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۵۱۴۱ (۸) ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ۱، حدیث نمبر ۱۸۶۲ (۹) ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ۳، حدیث نمبر ۱۸۶۵ (۱۰، ۱۱) مرقات (۱۲) مسند احمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ نزدیک وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتے ہیں''۔

ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ۲۱/ ۲۳۵، حدیث نمبر ۴۸۴/۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم آپ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں لیکن آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس طرح کہو **اللهم صلی علی محمد عبدك و رسولك كما صليت علی ابراهيم و بارك علی محمد و علی آل محمد كما باركت علی ابراهيم و آل ابراهيم**''۔

بخاری، کتاب الدعوات، باب ۳۲، حدیث نمبر ۶۳۵۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپؐ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے ہم کس طرح درود بھیجیں؟ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس طرح پڑھا کرو **اللهم صل علی محمد و علی آل محمد كما صليت علی ابراهيم و علی آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علی محمد و علی آل محمد كما باركت علی ابراهيم و علی آل ابراهيم انك حميد مجيد**''

مشکوٰۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر سے لوٹنے لگے تو مدینہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ''اے اللہ! میں ان دو سنگستانوں کے درمیانی مقام (مدینہ) کو حرم بناتا ہوں جس طرح ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور مد (غلہ اور چھوہارے ناپنے کے دو پیمانے) میں برکت عنایت کر''۔

بخاری، کتاب الجہاد و سیر، باب ۷۱، حدیث نمبر ۲۸۸۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت میں سب سے زیادہ مجھے پیارے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے لیکن ان کی تمنا ہو گی کہ کاش اپنے گھر والے اور مال (قربان کرنے) کے بدلہ میں میرا دیدار کر لیں''۔

مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب ۴ حدیث نمبر ۱۴۵۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں''۔

بخاری، کتاب الرقاق، باب ۳۸ حدیث نمبر ۶۵۰۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن کی مثال کھیتی کے پودوں کی طرح ہے کہ ہوا کبھی اس کو ادھر ادھر جھکا دیتی ہے اور کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہے اور منافق کی مثال صنوبر درخت کی طرح ہے کہ وہ ہمیشہ سیدھا قائم و دائم رہتا ہے یہاں تک کہ ایک ہی دفعہ اکھڑ جاتا ہے''۔

بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ۱، حدیث نمبر ۵۶۴۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''فاطمہؑ جنتی عورتوں کی سردار ہے''۔

بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۱۲ (عنوان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''فاطمہؑ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جس نے ان کو غضبناک کیا اس نے مجھ کو غضبناک کیا''۔

بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۱۲، حدیث نمبر ۳۷۱۴

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب کبھی قحط پڑتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے کہ ''اے اللہ! ہم تجھے تیرے رسول کا واسطہ دیا کرتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اور اب ہم تجھے تیرے رسولؐ کے چچا کا واسطہ دیتے ہیں لہذا تو پانی برسا''۔ چنانچہ خوب بارش ہوتی۔

بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ۱۱، حدیث نمبر ۳۷۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جنت والے اپنے اوپر کے بالاخانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے کہ جس طرح تم مشرقی یا مغربی کناروں میں چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو اس وجہ سے کہ جنت والوں کے درجات میں آپس میں تفاوت ہوگا''۔

مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب ۳ حدیث نمبر ۱۴۴۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میری مثال اس آدمی کی طرح ہے کہ کسی نے آگ جلائی ہو تو جب اس نے آگ سے اپنے اردگرد کو روشن کیا تو اس میں کیڑے مکوڑے اور وہ جانور جو اس میں گرتے ہیں وہ کرنے لگے وہ آدمی ان کو روکے مگر وہ نہ رکیں اور اس میں گرتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہی مثال میری اور تمہاری ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑ کر تمہیں دوزخ میں گرنے سے روکتا ہوں اور میں تمہیں کہتا ہوں کہ دوزخ کے پاس سے چلے آؤ، دوزخ کے پاس سے چلے آؤ لیکن تم نہیں مانتے اور اس میں گرتے چلے جا رہے ہو۔“

مسلم، کتاب الفضائل، باب ۶، حدیث نمبر ۵۹۵۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں“۔

بخاری، کتاب الفرائض، باب ۱۵، حدیث نمبر ۶۷۴۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حجامت کرواتے تھے تو حضرت انسؓ نے دیکھا کہ صحابہ کرام حضور انورؐ کے ارد گرد رہتے وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضور اکرمؐ کا کوئی موئے مبارک نیچے گرے بلکہ کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ میں آقائے دو جہاںؐ کا موئے مبارک آتا۔

مسلم، کتاب الفضائل، باب ۱۹ حدیث نمبر ۶۰۴۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جب کسی نے دریافت کیا تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ کوئی خز یا حریر (ریشمی کپڑے) بھی رسول اللہؐ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم و نازک نہیں دیکھا اور نہ مشک اور عنبر کی خوشبو سونگھی جو رسول اللہؐ کی خوشبو سے پاکیزہ اور بہتر ہے۔

بخاری، کتاب الصوم، باب ۵۳، حدیث نمبر ۱۹۷۳

حنین کے دن جب مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی سواری سے اتر کر فرمانے لگے کہ ’’میں اللہ کا نبی ہوں جس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں‘‘۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ اس دن حضور انورؐ سے زیادہ بہادر کسی کو نہیں دیکھا گیا۔

بخاری کتاب الجہاد و سیر، باب ۱۶۷ حدیث نمبر ۳۰۴۲

کتابیات

۱	صحیح البخاری	امام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ	المکتبۃ العصریہ۔صیدا، بیروت
۲	صحیح مسلم	امام ابی الحسین مسلم بن الحجاج ابن مسلم القشیری النیساپوری	المکتبۃ العصریہ۔صیدا، بیروت
۳	سنن ابی داؤد	امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث الازدی السجستانیؒ	دارالاحیاء التراث العربی۔بیروت
۴	سنن الترمذی	امام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سَورۃؒ	دارالمعرفۃ ۔بیروت
۵	سنن نسائی	امام ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ	دارالاحیاء التراث العربی۔بیروت
٦	سنن ابن ماجہ	امام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینیؒ	دارالاحیاء التراث العربی۔بیروت
۷	موطا مالک	امام مالکؒ	
۸	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ	

ودیگر کتب حدیث وشروحات